کشفِ خارجیت
مصنف
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ
دارِ مظہر التحقیق لاہور

مولانا محمد علی سعید آبادی کے کتابچہ ''اصل حقیقت'' کا جواب

کشفِ خارجیّت

تصنیفِ لطیف

مظہر شریعت و طریقت، قلزمِ حق و حقیقت

وکیل صحابہؓ حضرت مولانا **قاضی مظہر حسین** رحمہ اللہ

(خلیفۂ مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ)

مقدمہ، طبع دوم

حافظ عبدالجبار سلفی

ناشر

ادارہ مظہر التحقیق

متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ لاہور

فون نمبر: 0322-8464167-0333-4742178

نام کتاب ——— کشفِ خارجیت

مصنف ——— حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

مقدمہ، طبع دوم ——— حافظ عبد الجبار سلفی

ناشر ——— ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک

——— ملتان روڈ۔ لاہور 0322-8464167-0333-4742178

طبع اوّل ——— 1405ھ (1985ء)

طبع دوم ——— دسمبر 2014ء

ملنے کے پتے

لاہور

① مکتبہ سید احمد شہید، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور 0300-4501769

② مولانا عبد الرؤف نعمانی، جامع مسجد میاں برکت علی ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور 0321-4145543

③ ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ، لاہور

اجازت نامہ

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی تمام کتب کو شائع کرنے کی اجازت مولانا عبد الجبار سلفی (ادارہ مظہر التحقیق، لاہور) کو دی جاتی ہے۔ کوئی اور فرد یا ادارہ ان کی پیشگی اجازت کے بغیر کوئی کتاب یا کتابچہ شائع نہ کرے!

منجانب: (مولانا) جمیل الرحمٰن مہتمم جامعہ عربیہ اظہار الاسلام، خطیب مدنی جامع مسجد، چکوال

انتساب

اس کتاب کے موجودہ ایڈیشن کا انتساب علامہ فضل اللہ بن روز بہانؒ کے نام کیا جارہا ہے جنہوں نے ۹۰۹ھ میں شیعہ عالم علامہ ابن مطہر حلی متوفی ۷۲۶ھ کی کتاب ''کشف الحق و نہج الصدق'' کا جواب ''ابطال نہج الباطل'' کے نام سے دے کر دنیاء رفض کے ساتھ ساتھ خوارج کا علمی ناطقہ بند کر دیا تھا، ہر وہ مومن قاری جوان سطور کو پڑھے، علامہ ابنِ روز بہانؒ کی بلندیٔ درجات کے لیے ضرور دعا کرے۔

عبدالجبار سلفی

حُسنِ ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حدیقۂ علم کا سدابہار پھول، مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

ازعبدالجبار سلفی

دین اسلام نے اقوامِ عالم کو تباہ کن طریقوں کے مابین معتدل اور متوازن قانون دیا، جس کی خوبیاں محض نظری طور پر ہی نہیں، دنیا نے آزما کر بھی دیکھ لیا ایک اچھے انسان، اور انسانوں میں ایک اچھے مسلمان کی بنیادی صفت ''اعتدال'' ہے۔ عرب کے ہاں ایک مقولہ صدیوں سے زیر استعمال ہے کہ ''الجاھلُ امّا مفرَطٌ اومفرِط'' جاہل یا تو بہت زیادتی کرجاتا ہے یا نہایت کمی، اعتدال پر نہیں رہتا۔ ویسے تو دنیا کے ہر شعبے میں متحمل اور متوازن مزاج انسان ایک خاص اہمیت رکھتا ہے مگر مذہبی معاملات میں اس کی ضرورت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ عدمِ برداشت کی بنیادی وجہ عدم علم ہوتا ہے۔ جوں جوں انسان علم کا بوجھ اپنے اوپر رکھتا چلا جاتا ہے، وہ ہلکا پھلکا ہوتا چلا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے دین اسلام کو ابتداء سے ہی اس مرض کا سامنا رہا ہے مختلف زمانوں میں مٹھی بھر لوگوں نے تلونِ طبع کی وجہ سے امت کی اکثریت کو پریشان اور مخمصے میں مبتلا رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں لاتعداد اور کربناک فرقوں میں سے دو فرقوں کے تقابلی نظریات نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ① شیعیت ② خارجیت

''خارجیت تاریخ اسلام کا ایک آشوب ناک اور دہشت انگیز فرقہ ہے۔ خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین یہودی سازش نے جو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیج ڈالی تھی اس کا نتیجہ جنگ صفین کی شکل میں سامنے آیا، باختلاف روایاتِ تاریخ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک لاکھ سے زائد تعداد میں لشکر تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نوّے ہزار، اس خوفناک جنگ نے ستر ہزار افراد کی جان لے لی، بالآخر فریقین کو ''تحکیم'' پر رضامند ہونا پڑا یعنی

جانبین سے ''حَکَم'' مقرر کیے جائیں جو باہمی مذاکرات کے بعد فیصلہ دیں کہ سربراہی کا اہل کون ہے؟ بلاد شام کی مشرقی جانب ''صفین'' کے مقام پر محرم ۳۷ھ میں فریقین کا اجتماع ہوا تھا۔ اس جنگ کا سبب بیان کرتے ہوئے چونکہ افراط وتفریط کا سہارا لیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اصحاب رسول ﷺ سے بدگمانیاں جنم لیتی ہیں، اس لیے یہ تفصیل کا مقام تو نہیں تاہم بالکل نظر انداز کر دینا بھی مناسب نہیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف پیش کر دیا جاتا ہے کیونکہ اسی شورش سے خوارج نے جنم لیا تھا، جو تاریخ کا ایک وحشت ناک فرقہ ثابت ہوا۔ فریقین کا موقف سامنے آ جانے سے سلیم طبعیتیں ان شاء اللہ گمراہ نہیں ہوں گی۔

سیدنا حضرت علیؓ خلافت راشدہ کے چوتھے تاجدار تھے، آپ کے دست مبارک پر مہاجرین اور انصار کی ایک بڑی جماعت نے بیعت کر لی تھی، یہ بیعت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے چار دن بعد منعقد ہوئی تھی جس میں حضراتِ طلحہؓ و زبیر رضی اللہ عنہ سمیت جلیل القدر مہاجرین وانصار موجود تھے۔ بعض بیعت کرنے والے اور بعض نہ کرنے والوں میں ایک تعداد ان نفوس قدسیہ کی تھی جن کا مطالبہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے فی الفور قصاص لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ پہلے بیعت کریں اور پھر اپنا مطالبہ خلیفۂ وقت کے سامنے پیش کریں۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے بعض حضرات کہتے تھے کہ بیعت سے انکار کرنے والے گویا ''اہل البغی'' ہیں، جب تک وہ خلیفۂ حق کو تسلیم نہ کریں گے، قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے ان سے قتال ضروری ہے (فتح الباری لابن حجر، جلد نمبر ۱۳، ص ۲۴۶)۔

دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے ہی شام کے گورنر چلے آرہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین دھوکہ بازی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں گھسے ہوئے ہیں، ان سے

قصاص لیا جائے ہمارا صرف یہی مطالبہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے ہمیں ذرا بھر بھی اختلاف نہیں ہے مگر باضابطہ بیعت تب کریں گے جب شرعی طریقے سے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جائے گا...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا کہ اس وقت نظم وضبط کے ساتھ خلیفۂ وقت کا استحکام ضروری ہے، قصاصِ دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کا کام بعد میں کر لیا جائے گا۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خط دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس میں مطالبۂ بیعت تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جوابی خط میں اعادہ کیا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیے بغیر مطالبہ بیعت نہ کیا جائے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر قائم تھے اور اُدھر فریق ثانی بھی مضبوط تھا، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اس مفاہمت میں ناکامی کی وجہ سے اتنے دلبرداشتہ ہوئے کہ بالکل الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے۔ ''قرقیسا'' کے مقام پر گوشہ نشین ہوئے اور ۵۱ھ یا ۵۴ھ میں انتقال فرما گئے۔

اس کے بعد ایک معروف تابعی حضرت عبیدہ السلمانی رحمہ اللہ نے بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ نزاع رفع کروانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی یہ دوسری کوشش تھی۔

تیسری کوشش اس وقت ہوئی جب ملک شام میں مقیم معروف صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے میں آپ سے سبقت لینے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت بھی آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ اُنہیں نصیب ہے اور حقدار خلافت بھی ہیں تو پھر ان سے قتال کس بناء پر؟ اس پر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا کہ وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلہ لے لیں۔ ''ثم انا اول من باعیه من اهل الشام'' تو ملک شام میں بیعت کرنے والا میں پہلا آدمی ہوں گا۔'' (البدایہ ج ۷، ص ۲۵۹)

جب یہ دونوں حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہاں بھی حسبِ سابق لوہا گرم تھا اور جب انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیغام سنایا تو ان کے

لشکر کے سب لوگ برہم ہو کر بولے، ہم سب قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، آؤ ہم سے بدلہ لے لو۔ یہ حالات دیکھ کر یہ دو صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اتنے دل گرفتہ ہوئے کہ الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے، اور کسی کی طرف سے بھی شریکِ جنگ نہیں ہوئے۔ اور غیر جانبدار رہ کر ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

اس کے بعد ایک مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ نے بھی اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے صلح کروانے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔

اب حالات دن بہ دن جنگ کی طرف جا رہے تھے اور بالآخر وہ قیامت کی گھڑی آ گئی جب صفین کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا، جانبین سے انسانی جانوں ضیاع ہوا۔

اب فریقین نے قتال ختم کروانے کے لیے حکمین پر رضا مندی ظاہر کی کہ جانبین سے ایک ایک حکم اس مسئلے اور قضیے کا فیصلہ کرنے کے لیے منتخب کیا جائے۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکم مقرر کیے گئے۔

خارجیت کا یومِ جنم

روافض اپنے مشن میں کامیاب ہو چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور پھر اس کے بعد حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین معمولی اختلافات کو طول دے کر ''صفین'' کی جنگ تک لانے والا یہی بداطوار اور بدکردار فرقہ تھا۔ خارجیت کی کسر ابھی باقی تھی اور اس نے اسی فیصلہ تحکیم کے دوران جنم لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں سے دس، بارہ ہزار لوگوں نے جب دیکھا کہ دونوں طرف سے انتہائی مخلص، معاملہ فہم اور دانا و زیرک حکمین چنے جا چکے ہیں اور یہ اب لامحالہ صلح کروا دیں گے تو انہوں نے عین اس موقع پر جب کہ ابھی حکمین کا فیصلہ صادر نہیں ہوا تھا، اس فیصلے کو اور مُصنفین کو ماننے سے انکار کر دیا اور "لاحکم الا اللہ" کے نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ جم غفیر سے نکل کر الگ جا کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اب جلتی پر بجائے

پانی ڈالنے کے تیل ڈالنے کا عمل شروع کر دیا اور گن گن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کرنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آزمائشوں کے کتنے پہاڑ گرے، اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی آزمائشوں کی دلدل سے نکل نہ پائے مگر یہ دونوں اور ان کے ساتھ جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب اللہ کے نیک، مقبول اور جنتی لوگ تھے۔

تحکیم بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور ناکام ہوگئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی واپس آکر اب اہل شام سے باقاعدہ بیعت لینی شروع کر دی۔ بندے تدبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سے تقدیری فیصلے ہوتے ہیں، اور ہمیشہ تقدیر، تدبیر پر غالب رہتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کو قربان کر کے پوری صداقت کے ساتھ دینِ الٰہی کو امت میں منتقل کر کے اپنی اپنی جنت میں آباد ہو گئے مگر اس جنگ کی پیداوار خارجیت آج تک امت پر مسلط ہے اور خدا جانے یہ فکری اژدھا کب تک پھن پھیلائے وحشت پیدا کرتا رہے گا۔

دینِ اسلام میں شیعہ و خارجی دونوں ہی خطرناک ہیں البتہ ان میں فرق یہ ہے کہ رافضیت نے باقاعدہ ایک مذہب کا روپ دھار لیا تھا، کیوں کہ انہیں مذہبی لبادہ اوڑھنے کے لیے واقعہ کربلا میسر آ گیا جب کہ خارجیت اس قسم کے کسی بہانے سے فائدہ نہ اُٹھا سکی اس کی وجہ یہ ہے کہ روافض میں چالباز اور تنظیم ساز قسم کے لوگ تھے اور خارجیوں کے متعلق جون ایلیا نے مشہور عربی ادیب استاذ حسن الزیارت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

''خوارج کی اکثریت بدو، غیر مہذب، خانہ بدوش...... اپنے فیصلوں اور ظلم پر عامل، مذہب کے باب میں متشدد عبادت میں انتہا پسند، معاملات میں سخت گیر اور جدال و قتال کی قائل تھی انہوں نے خلفاء کے اعمال اور عام مسلمانوں کے عقیدے کا جائزہ لیا اور ان میں سے بعض کو مجرم اور بعض کو کافر قرار دیا، خوارج کو انسانوں کی تاریخ کا عجیب وغریب گروہ قرار دیا جانا چاہیے۔ ایسا مجموعۂ اضداد گروہ آج تک پیدا نہیں ہوا۔ بیک وقت بے حد ظالم اور بے حد عادل، بے حد

حق پسند اور بے حد باطل کوش، دین کے لیے جان دینے والے، لیکن ان کے ساتھ ہی دوسرے مسلمانوں کی عورتوں، معصوم بچوں اور بوڑھوں پر ذرا بھی رحم نہیں کھاتے تھے۔" (سسپنس ڈائجسٹ، مئی ۱۹۹۷ء، فرنود، ص ۶۰۰)

چنانچہ روافض نے امامت کا عقیدہ ایجاد کیا، تعلیمی ادارے قائم کیے دین اسلام کے مقابلے میں آئمہ حدیث کے بعد خود ساختہ حدیثی مجموعے لکھے، اسماء الرجال پر کتابیں لکھیں، حکومتوں اور حکمرانوں کی چاپلوسی کی، حتیٰ کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "تحفۂ اثناء عشریہ" میں انہیں چنگیز کا فضلہ خور تک لکھا، امام باڑے اور مسجدیں بنائیں، عوام کو مصروف رکھنے کے لیے کئی قسم کی رسومات ایجاد کیں، بنی اسرائیل کی گائے سے ہندوؤں کی گاؤ ماتا تک کی تاریخ ان کے سامنے تھی چنانچہ انہوں نے "گھوڑا" فارمولا ایجاد کیا اور یہ فارمولا اتنا کامیاب ثابت ہوا کہ آج پوری شیعیت گھوڑے کے گرد گھوم رہی ہے اور ان کے مجتہدین اپنی قوم کی سادہ لوحی سے پورا پورا مادی فائدہ اٹھا کر چلے آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ یہود و نصاریٰ کی مدد سے یہ باقاعدہ سلطنتیں بھی قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ دوسری طرف سے خارجیت نکھٹو کی نکھٹو رہی، بعض عرب ممالک کے سربراہان اس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً عمان و مسقط کے سلطان قابوس وغیرہ، مگر انہوں نے ایرانی شیعوں کی طرح خارجیت ملک پر مسلط نہیں کی۔ اب اہل حق کو چالباز رافضیوں اور نالائق خارجیوں کا سامنا ہے۔ ہندوستان میں بھی خارجیت بطور فرقہ یا مذہب داخل نہ ہو سکی، البتہ مختلف مسالک میں اس کے جراثیم وقتاً فوقتاً پائے گئے اور ساتھ ساتھ اہل حق کی طرف سے جراثیم کشی کا عمل بھی جاری رہا۔ بعض لوگ اپنی بدمزاجی اور کرختگی کی بناء پر بھی اپنے بڑوں کے ہاں "خارجی" کہلائے گئے مثلاً مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

"ہمارے زمانہ میں بعض نام کے اہل حدیث خارجیوں کی روش پر چل رہے ہیں۔" (لغات الحدیث جلد اول، ص ۵۱)

اسی طرح مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ جیسے بے ضرر بزرگ نے بھی لکھا کہ ''جماعتِ اہل حدیث اپنے ناقص العلم اور غیر محتاط نام نہاد علماء کی تحریروں اور تقریروں سے دھوکہ نہ کھائے۔ کیوں کہ ان میں سے بعض تو پرانے خارجی ہیں۔ الخ (احیاء المیت ص ۳۶)

سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ اس قسم کی عبارتوں سے اپنا خیال یوں کشید کرتے ہیں:

''اس سے پتہ چلتا ہے کہ مذاہب کی کشمکش میں خارجیت ایک جنس ہے، جس کا موضوع اسلام کے چلتے نظام اور اس کی ایک قائم فکر سے خروج کرنا ہے۔''

(عبقات جلد دوم ص ۱۳۶)

بہر حال خارجیوں کے جو چند مخصوص عقائد تھے ان کے حامل تو شاید اس خطے میں نہیں پائے جاتے، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جنہیں اس فکری مناسبت کی بناء پر ''خارجی'' کہہ دیا جاتا ہے تاکہ اس فتنے کے تسلسل میں ان کا قلع قمع کرنا آسان ہو جائے۔ پاکستان میں اس کی تاریخی فتنے کی داغ بیل ڈالنے والے کراچی کے محمود احمد عباسی ہیں، انہوں نے اپنی کتابوں کے ذریعے ایک بہت بڑے حلقے کو متاثر کیا، جن میں حکیم فیض عالم صدیقی، عُزیر احمد صدیقی، نذیر احمد شاکر، عظیم الدین صدیقی، سلطان نظامی، حسن الدین سہروردی وغیرہم مستقل تصانیف کے ذریعہ اپنی فکر پھیلاتے رہے ان لوگوں کے چکمہ میں زیادہ تر وہ لوگ آئے جو مذہبی جذبات تو رکھتے تھے مگر صاف نظریات، مطالعہ اور اہل حق کی صحبتوں سے محروم تھے۔ یہ لوگ اپنی بحث کی ابتداء سانحۂ کربلا سے کرتے ہیں۔ اس میں وہ یزید کی حمایت کر کے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پھر یزید کی ولی عہدی کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج پر تنقید کرتے ہوئے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر جا کر اپنی تان توڑتے ہیں۔

حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا موروثی مشن دفاعِ ناموسِ

صحابہ رضی اللہ عنہم تھا۔ آپ کے عظیم والد گرامی ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کی علمی، سیاسی اور سماجی شخصیت ہندوستان بھر میں خدماتِ دینیہ اور مرزائیت ورافضیت کے خلاف جدوجہد کے حوالہ سے امتیازی تعارف وشان کی مالک ہے۔ اس خطۂ پنجاب میں تقسیم ہند سے قبل اور بعد نصف صدی تک ان باپ بیٹا کی خدمات علمیہ نے آج بھی اہل ذوق کو محوِ حیرت کر رکھا ہے۔ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمۃ اللہ نے اگرچہ ہر فتنے کے خلاف تحقیقی کام کیا ہے، مگر دفاعِ ناموسِ صحابہ اور ردِ روافض آپ کا امتیازی اور مستقل محاذ تھا۔ جیسا کہ اسی کتاب میں حضرت لکھتے ہیں:

''سالہا سال سے میں تحریری وتقریری طور پر شیعہ عقائد کا ابطال کر رہا ہوں، جن میں سرفہرست شیعہ عقیدۂ امامت ہے۔''

مگر تردید رفض کا یہ معنی اسلاف اہل سنت میں کبھی نہیں رہا کہ محض شیعہ مخالفت میں حقائق کو بھی روندتے چلے جائیں۔ باوزن اور باسلیقہ اختلاف وہ ہوتا ہے، جس کی جڑوں میں شخصی عناد، بغض یا اشتعال نہ ہو، اور وہ اصولوں پر مبنی ہو۔

چنانچہ پاکستان میں جب کچھ لوگوں نے اپنی کمزور اور بودی تحقیق کا سہارا لے کر سیدنا حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اور خاندان نبوت کو اپنا ہدف بنایا تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ نے اس طبقے کی اصلاح کے لیے تقریباً بارہ سو صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں ''خارجی فتنہ'' تصنیف کی، اس کتاب نے ہندو پاکستان کے سُنی حلقوں میں دُھوم اور خارجی حلقوں میں اودھم مچا دیا۔

عربی واردو لٹریچر میں اس عنوان پر یہ ایک منفرد کاوش ہے، چنانچہ حق بیزار لوگوں کی بے چینی یقینی تھی، افسوس کہ اس بلند پایہ علمی کتاب پر کسی مخالف نے کوئی سنجیدہ تبصرہ نہیں کیا۔ محض لاف وگراف، طعن وتشنیع اور طنز وتمسخر سے اوراق سیاہ کیے گئے۔

''خارجی فتنہ'' کی **پہلی** جلد میں ''مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' اور دوسری میں فسقِ یزید پر بحث کی گئی ہے۔ **''کشفِ خارجیت''** دراصل ''خارجی فتنہ'' پر وارد ہونے والے بعض

اشکالات اوراعتراضات کا جواب ہے۔ کراچی کے مولانا محمد علی سعید آبادی نے ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ تحریر کیا تھا جس کا نام ''قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی اصل حقیقت'' تھا، اس کے جواب میں حضرت اقدس رحمہ اللہ نے زیرنظر کتاب لکھی۔ کہنے کوتو یہ ایک جوابی کتاب ہے، مگر اسے حضرت اقدس رحمہ اللہ کی خودنوشت سوانح کا اگر ایک گوشہ قرار دیا جائے تو بھی درست ہوگا کیونکہ اس میں حضرت رحمہ اللہ کے خاندانی وتعلیمی حالات، والد ماجد ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے متعلق دلچسپ حقائق، علماء دیوبند کے چشم دید واقعات، پاکستان میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا پسِ منظر، بعض علمی کتب پر ناقدانہ تبصرے، تنظیم اہل سنت اور تحفظ حقوقِ اہل سنت کی تاریخی جھلکیاں، جمعیت علماءاسلام میں فعال کردار، قائدانہ حیثیت اور پھر اصولی اختلاف کی بناء پر کنارا کشی سمیت انتہائی دلِ رُبا، دل کش اور مُفید معلومات موجود ہیں۔ اسے ایک غیر جانبدار اور صاحبِ عقل قاری پڑھ کر خود فیصلہ دے گا کہ ایسی علمی اور پُر انصاف باتوں کے مقابلے میں اَلل ٹپ اور بے مقصد باتوں کی وقعت کیا ہوسکتی ہے؟

ادارہ مظہر التحقیق کی جانب سے ''خارجی فتنہ'' بہت خوبصورت اور شاندار طباعت میں ملبوس ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے اور اس کے بعد حضرت اقدس رحمہ اللہ کی تمام بڑی کتب بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ کشفِ خارجیت کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کم وبیش پانچ ماہ قبل مکمل ہوگئی تھی۔

مگر راقم الحروف مقدمہ لکھنے کے لیے اپنی طبعی سُستی رفع نہ کرسکا، اُدھر شائقین کا اصرار روز بروز بڑھتا رہا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی ہے اور لکھنے پڑھنے کے دوسرے کاموں کو التواء میں ڈال کر کے موسم سرما کی ایک چمکدار اور مزیدار دُھوپ میں بیٹھ کر چند لکیریں کھینچ دی ہیں۔ اس وقت میرے پیش نظر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی سوانح حیات کے تیسرے اڈیشن سمیت تقریباً چھ کتب کے مسودات موجود ہیں، جن کی پروف خوانی کرنی ہے، حواشی سجانے ہیں، مقدمات تحریر کرنے ہیں اور پھر

مواعظ وارشادات اور مکتوبات وخطبات پر بھی کام کرنا باقی ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ فانی زندگی میں اتنی مہلت، صحت، وسائل اور جذبہ عطا فرما دے کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ کی جملہ علمی کتب ورسائل از سرنو منصہ شہود پر آسکیں۔ بقول غالب

ہزاروں خواہشیں ایسیں کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں، لیکن پھر بھی کم نکلے

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ دنیاوی سعادتیں اور اخروی سرفرازی کے لیے زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ کی توفیق من جانب اللہ نصیب ہو۔

عبدالجبار سلفی
ادارہ مظہر التحقیق، کھاڑک لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ مدد

پیشِ لفظ

میری کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول'' کے جواب میں ۸۰ صفحات کا ایک کتابچہ بنام ''قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی'' اصل حقیقت'' مؤلفہ مولانا محمد علی صاحب سعید آبادی (تلمیذ حضرت سندھی رحمہ اللہ) چند ماہ پہلے کراچی سے شائع ہوا تھا۔ جس کا جواب بنام ''کشفِ خارجیت'' ملت سنیہ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ کتابچہ ''اصل حقیقت'' کے مؤلف مولانا محمد علی سعید آبادی مرحوم نہیں بلکہ کوئی اور صاحب ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کی عبارتیں پیش کر دی ہیں، جن سے خلافت راشدہ کے متعلق ان کا عقیدہ واضح ہے جو جمہور اہل سنت کے مطابق ہے لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' کا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں مؤلف موصوف نے جو زبان استعمال کی ہے اور اس مختصر کتابچہ میں جتنی کذب بیانی اور بہتان تراشی کی ہے اس کا ارتکاب مولانا سندھی رحمہ اللہ کا کوئی تلمیذ رشید نہیں کر سکتا۔ یہ کتابچہ ''اصل حقیقت'' نہیں ''بے حقیقت'' اور ''خلاف حقیقت'' ہے۔ یہ ایک تبرا نامہ اور ''جھوٹ کا مربہ'' ہے جس کا مؤلف کوئی سبائی خارجی ہی ہو سکتا ہے۔ اس رسالہ نے اس کی خارجیت کو بے نقاب کر دیا ہے، اس لیے اس جوابی کتاب کا نام ''کشفِ خارجیت'' رکھا گیا ہے۔

(۲) جن حضرات نے زیرِ بحث کتابچہ کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں سے کئی حضرات غالباً فرمائیں گے کہ اس کے جواب کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیا گالی نامے کا بھی کوئی جواب ہوا کرتا ہے؟ اس پہلو سے تو یہ بات صحیح ہے لیکن بندہ نے بعض دوسری وجوہ کے

پیش نظر اس کا جواب لکھا ہے۔ ایک وجہ تو یہی ہے کہ اس خارجی گروہ کی خارجیت کا پردہ چاک کیا جائے جو محبین صحابہ کا عنوان اختیار کر کے اہل سنت میں اپنے نظریات فاسدہ پھیلانا چاہتے ہیں اور خصوصیت سے وہ دیوبندی حلقوں میں کام کر رہے ہیں حالانکہ نہ وہ سنی ہیں نہ دیوبندی، نہ بریلوی نہ اہل حدیث ان کا طریق کار کمیونسٹوں کا سا ہے بلکہ اس خارجی گروہ میں کمیونسٹ بھی شامل ہیں جو سوادِ اعظم اہل السنّت والجماعت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے اس جدید خارجی گروہ کے لٹریچر سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کے مشن کے چار خاص ارکان ہیں۔

(۱) جھوٹ (۲) بہتان (۳) فریب (۴) تبرّا۔

چنانچہ کتابچہ ''اصل حقیقت'' ان ارکان اربعہ پر مشتمل ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ مؤلف اصل بحث ''مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم'' سے گریز کرتے ہوئے ان علماء کو زیر بحث لے آئے ہیں، جن سے میرا مسلکی یا سیاسی اختلاف ہوا ہے اور اس میں بھی انہوں نے اپنے مشن کے تحت جھوٹ اور بہتان تراشی سے خوب کام لیا ہے حتیٰ کہ میرے والد مکرم رئیس المناظرین حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی شخصیت کو بھی زیر بحث لے آئے اور مرحوم کے جو مقدمات دجال و کذاب مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی سے ہوئے تھے اور جن کا سرکاری ریکارڈ بھی محفوظ ہے اور جس میں مولانا مرحوم کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، اس میں بھی افترا پردازی کر کے قادیانیوں کو خوش کیا، جس کی تفصیل کتاب ہذا میں پیش کی گئی ہے۔ چونکہ ان کے پیش کردہ غیر متعلقہ امور واختلافات سے بہت کم لوگ واقف ہیں، اس لیے ان بہتانات کا جواب دینا بھی ضروری تھا۔ تاکہ ناواقف قارئین کہیں ان کی افترا پردازیوں سے متاثر ہو کر زیر بحث اصل مسئلہ کے متعلق بھی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں اور گو ان غیر متعلقہ مباحث کے جواب کی وجہ سے کتاب کی ضخامت بڑھ گئی ہے لیکن اہل فہم و دیانت حضرات کو اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ علمی اور مسلکی نفع ہوگا۔

(۳) اصل زیر بحث مسئلہ تو ''مشاجرات صحابہ'' کا ہے۔ جس میں مولانا محمد اسحاق

صاحب سندیلوی سابق استاذ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن نے جمہور اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ سے شدید اختلاف کیا ہے بلکہ بعض اکابر محققین اہل سنت کے متعلق آپ نے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جمہور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جنگ جمل و صفین میں قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشدہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق وصواب پر تھے اور گو فریق ثانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے بھی بوجہ مجتہد صحابی ہونے کے حق کے دائرہ میں ہی تھی لیکن اس قضیہ میں ان سے اجتہادی غلطی ہوگئی اور اجتہادی غلطی کوئی قابل مذمت امر نہیں ہے کیونکہ اس پر بھی حسبِ حدیث نبوی ایک اجر ملتا ہے لیکن مولانا سندیلوی جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تسلیم نہیں کرتے بلکہ بہ نسبت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت چوتھا موعودہ خلیفہ راشد تسلیم کرنے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ پر تنقیدیں کرتے ہیں اور چونکہ یہ سندیلوی نظریہ بالکل غلط ہے۔ اس لیے بندہ نے مولانا سندیلوی کی ضخیم کتاب ''اظہارِ حقیقت'' (جس میں انہوں نے جمہور اہل سنت کے عقیدے کا رد کیا ہے) کے جواب میں ضخیم کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' شائع کی ہے جس میں عقیدہ اہل السنّت والجماعت کا پوری طرح اثبات اور تحفظ کیا گیا ہے اور الحمدللہ علماء اہل السنّت والجماعت نے بھی میری اس کتاب کی تائید و تصویب کی ہے۔ چنانچہ ان علمائے کرام کے ''تائیدی تبصرے'' کتابی صورت میں بھی علیحدہ شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں ماہنامہ بینات کراچی کے فاضل ایڈیٹر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی زید مجدہم کا تائیدی تبصرہ بہت مفصل ہے اور اس میں انہوں نے اپنے پیر بھائی مولانا سندیلوی صاحب موصوف سے یہ گزارش کی ہے کہ وہ اپنے اس غلط نظریہ سے رجوع کر لیں۔ واللہ الموفق

مولانا سندیلوی کی بنیادی کمزوری

حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے نزاع وقتال کی بحث میں مولانا سندیلوی صاحب نے قرآن مجید کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کی بنیاد کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ اس بحث کی بنیاد یہی مقدس آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے

خصوصی طور پر مہاجرین صحابہ کرام کو خلیفہ بنانے کا وعدہ اور اعلان فرمایا ہے۔ اور اس وعدہ خداوندی کا مصداق خلفائے اربعہ ہی بنتے ہیں (یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ (اور انہی حضرات خلفاء کو چار یار کہا جاتا ہے) ان آیات کے تقاضے کو نظر انداز کرنے کا یہ انجام ہوا کہ مولانا سندیلوی نے دور خلافت مرتضوی میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیاست وحکومت کی اہلیت وبصیرت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی۔ (حالانکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخصیت کے متعلق وعدہ فرمایا تھا (یعنی حضرت علی المرتضی) وہ حضرت عثمان ذوالنورین کی شہادت فتنہ سبائیت اور ان پیچیدہ حالات وواقعات میں ایسی بصیرت نہیں رکھتے تھے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی اور اسی بنا پر مولانا موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اقرب الی الحق قرار دے رہے ہیں کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اللہ تعالیٰ نے چوتھے درجہ میں حضرت علی کا بطور وعدہ جو انتخاب فرمایا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ (العیاذ باللہ) اور پھر یہ غلط نظریہ قائم کر لیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس جنگ میں اجتہادی غلطی کا بھی صدور نہیں ہوا بلکہ غلطیاں حضرت علی المرتضی سے سرزد ہوئی ہیں اور اس جنگ وقتال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے۔ مولانا سندیلوی کی قائم کردہ غلط بنیاد کا یہ غلط نتیجہ ہے۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تاثریا می رود دیوار کج

مولانا موصوف نے مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں اپنی کتاب اظہار حقیقت جلد دوم میں اہل السنت والجماعت کے خلاف جو نظریات پیش کیے ہیں یہ ایک ایسا پل ہے جس کو عبور کر کے خارجیت کی حد میں داخل ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خارجی گروہ کے بعض افراد نے مولانا سندیلوی کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ وہ بظاہر ان کا دفاع کرتے ہیں لیکن حقیقتاً انہوں نے اپنے باطل نظریات کی اشاعت کے لیے ان کو ڈھال بنایا ہوا ہے۔

مؤلف اصل حقیقت کے تین بنیادی جھوٹ

مولف موصوف نے پہلے تو تین عدد جھوٹ اور تین عدد بد دیانتی کا الزام مجھ پر لگایا ہے جس کا جواب دے کر ان کے افتراءات کی قلعی کھول دی گئی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ میں نے اپنی کتاب میں نہ کوئی جھوٹ بولا ہے نہ بد دیانتی کی ہے۔ البتہ کسی امر میں غلط فہمی ہو جائے تو وہ اور بات ہے لیکن مؤلف صاحب کے قلم سے جتنے جھوٹ اس مختصر کتابچہ میں سرزد ہوئے ہیں ان کو نمبروار میں نے کتابِ ہذا میں پیش کر دیا ہے جو غالباً ۳۷ ہیں اور علمی خیانتیں اور عیاریاں ان کے علاوہ ہیں۔ لیکن تین ان کے جھوٹ ایسے ہیں جو ان کے مشن خارجیت کی بنیاد ہیں۔

① مجھ پر شیعہ عقیدہ امامت کا الزام۔

② جماعت اسلامی کا معنوی شاگرد کہنا۔

③ مولانا لعل شاہ صاحب بخاری کا معنوی شاگرد قرار دینا۔

یہ جھوٹ انہوں نے عمداً تراشے ہیں اور بار بار ان کا ذکر کیا ہے ورنہ ان کا ضمیر بھی گواہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ سالہا سال سے میں تحریری و تقریری طور پر شیعہ عقائد کا ابطال کر رہا ہوں جن میں سرفہرست شیعہ عقیدہ امامت ہے چنانچہ رد شیعیت میں میری حسبِ ذیل تصانیف شاہد ہیں۔

سنی مذہب حق ہے، بشارت الدارین، پاکستان میں کلمہ اسلام کی تبدیلی کی ایک خطرناک سازش، میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں، خدام کا اعلان حق ہے ❶۔ خلافت راشدہ حق چار یار سے بھی شیعہ عقیدہ امامت کی تردید ہوتی ہے۔ اصلی کلمہ اسلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور یا اللہ مدد کے عنوانات نہ صرف کتابوں اور قراردادوں بلکہ سنی عید کارڈوں۔ سنی کیلنڈروں اور ویگنوں اور سوزوکیوں پر بھی نمایاں نظر آتے ہیں مگر خارجی مؤلف اس کے باوجود بھی ہماری جماعت

---

❶ یہ کتب اب دوبارہ زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ سلفی

کوگالی شیعہ قرار دے رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑا جھوٹ بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔

② ردشیعیت کی طرح ردمودودیت میں بھی بندہ کام کر رہا ہے۔ میری کتابیں، مودودی مذہب، علمی محاسبہ، مودودی صاحب کے نام کھلی چٹھی اور میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہیں ❶۔

اور جمعیت علمائے اسلام سے میرے مستعفی ہونے کی وجہ بھی ان کا مودودی جماعت اور شیعوں سے اشتراک کرنا ہے۔ جس کی تفصیل کتاب ہذا میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود بھی مؤلف صاحب مجھ پر جماعت اسلامی کے معنوی شاگرد ہونے کا بہتان لگا رہے ہیں۔

③ مولانا لعل شاہ بخاری مؤلف ''استخلاف یزید'' کے بعض ان نظریات پر میں نے تنقید اپنی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں کر دی ہے جو اہل سنت کے خلاف ہیں جس کے ردعمل میں ان کے ایک خاص شاگرد مولوی مہر حسین شاہ صاحب نے میرے نام ''کھلی چٹھی'' شائع کی۔ جس کے جواب میں میری کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' شائع ہو چکی ہے۔ جس میں مولانا لعل شاہ صاحب کی ان عبارات کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتوہین لازم آتی ہے۔

گوئبلز کون ہے؟

مؤلف صاحب لکھتے ہیں: چکوالی گوئبلز کی اس شریرانہ عبارت کے جواب میں ہم قارئین کرام سے صرف یہ گزارش کریں گے الخ (اصل حقیقت ص ۶۶) اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

گوئبلز جرمنی کا مشہور پروپیگنڈسٹ تھا جس نے جھوٹ کی نشر واشاعت کے اصول مدون کیے ہیں۔ ان کا سب سے اہم اصول یہ ہے کہ جب کسی کو بدنام کرنا ہو تو تابڑتوڑ اس پر جھوٹے الزامات لگاؤ۔ اس جھوٹ کو خوب پھیلاؤ۔ مسلسل پھیلاؤ۔ اس قدر جھوٹ بولو کہ خود تمہیں اپنا جھوٹ سچا معلوم ہونے لگے''

---

❶ ادارہ مظہر التحقیق لاہور نے یہ کتب بھی دوبارہ شائع کروادی ہیں۔ سلفی

اب میں قارئین کرام کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ: ''اصل حقیقت'' کا بھی مطالعہ کریں اور میری اس کتاب ''کشفِ خارجیت'' کا بھی اور پھر دیانت وامانت کی بنا پر فیصلہ کریں کہ گوئبلز کون ہے؟ مؤلف اصل حقیقت یا خادم اہل سنت؟ جن حضرات علماء نے میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل کی بھرپور تائید وتصویب کی ہے ان میں سے تو کسی کو میرا جھوٹ نظر نہیں آیا لیکن مؤلف صاحب کو کس خوردبین سے نظر آ گیا؟ کیا اس کی وجہ یہی نہیں ہے کہ مؤلف صاحب خود گوئبلز کے فلسفہ پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ تو پھر بھی غیر مسلم تھا جس کو قرآن کی وعید لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ پر یقین نہیں تھا۔ لیکن فنکاری تو مؤلف اصل حقیقت کی ہے کہ حُب صحابہ اور حُب حضرت معاویہ کا بھی ورد کر رہے ہیں اور جھوٹ پر جھوٹ بھی لکھتے جا رہے ہیں تو کیا یہ جرمنی کے غیر مسلم گوئبلز سے جھوٹ کے فن میں سبقت نہیں لے گئے؟

حُب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آڑ

اس خارجی گروہ نے تو حُب معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک آڑ بنایا ہوا ہے اپنے جراثیم پھیلانے کے لیے۔ بات تو صرف اتنی تھی کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہوگئی (اور آپ ان حالات میں معذور تھے) اور جن اکابر اہل سنت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے باغی اور جائر وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کی مراد بھی اس کی صورت ہے نہ کہ حقیقت، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں آپ کی رائے گو غلط تھی لیکن اجتہادی خطا ہونے کی وجہ سے وہ خلاف حق نہ تھی اس لیے آپ کی یہ خطا نہ قابل ملامت ہے نہ قابل مذمت ہے...... میں نے جا بجا خارجی فتنہ حصہ اوّل میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی وغیرہ اکابر اہل سنت کی عبارات اسی توجیہ وتاویل میں پیش کر دی ہیں۔ علاوہ ازیں خود مولانا سندیلوی بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ: کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں۔ اس لیے جو حضرات یہ مسلک رکھتے ہیں ان پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں

ہوسکتا۔ (اظہارِ حقیقت جلد دوم ص ۴۶۵) اور جمہور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی تھی۔ لیکن مؤلف مذکور نے تو ایک آڑ لینی تھی۔

میری کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' نے چونکہ خارجی گروہ کی کمر توڑ دی ہے وہ مجھے کس طرح معاف کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس عقیدہ ''خطائے اجتہادی'' کی بنا پر ہی مجھ پر بہتان تراشیاں کیں اور اس کو بغض معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی قرار دیا۔ اور بار بار اس بہتان کو دوہرایا تاکہ گوئبلز کے فلسفہ کے تحت ناواقف سُنی مسلمان اس جھوٹ پر یقین کر لیں کہ جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''خطائے اجتہادی'' مانتا ہے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دشمن گلابی شیعہ اور شیعہ ہے۔ دراصل وہ اس راستے سے عقیدہ اہل سنت کو مجروح کر کے سلف اور خلف سے اعتماد اٹھا کر ان اپنے نظریات کو سنی عقائد کے نام سے پھیلانا چاہتے ہیں۔ میں نے ایک شیعہ مصنف مولوی سجاد حسین مؤلف ''رسالہ سجادیہ'' کی کتاب ''تقریر دلپذیر'' کے ٹائیٹل سے یہ عبارت ''دفاع صحابہ ص ۱۸'' میں پیش کی ہے کہ:

''اسلام میں صرف دو فرقے ہیں ایک شیعہ اور دوسرا خارجی، سنی کوئی نہیں''

چونکہ اہل السنّت والجماعت کے عقائد حقہ سے شیعیت کا ابطال ہوتا ہے اس لیے مذکورہ غالی شیعہ مصنف نے یہ پروپیگنڈا چلایا کہ سنی کوئی فرقہ ہی نہیں۔ اسلام میں یا شیعہ ہیں یا خارجی۔ یہی ٹیکنیک مؤلف ''اصل حقیقت'' بھی پیش کر رہے ہیں کہ:

بار بار کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ناواقف سنی مسلمان یہی سمجھیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء ماننے والا سُنی نہیں شیعہ یا گلابی شیعہ ہے'' تاکہ اس کے بعد سلف و خلف صالحین اہل سنت سے نفرت کرنے کا دروازہ کھل جائے ورنہ اگر مؤلف صاحب ذرہ برابر بھی خلوص و دیانت رکھتے تو وہ اصل مسئلہ پر دلائل سے بحث کرتے۔ لیکن انہوں نے بجائے اس کے ''اصل حقیقت'' کے نام سے ''جھوٹ کا مربہ'' پیش کر دیا۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

مولانا سندیلوی کی خدمت میں

مولانا موصوف سے گذارش ہے کہ وہ خارجی گروہ کے گھیراؤ سے نجات پانے کی کوشش کریں۔ مؤلف اصل حقیقت جیسے لوگ اس قسم کے کتابچے لکھ کر آپ کی شخصیت کو اور زیادہ مجروح کررہے ہیں۔ کیا آپ کے دفاع کے لیے اس قسم کی دروغ بافی اور جھوٹ نویسی ضروری ہے۔ بندہ نے تو جمہور اہل سنت کے عقیدے کے مطابق قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کا اپنی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں دفاع کیا ہے اور آپ بھی یہ تسلیم کررہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کوئی بے ادبی نہیں ہے۔ تو پھر آپ نے مشاجرات صحابہ کی بحث میں ایک ضخیم کتاب ''اظہار حقیقت'' شائع کرکے دین کی کیا خدمت کی ہے: آپ کے اس طرز عمل سے دیو بندی حلقوں میں تشویش پائی جاتی ہے۔ اہل سنت کو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا البتہ عباسی گروہ کو اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے ایک سہارا مل گیا ہے۔

متقدمین بھی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں

مولانا سندیلوی کا یہ دعویٰ (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے قائل صرف متاخرین ہیں اور متقدمین میں سے کوئی نہیں) خلاف حقیقت ہے کیونکہ متقدمین بھی اجتہادی خطا کے قائل ہیں۔ چنانچہ میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں محققین متقدمین حضرات کی بھی عبارتیں نقل کردی ہیں مثلاً امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ حنفی متوفی ۳۷ھ۔ امام عبدالقاہر بغدادی متوفی ۴۲۹ھ۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اندلسی متوفی ۴۵۶ھ۔ صاحب ہدایہ امام مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ اور علامہ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ بھی (عندالبعض) متقدمین میں سے ہیں از روئے تحقیق متقدمین ومتاخرین جمہور اہل السنّت والجماعت مشاجرات صحابہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے

قائل ہیں۔اور یہ عقیدہ عقائد اہل سنت میں شمار کیا جاتا ہے۔جس کی تفصیلات کتاب ہٰذا اور خارجی فتنہ حصہ اوّل میں مذکور ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں مذہب اہل السنّت والجماعت کی اتباع۔خدمت اوراستقامت عطا فرمائیں۔آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ
۱۰ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی والصّلوۃ والسّلا علٰی رسُولہٖ مُحَمَّدٍ المصطفٰی وَعَلٰی خُلفَاءِ ہِ الرَّاشِدینَ الّذین ھُمْ قدوۃ ائمۃ الصّدق والصّفاء وَعلٰی الہٖ واَصْحَابہٖ الّذین ھم نجوم الحقّ والھدی۔

تقریباً ۶/۵ ماہ قبل ایک کتابچہ صفحات ۸۰ بنام: ''قاضی مظہر حسین چکوالی کے ''خارجی فتنہ'' کی اصل حقیقت۔'' ازمولانا محمد علی صاحب سعید آبادی (تلمیذ حضرت سندھیؒ) تحریک خدام صحابہ رضی اللہ عنہم فیڈرل بی ایریا کراچی نے شائع کیا ہے۔ جس پر نہ تاریخ تصنیف درج ہے اور نہ پریس کا نام۔ اور جن مولانا محمد علی صاحب سعید آبادی کو اس کتابچہ کا مؤلف ظاہر کیا گیا ہے وہ بعد ازاں وفات پا چکے ہیں۔ چنانچہ جنگ کراچی ۶/اپریل ۱۹۸۴ء مطابق ۳/رجب ۱۴۰۴ھ میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے:

''مشہور انقلابی عالم مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا محمد علی سعید آبادی جو عرصہ دراز سے تبوک سعودی عرب میں مقیم تھے اور آج کل پاکستان آئے ہوئے تھے انتقال کر گئے۔ کل ان کی یاد میں ایک قرآنی مجلس شریف نگر کراچی میں منعقد ہوگی۔'' اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں۔ آمین۔

اس کتاب کے مؤلف کون ہیں؟

مولانا محمد علی سعید آبادی مرحوم ایک غیر معروف شخصیت ہیں۔ قبل ازیں ان کی کسی تصنیف یا کسی علمی مضمون کی اشاعت کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اس کتابچہ کی اشاعت کے بعد ہم نے کراچی کے بعض علماء و احباب سے ان کے متعلق دریافت کیا لیکن ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ ان کی وفات کے بعد ہی اس بات کا علم ہوا کہ وہ عرصہ دراز سے سعودی عرب میں مقیم تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتابچہ کے مصنف تو کوئی اور صاحب ہیں اور مولانا سعید آبادی کے نام کو استعمال کیا گیا

ہے اور حضرت سندھی رحمۃ اللہ کا تلمیذ لکھ کر کتابچہ کا وزن بڑھانے کی بیجا کوشش کی گئی ہے۔

حسب ذیل امور قابل لحاظ ہیں:۔

① مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی عمر اسی (۸۰) سال سے متجاوز بتائی گئی ہے جو طویل عرصہ سعودی عرب رہے ہیں۔ ان کو ردِّ شیعیت اور رد مودودیت میں میری تصانیف کے مطالعہ کا کب موقع ملا ہے جس کا کتابچہ میں حوالہ دیا گیا ہے۔

② ان کو میرے والد حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب آنجہانی کے مقدمات کی تفصیلات کہاں سے ملیں؟ مہر منیر سوانح حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ کی فرصت کیسے ملی؟

③ اس کتابچہ میں مؤلف یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

> یہ سب بالتفصیل بتانے کے لیے تو کم از کم ''خارجی فتنہ'' ہی کے برابر ضخامت رکھنے والی کتاب کی ضرورت ہے خود ہمارے پاس اس کے جواب میں کئی سو صفحات پر مشتمل مسودہ موجود ہے کاش کوئی صاحب اسے شائع کرادیں تو یہ چکوالی صاحب کی پیدا کردہ الجھنوں کا بہترین علاج ہوگا الخ (ص ۳۶)

اس جوابی مسودہ کے مرتب کرنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ اس کے لیے سعید آبادی صاحب نے اس بڑھاپے میں کتنا وقت خرچ کیا ہوگا؟ سعودی عرب سے واپسی پر وہ کتنا عرصہ پاکستان میں رہے ہیں؟ یہ امر محل اشکالات ہے۔

④ بندہ نے تو ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں اپنے پیش کردہ موقف کی تائید میں حضرات اکابر دیوبند کی عبارات پیش کی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کی عبارات نقل کی ہیں۔ اور یہ سب حضرات مشاجرات صحابہ (جنگ صفین) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں۔ اور حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ ان حضرات کے مسلک ہی کے متبع تھے۔ وہ ان حضرات کا تذکرہ امام ولی اللہ امام محمد قاسم اور امام محمود حسن (شیخ الہند) کے الفاظ سے کرتے تھے مولانا سندھی رحمۃ اللہ حجۃ اللہ البالغہ علماء کو سبقاً پڑھاتے

تھے۔ جس سال (۱۹۳۹ء میں) حضرت مولانا سندھی انگریزی دورِ استبداد میں ۲۵ سالہ طویل جلاوطنی گزار کر واپس دیوبند تشریف لائے تھے بندہ دارالعلوم دیوبند کا متعلم تھا۔ حضرت مولانا مرحوم کی زیارت کی اور آپ کے ارشادات سُنے۔ آپ خصوصی طور پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مسلک کی دعوت دیتے تھے۔ ان کی جماعتی پالیسی سے خواہ دوسرے علماء کو اختلاف رہا ہو۔ لیکن عقیدتاً ومسلکاً وہ سنی دیوبندی تھے۔ ان کا ایک مقالہ بنام ''امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف'' حضرت مولانا محمد منظور نعمانی زید فضلہم کے ماہنامہ ''الفرقان'' کے ولی اللہ نمبر میں شائع ہوا تھا۔ جو پھر کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس کی ''تقریب'' میں حضرت مولانا نعمانی موصوف ۵ کے تحت لکھتے ہیں:

''حضرات اہل علم خصوصاً اصحابِ درس سے گزارش ہے کہ وہ اس مقالہ کو سرسری نظر سے نہیں بلکہ غور وتعمیق کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور جہاں جہاں ضرورت سمجھیں ایک دفعہ سے زیادہ غور فرمائیں۔ میں نے خود بھی بعض مقامات کا چند چند بار اور بہت غور سے مطالعہ کیا تو مراد کو سمجھ سکا۔''

(محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ۔ مدیر الفرقان بریلی۔ ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ)

مولانا عبیداللہ سندھی اور دورِ خلافت راشدہ

اسی مذکورہ مقالہ میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ مہاجرین وانصار کے دینی اعلیٰ مقام کے متعلق۔ آیت السّٰبِقُوْنَ ❶ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ (سورۃ التوبہ آیت ۱۰۰)

---

❶ اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں امت سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ (ایمان لانے میں) ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا۔ اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

کے تحت فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور تعلیم سے جو جماعت قرآن پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوئی اس کا وہ مرکزی حصہ جس کا ہر قول وفعل خدا تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے وہ مہاجرین وانصار کا پہلا طبقہ تھا اس کی اتباع قرآن پر عمل کرنے کے لیے قیامت تک مسلمانوں کے لیے ضروری ہے جو چیز اُس زمانہ میں متعین ہوگی اُسی کو اُسی شکل میں اور اسی معنی میں قائم رکھنا اتباع بالاحسان ہے۔ زمانے کے تغیرات سے جوئی چیز قابل بحث پیش آئے وہ اس جماعت متبعین بالاحسان کا فیصلہ ماننا ضروری ہوگا۔ یہ اس دور کے مابعد کے اجماع کا حاصل ہے۔ اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام ہوگا۔ (ص ۳۱)

تبصرہ

① حضرت علی المرتضیٰ سمیت چاروں خلفاء مہاجرین اوّلین میں سے ہیں۔ اس لیے ان کی اتباع از روئے قرآن مابعد والوں کے لیے ضروری ہوگی۔

② حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ خلافت راشدہ کے دور کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک وفاقی، جو حضرت عثمان ذوالنورین کی شہادت تک ہے کہ اس میں باہمی کوئی اختلاف واقعہ نہیں ہوا۔ دوسرا حضرت علی المرتضیٰ کا دور خلافت ہے جس میں باہمی اختلاف پیدا ہوگیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ''مگر آیات احکام پر عمل کرنے کے لیے ہمیں دور نبوت اور خلافت راشدہ کا طرز عمل معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے ہمیں ایک فقہ کی کتاب درکار ہے جس میں تصریح ہو کہ رسول اللہ ﷺ نماز یوں ادا کرتے تھے۔ مسلمانوں سے زکوٰۃ اس طرح وصول کرتے تھے۔ بیع وشرا ومعاملات اس طرح طے ہوتے تھے۔ غرض جمیع آیات احکام کی تفصیل رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے وفاقی دور (یعنی شہادت عثمان رضی اللہ عنہ تک) سے معلوم ہونی چاہیے اور یہ چیز مؤطا میں ملتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب باہمی جنگیں شروع ہوئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ چھوڑ کر عراق تشریف لے گئے۔ یعنی اہل مدینہ نے جو علم سیکھا تھا اس پر فتنہ کا

کوئی اثر نہیں پڑ سکا۔اس کے بعد بنی اُمیہ کے دور میں سیاسی مرکز دمشق بنا مگر انہوں نے علمی مرکز مدینہ طیبہ ہی کو تسلیم کیا۔اس سے اہل مدینہ کا توارث بہت سے مسائل کو آسانی سے حل کرنے کا سبب بنا۔اور یہ توارث مؤطا میں ملتا ہے۔السنة التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا و کذا (یعنی جس سنت میں کوئی اختلاف نہیں ہے وہ ایسا ایسا ہے) کا جملہ امام مالک رحمہ اللہ جب ارشاد کرتے ہیں تو اس سے یہی توارث مراد ہوتا ہے جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر بنی امیہ کے دور تک قائم رہا۔(ایضاً ص ۵۰)

تبصرہ

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ بنی امیہ کے دور کو خلافت راشدہ کا دور نہیں قرار دیتے اور ان میں اس لیے فرق کرتے ہیں کہ حسبِ آیاتِ قرآنی خلافت راشدہ کا دور ان خلفاء کا ہے جو مہاجرین اوّلین میں سے ہیں اور وہ صرف خلفائے اربعہ ہی ہیں اور یہ خلافت راشدہ کا اصطلاحی مفہوم ہے۔رشد و ہدایت کا صرف لغوی معنیٰ مراد نہیں جس کا مصداق حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی بنتے ہیں۔اس سے اس خارجی گروہ کا یہ استدلال باطل ہو جاتا ہے جو صحابہ کرام کے لیے قرآنی الفاظ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ سے پیش کرتے ہیں۔کیونکہ شرعی اصطلاح میں خلافت راشدہ کا مصداق حقیقتاً قرآن کے صرف چاروں خلفائے راشدین ہی ہیں۔

③ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت راشدہ کے آخری وقت تک یعنی شہادت عثمان (۳۵ھ) تک شاہ صاحب (یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ) کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔اس دور کو وہ دور اجماع کہتے ہیں۔اس کی تفصیل ازالۃ الخفاء میں مذکور ہے۔شہادت عثمان کے بعد اختلاف شروع ہوا۔اب اجماع وہی مستند ہوگا جو مذکورہ دور اوّل کے تتبع میں منعقد ہو۔شاہ صاحب اس دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں۔اس کی پوری تفصیل ازالۃ الخفاء میں مذکور ہے (ایضاً مقالہ ص ۳۱)۔

تبصرہ

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلافت راشدہ کا دور صرف حضرت عثمان ذوالنورین کی شہادت تک ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اجمالی اور منتظمہ خلافت راشدہ کا دور حضرت عثمان تک ہے اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور بھی خلافت راشدہ کا ہے مگر وہ خلافت راشدہ غیر منتظمہ ہے۔ محمود احمد صاحب عباسی نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ازلۃ الخفاء سے ایک عبارت کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے جو یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت، خلافت راشدہ میں شامل نہیں۔ اس کا مفصل جواب میں نے اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل میں دے دیا ہے ملاحظہ ہو (ص ۷۷ تا ص ۱۰۰) اس میں بندہ نے ص ۹۹ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے:

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مستفیضہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت نبوت وخلافت رحمت ہوگی اور اس کے بعد ملک عضوض (مار کاٹ کی بادشاہت) اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متصل واقع ہوئی وہ خلفائے اربعہ کی خلافت تھی تو ان کی خلافت خلافت نبوت ورحمت ہوئی۔

(ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم فصل ہفتم ص ۴۰۲)

اس سے واضح ہوا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث خلفائے ثلثہ کی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی خلافت نبوت ورحمت قرار دیتے ہیں۔

(ب) علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نبوت کا اختتام ہوگیا اور وہ خلافت جس میں باہم مسلمانوں میں تلوار نہ تھی حضرت عثمان کی شہادت سے ختم ہوئی اور اصلی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی معزولی سے ختم ہوگئی۔ اور ملک عضوض یعنی گزندہ کا وہ زمانہ ہے جس میں بنی امیہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی

لڑائیاں رہیں اور بنی امیہ سختیاں کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت قائم ہوگئی اور جبر وسرکشی کا زمانہ عباسیوں کا ہے اس لیے کہ انہوں نے کسریٰ اور قیصر کی رسم وآئین کے مطابق خلافت کے بنیاد ڈالی تھی''

(حجۃ اللہ البالغہ مترجم مولانا عبدالحق صاحب حقانی مفسر ص ۱۱۷)

④ خود حضرت مولانا سندھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: خلافت راشدہ کے چاروں خلفاء قریش میں سے تھے۔

(مولانا عبید اللہ سندھی ص ۲۲۲، از پروفیسر محمد سرور)

نیز اسی کتاب میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے تربیت یافتہ صحابہ آپ کے کاموں کو جاری رکھتے ہیں یہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی جماعت تھی۔ انہوں نے آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی رائے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور یہی جماعت تھی جنہوں نے بالاتفاق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ منتخب کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری چند سالوں تک یہ جماعت متفق اور متحد رہی اور اس کے بعد ان میں آپس میں اختلافات پیدا ہونے لگے حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے اور السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی کل جماعت نے نہیں بلکہ ان کے غالب حصہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ (ایضاً ۲۲۴/ ۲۲۵)

اس سے واضح ہوا کہ مولانا سندھی انتخاب خلافت کے لیے السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کو اہمیت دیتے ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ کو بھی چونکہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے غالب حصہ نے خلیفہ منتخب کیا اس لیے آپ بھی چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ اور اسی کتاب میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت کا دور اقتدار ختم ہوتا ہے اور اب عربوں کی قومی حکومت شروع ہوتی ہے۔ (ص ۲۲۶)

فرمائیے! مولانا سندھی رحمہ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو خلافت راشدہ کے بجائے قومی حکومت قرار دیتے ہیں۔

⑤ ولید بن عبدالملک متوفی ۹۶ھ کی خدمت خلق کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت

مولانا سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ ایک عرب بادشاہ کی حکومت ہے خلیفہ راشد کی خلافت نہیں۔ خلیفہ راشد کی حکومت تو گویا آئیڈیل حکومت ہے اس کی نظیر پھر مسلمان پیدا ہی نہیں کر سکے۔ مگر قریش کے یہ بادشاہ اور سردار بھی اس قدر اجتماعیت کے مالک تھے۔ وہ اگرچہ اپنے گھروں میں اور اپنے خاندان کے افراد کے لیے قیصر و کسریٰ سے بھی زیادہ شاندار زندگی مہیا کرتے ہوں (اور اسکا ہم انکار نہیں کر سکتے) مگر وہ انسانی اجتماع کو اور اس کی ضرورتوں کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے تھے'' (امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف ص ۶۴)

⑥ اس کتاب کے ص ۶۴ کے حاشیہ میں مولانا نور الحق صاحب علوی نے حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ کی ایک کتاب التمہید سے بارہ خلفاء کے سلسلہ میں یہ عبارت پیش کی ہے اخرج الشیخان واللفظ لمسلم۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یزال الاسلام عزیزًا الی اثنتی عشرۃ خلیفۃ من قریش۔ قلت ھم الخلفا الاربعۃ الراشدون ثم اُلتحق بھم معاویۃؓ بعد صلح الحسنؓ یعنی یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کے بارہ خلیفوں تک اسلام غالب رہے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔ اس کے بعد مولانا سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ چار خلفائے راشدین ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد پھر پانچویں خلیفہ ان کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ اس میں بھی حضرت سندھی رحمہ اللہ نے صرف چار کو خلفائے راشدین قرار دیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی پانچویں نمبر پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کی بعد ہی تسلیم کیا ہے۔ اور یہی مسلک اہل السنّت والجماعت کا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے دور میں اور کوئی خلافت کا حق دار نہ تھا جس کی تفصیلی بحث ہم نے ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں کر دی ہے۔ کیا مولانا محمد اسحٰق سندیلوی اور زیر بحث کتابچہ ''اصل حقیقت'' کے مؤلف حضرت سندھی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کو تسلیم کرتے ہیں؟

⑦ مسئلہ خلافت و امامت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خلافت راشدہ کے دور کے بعد مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اہل سنت اور شیعہ اہل بیت۔ ہمارے اصول پر اختلاف کا حل نہایت سہل ہوگا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقدیم کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس قدر کمالاتِ نفسیہ کے مالک تھے کہ پوری جماعت صحابہ میں ان کے مقابل نظر نہیں آیا۔ ہمارے نزدیک مرکزی جماعت (سنٹرل کمیٹی) نے فیصلہ کیا کہ ابو بکر مقدم ہوں۔ اس لیے وہ واجب الاتباع تھے۔ اگر جماعت علی رضی اللہ عنہ یا عثمان رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ کو مقدم کر دیتی تو مسلمانوں پر انہی کی اطاعت ضروری ہوتی۔ اس منصب کے لیے جس قدر اہلیت امیدواروں میں ضروری ہے اس میں یہ ہر چہار حضرات کامل اہلیت کے مالک ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے ذاتی اوصاف دیکھ کر مسئلہ خلافت میں ایک کو ترجیح دینے کا فکر پیدا ہی نہیں کرنا چاہیے تھا جس سے یہ تحزب الاحزاب پیدا ہوا۔ جو جماعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو چلانے کے لیے چھوڑی وہ مہاجرین اور انصار کے پہلے طبقہ میں سے ایسے لوگ تھے جن پر یہ صادق آتا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ یہ جملہ اس طرف مشیر ہے کہ ان کا فیصلہ خدا تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور مرضی ہے اس لیے کسی کو ان کی اطاعت سے چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بظاہر یہ مرکزی کمیٹی کی تشخیص میرا اپنا فکر ہے مگر قرۃ العینین اور ازالۃ الخفاء کو غور سے پڑھیے تو آپ کو شاہ صاحب کا اصلی مطمح نظر یہی نظر آئے گا۔ میرا کام اس میں ان کی بات کو عام سمجھدار طبقہ تک پہنچانے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ (امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف ص ۶۲)

تبصرہ

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مندرجہ عبارت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:
واضح رہے کہ مولانا (سندھی رحمۃ اللہ) کا منشا یہاں صحابہ کرام کے نفس الامری فرق مراتب اور تفاضل باہمی کا انکار کرنا نہیں ہے بلکہ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ انتخاب برائے خلافت کی بنیاد ان کے ذاتی اور شخصی کمالات کی زیادتی پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف سابقین اولین کے فیصلے سے ہے اور اس باب میں یہ فیصلہ ہی اصل چیز ہے ہم کہتے ہیں

کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے یہاں مہاجرین و انصار کے لیے انتخاب خلیفہ کا حق ثابت کر کے شیعہ عقیدہ امامت کا بلیغ انداز میں ابطال کیا ہے۔ علاوہ ازیں خود حضرت علی المرتضیٰ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں اپنی خلافت کے لیے بھی یہی استدلال پیش کیا ہے۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو خطوط لکھے تھے ان میں یہ بھی ہے کہ: انه [1] بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علیٰ ما بایعوهم علیه ولم یکن للشاهد ان یختار ولا لِلغائب ان یَرُدّ وانما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل وسمّوه امام کان ذلك لله رضیً میری بیعت اس امر پر ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہے۔ اب کسی حاضر شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اختیار کرے اور نہ ہی کسی غائب کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ رد کر دے۔ شوریٰ صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے اگر وہ کسی مرد کی بیعت پر اجتماع کر لیں اور اس کو امام بنا لیں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی دلیل ہوگی۔

---

[1] شیعہ علماء کے نزدیک نہج البلاغۃ میں جو خطبات وارشادات ہیں وہ لفظ بلفظ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہیں۔ چنانچہ نہج البلاغۃ مترجم مرزا یوسف حسین لکھنوی میں شیعہ مجتہد سید محمد کاظم شریعت مدار (ایران) کی تقریظ میں یہ ہے۔ الغرض بعد از کلام ربانی سعادت وعلم ودانش کا سرچشمہ اگر ہے تو خطبات علی علیہ السلام ہے۔

علاوہ ازیں اس کے متعلق سید محمد صادق صاحب نجم العلماء لکھنو لکھتے ہیں شیعیوں کے مختلف الخیال طبقے اور فرقے سب اس کعبہ حقیقت کا طواف کرتے نظر آتے ہیں کہ نہج البلاغۃ حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں، فرمانوں، خطوں اور حکیمانہ ارشادوں کا وہ مجموعہ ہے جسے علامہ سید رضی علیہ الرحمۃ نے تالیف کر کے دنیائے علم وادب کے سامنے پیش کرنے کا فخر حاصل کیا اس میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جسے الحاقی کہا جا سکے (ایضاً ص ۱۳)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضٰی کے نزدیک خلفائے ثلاثہ کی خلافت برحق تھی کیونکہ مہاجرین وانصار نے ان کو امام وخلیفہ بنالیا تھا۔

(۲) امام اہل السنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی لکھتے ہیں: حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی افضلیت بوجہ خلافت کے نہیں ہے بالفرض اگر حضرت عبداللہ بن مسعود خلیفہ ہو جاتے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلی خلافت کے لیے منتخب کر لیے جاتے تب بھی حضرت ابوبکر صدیق افضل امت ہوتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ کے افضل امت ہونے پر ان کی خلافت سے پہلے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قریب قریب اجماع ہو چکا تھا بلکہ ان کی افضلیت ہی کی وجہ سے خلافت اُن کو ملی۔ البتہ خلافت ملنے کے بعد چونکہ فرائض خلافت کو انہوں نے باحسن وجوہ انجام دیا اور دین کی نہایت بے نظیر خدمات انجام دیں اس سے ان کے فضائل میں اور اضافہ ہوگیا (تحفۂ خلافت ص۸۲ ناشر جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلّہ جہلم) یہاں جوبات انتخاب خلیفہ کے متعلق امام اہل سنت نے لکھی ہے وہی اپنے الفاظ میں مولانا سندھی رحمہ اللہ نے پیش کی ہے۔ البتہ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ خلفائے اربعہ کی یہ ترتیب خلافت حق تعالیٰ کی پسندیدہ ہے اور اس نے آیت استخلاف اور آیت تمکین کے وعدہ کے تحت مہاجرین وانصار کو اسی طرح انتخاب خلفاء کی توفیق عطاء فرمادی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

⑧ خلفائے اربعہ راشدین کے متعلق حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ کا عقیدہ ومسلک وہی ثابت ہوا جو جمہور اہل سنت کا ہے۔ اپنی کتاب ''تمہید'' میں بھی خلفائے اربعہ راشدین کا مستقل ذکر کیا ہے اور اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا۔ علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مولانا سندھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ہم امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور قسطنطنیہ پر ان کے حملہ کو جس قدر عزت واحترام سے دیکھتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کی محنتوں کی بھی ہم ویسی ہی قدر کرتے ہیں۔ ہمارے ذہن سے عربی عجمی فرق کے زائل ہونے کا ایک نمونہ ہے۔'' (حکمت امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف ص ۶۸)

تبصرہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اتباع میں حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ سلطان محمود غزنوی کے بڑے مداح ہیں مندرجہ عبارت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص مقصود نہیں ہے۔فتوحات اسلامیہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سلطان محمود غزنوی کی مشابہت مراد ہے لیکن یہ بات خارجی گروہ تو نہیں تسلیم کرے گا۔اور حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جن بڑے بڑے فتنوں کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی وہ چار ہیں۔اوّل فتنہ ناگوار حکومت کا۔ یہ فتنہ اس حالت پر صادق آتا ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ میں شورشیں پیدا ہوئیں یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی ھدنة علی دخنٍ ہے۔یُعرف امرہ وینکر کہ ان کے حکم کی تعمیل بھی کی جائے گی اور ان سے انکار بھی کیا جائے گا۔ اس لیے کہ ان کی سیرت سلاطین کے طرز پر تھی نہ خلفاء کی روش پر۔(حجۃ اللہ البالغہ مترجم ص ۲۱۳)

بہر حال مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کے نزدیک خلفاء اربعہ حضرت ابوبکر صدیق۔حضرت عمر فاروق۔حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ خلفات کے لیے کامل اہلیت کے مالک ہیں اور نمبر (۵) کے تحت مولانا سندھی کی یہ عبارت نقل کی جا چکی ہے کہ:

''خلیفہ راشد کی حکومت تو گویا آئیڈیل حکومت ہے،اس کی نظیر پھر مسلمان پیدا ہی نہیں کر سکے'' بہر حال خلافت وامامت کے مسئلہ میں حضرت مولانا سندھی رحمہ اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف ازالۃ الخفاء۔قرۃ العینین اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔کیا مؤلف کتابچہ ''اصل حقیقت'' کا حامی گروہ حضرت سندھی رحمہ اللہ پر بھی اسی طرح تبرا بازی کرے گا جس طرح مجھ پر کی ہے؟

اصل حقیقت یا تبرانامہ

کتابچہ ''اصل حقیقت'' کے مؤلف نے مجھ خادم اہل سنت یا میرے والد صاحب مرحوم پر حسبِ ذیل الفاظ میں تبرّا بازی کا مظاہرہ کیا ہے:

چکوالی فرقہ کے گلابی شیعہ ص ۱۶۔ چکوالی صاحب کسی بگڑے ہوئے قاضی کی طرح ص ۱۷۔ چکوالی کے فتنہ پرداز ذہن ص ۱۹۔ چکوالی کی مسجد ضرار کس فتنہ کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے ص ۲۰۔ خودغرضی، انانیت، حبّ جاہ اور نفسانی پروپیگنڈا۔ سوائے تخریب کے کوئی تعمیری کام نہیں ص ۲۱۔ شرم وحیاء کا نقاب ہٹا کر بغض معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی اس تنقید میں ص ۲۱۔ اتہام طرازی ص ۲۷۔ بدنیتی ص ۲۹۔ دل ودماغ بددیانتی سے مسموم ص ۳۰۔ چور کی داڑھی میں تنکا ص ۳۱۔ علمائے دیوبند پر اس تبرّا کے بعد چکوالی صاحب ص ۳۲، چکوالی صاحب کی منتقمانہ طبیعت ص ۳۵۔ چکوالی صاحب نے کیا کیا دھوکے بازیاں کی ہیں۔ کتنے جھوٹ بولے ہیں۔ حضرات حکمین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر خفی وجلی الفاظ میں کیا کیا تبرّے کیے ہیں۔ ذاتی دشمنی پر اتنی ضخیم کتاب ص ۳۶۔ یہ دوغلی چال چل کر وہ اپنی بدنیتی کو خود عالم آشکارا کر رہے ہیں ص ۳۸۔ اس تحریر سے ان کے والد کی یہ اخلاقی کمزوری بھی معلوم ہوئی کہ وہ براہ راست مطالعہ کئے بغیر ہی صرف پروپیگنڈے کی بنیاد پر ہی لوگوں کے مخالف ہو جاتے تھے ص ۳۹۔ والد صاحب کی اخلاقی بزدلی ص ۴۱۔ چکوالی صاحب بہت سی بری باتوں میں اپنے والد سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وقتِ ضرورت غلط بیانی اور دھوکہ دہی بھی چکوالی صاحب کو والد سے وراثت میں ملی۔ (والد صاحب کی) واضح اور ثابت شدہ فریب دہی۔ خود چکوالی صاحب کی غلط بیانیوں اور دھوکہ دہی کے بعض واقعات، چکوالی صاحب کے والد محترم کی دھوکہ دہی۔ چکوالی صاحب کے والد گرامی قدر بھی مخالفت میں مغضوب الغضب ہو جاتے تھے۔ اس حالت میں اپنی جماعت کی بھلائی برائی کا احساس بھی انہیں نہیں رہتا تھا یہی حالت چکوالی صاحب کی بھی ہے ص ۴۲۔ کاش چکوالی صاحب نے اپنے والد سے صرف ردشیعیت وراثت میں لی ہوتی ہے۔ ردعلمائے حق اور دوسری کمزوریاں اُن

سے نہ لی ہوتیں۔ ان کے (یعنی والد صاحب کے) معاصرین کو ان کے متعلق یہ بھی شبہ تھا کہ کہیں دشمنانِ اسلام سے خاموشی سے رقم لے کر تو انہوں نے اپنے بزرگوں پر تہمت طرازی نہیں کی؟ اسی قسم کا شبہ بعض اوقات خود چکوالی صاحب بھی کرتے ہیں ص ۴۳۔ (چکوالی صاحب) پورس کے ہاتھی، چکوالی صاحب کا جھوٹ ۳ ص ۴۴۔ چکوالی صاحب کا صریح جھوٹ اور دھوکہ دہی کی نازیبا کوشش۔ چکوالی صاحب کی غلط بیانی۔ چکوالی صاحب کی یہ تہلکہ خیز بد دیانتی ص ۴۶۔ چکوالی صاحب کی بد دیانتی نمبر ۲۔ لعل شاہ صاحب کے معنوی شاگرد چکوال صاحب کی یہ پستی۔ شرمناک ذہن۔ اس صریح جھوٹ کو آگے بڑھاتے ہوئے بغض وحسد میں اندھے چکوالی کو کچھ حجاب نہ آیا ص ۴۷۔ چکوالی صاحب کی بد دیانتی نمبر ۳۔ اہل سنت پر ایک اور غلط الزام۔ چکوالی صاحب تو لحمِ اخیہ کھانے پر تلے ہوئے ہیں ص ۴۹۔ یہ ارتکاب حماقت وگمراہی یا تو ذہنی وقلبی مرض کی وجہ سے ہے یا پھر سندیلوی دشمنی کے زیر اثر ص ۵۰۔ چکوالی فرقہ کے گلابی شیعہ ص ۵۴۔ چکوالی صاحب جیسے غالی حضرات گلابی شیعہ ہیں ص ۵۸۔ لعل شاہ بخاری جیسے ان کے معنوی استاد اور مودودی صاحب جیسے لوگوں کے متبعین سے ان کی ہم خیالی۔ چکوالی بحق مودودی ص ۵۹، مودودیوں کے معنوی شاگرد چکوالی صاحب ص ۶۰۔ چکوالی صاحب بھی اپنے معنوی اُستاد ماہر القادری ولعل شاہ بخاری کی تقلید۔ مودودیوں کو اب تک ایسے ایجنٹ کہاں سے ملے ہوں گے جیسے لعل شاہ اور چکوالی کی شکل میں انہیں مل گئے ہیں۔ پورس کے ان ہاتھیوں نے لعل شاہیے اور چکوالئے تمام گلابی شیعے۔ حبّ علی رضی اللہ عنہ کی آڑ میں بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کا مظاہرہ کرنے والے ص ۶۱۔ پنجاب کے ان رافضیوں کے ایماء پر پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر چکوالی صاحب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین پر فتویٰ بازی کے اس جنون میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اسی لیے متقدمین ومتاخرین اہل سنت کے مسلک سے ہٹ کر انہوں نے یہ نیا گمراہانہ مسلک نکالا ہے۔ بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھپانے کے لیے۔ (نفرت انگیزی کی مہم)۔ چکوالی صاحب کا مجرم ضمیر بھی اس جھوٹی الزام تراشی پر غالباً انہیں ملامت کر رہا ہو گا ص ۶۶۔ چکوالی گوئبلز کی اس شریرانہ عبارت ص ۶۶، چکوالی گوئبلز کے جھوٹ کا پول تو کھل چکا مگر جھوٹ کو اس کے گھر تک پہنچانے

کے لیے'' ص ۷۶۔ چکوالی صاحب کے اس قسم کے تبرائی الفاظ۔ چکوالی صاحب تو مسلک رفض کی تائید میں ان پیشواؤں سے بھی آگے نکل گئے ص ۷۲۔ چکوالی صاحب کی ان عبارتوں میں رافضیوں کا تصورِ امامت جھلک رہا ہے یا نہیں؟ اگر ان عقائد وتصورات کے باوجود چکوالی صاحب سنی مسلمان ہیں تو پھر رافضیوں نے کیا قصور کیا ہے ص ۷۳۔ چکوالی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طنز بھی کی ہے ص ۷۶۔ چکوالی صاحب کے رافضیت زدہ دل ودماغ میں جو تعفن ہے۔ یہ بات بھلا باطنی شیعوں کو کہاں پسند آسکتی ہے۔ اسی لیے چکوالی صاحب بھی (جن میں اپنے والد کے بریلویانہ اثرات اب تک باقی ہیں) ص ۷۷۔ چکوالی صاحب گلابی شیعہ ص ۸۰۔

مقامِ عبرت

کتابچہ ''اصل حقیقت'' کے مندرجہ بالا الفاظ سے قارئین حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رحمہ اللہ کے کسی تلمیذ کی یہ زبان [1] ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ خلفائے راشدین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے متعلق مولانا سندھی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارتوں کو پیش نظر رکھیں۔ مندرجہ بالا خارجیانہ بہتانات وافترات اور مغلظات کا مرتکب حضرت سندھی کا شاگرد ہو سکتا ہے؟ یہ اس بات کے قوی قرائن ہیں کہ مؤلف ''اصل حقیقت'' یا تو حضرت سندھی رحمہ اللہ کے شاگرد ہی نہیں اور اگر ہیں تو یہ ان کی عبارتیں نہیں بلکہ ان کے نام کو استعمال کیا گیا ہے اور یہ پہلا فراڈ ہے جو اس خارجی گروہ نے کتابچہ ''اصل حقیقت'' کی اشاعت میں کیا ہے۔ کراچی کے بعض علماء نے اس کتابچہ کے اصل مؤلف کی نشاندہی بھی کی ہے۔ لیکن اس کا اظہار اس لیے مناسب نہیں کہ ممکن ہے اس کے بجائے کوئی اور صاحب ہوں۔ لیکن مولانا محمد علی سعید آبادی اب تو مرحوم ہو چکے اس کے بعد وہ ردّ خارجیت میں میری کتابوں کا جواب کس سے لکھوائیں گے اور کس کے نام سے شائع ہوگا۔ واللہ اعلم۔

---

[1] ان مغلظات کو پڑھ کر تو رافضی بھی یہ کہتے ہوں گے کہ: یہ خارجی تو ہمارے بھی استاد نکلے ہیں۔

حق چاریار رضی اللہ عنہ کا گرز

بندہ نے بتوفیق اللہ تعالیٰ ''حق چاریار'' کے گرز سے بذریعہ کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' جدید ناصبیت اور خارجیت کا بت پاش پاش کردیا ہے۔ اب اس کے بکھرے ہوئے ٹکڑے کسی کے جوڑنے سے جڑ نہیں سکتے۔ البتہ وہ اپنے کرب واضطراب کے اظہار کے لیے اس بت کے ٹکڑے اکٹھے کرکے اس کا تابوت بنا کر ملک بھر میں ماتمی جلوسوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دلوں کو تسلی دے سکتے ہیں۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ جب کتاب خارجی فتنہ حصہ دوم سامنے آئے گی تو خدا ہی جانتا ہے ان کا کیا حشر ہوگا [1]۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

کتاب خارجی فتنہ اور علمائے اہل سنت کے تائیدی تبصرے

خارجی گروہ کی یہ تلملاہٹ اور بوکھلاہٹ اس وجہ سے ہے کہ بفضلہ تعالیٰ میری کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' اہل السنّت والجماعت کے علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی ہے۔ اور خارجی لٹریچر سے متاثر کئی لوگوں کے شبہات دور ہوگئے ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے چند علمی مؤقر رسائل میں اس کی پرزور الفاظ میں تائید شائع ہوچکی ہے۔ سنّی علمائے کرام کے تائیدی تبصرے علیحدہ کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جن کے مرتب ہمارے جماعتی ساتھی جناب قاری شیر محمد صاحب علوی نائب مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور ہیں۔ یہاں پر ان تائیدی تبصروں کے بعض اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں۔

---

[1] خارجی فتنہ حصہ دوم بھی مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں طبع ہوگیا تھا، اس میں فسقِ یزید کی مکمل بحث آگئی ہے اور اب ادارہ مظہر التحقیق نے نہایت خوبصورت انداز میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کروا دیا ہے۔ سلفی

ا۔ ماہنامہ البلاغ کراچی

یہ ماہنامہ مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بانی دارالعلوم کراچی کے دور سے جاری ہے۔ اس کے شمارہ اکتوبر نومبر ۱۹۸۲ء میں لکھتے ہیں: ..... زیر تبصرہ کتاب خارجیت اور ناصبیت کے فتنہ کا تریاق ہے۔ موصوف نے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی (کراچی) کا مسلک بیان کرنے کے بعد اس پر تبصرہ فرمایا ہے اور ان کے خیالات پر تنقید کی ہے اور بتایا یہ گیا ہے کہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا خارجیت ہے اور اصحاب رسول سے بیزاری اور ان کی مخالفت رفض وشیعیت ہے۔ اور محبت اہل بیت کے باجود صحابہ کرام کی تعظیم وتوقیر سنیت ہے۔ مولانا مظہر حسین صاحب نے دو حصوں میں ان کے خیالات پر تنقید کی ہے اور پہلے حصہ میں مشاجرات صحابہ کے بارے میں اکابر علمائے حق کے اقوال اور ان کے تحریری اقتباسات پیش کئے ہیں اور ہر طرح مسلک اہل سنت کی ترجمانی فرمائی ہے۔ یہ کتاب محض تحفظ مسلک حق کی خاطر تحریر کی گئی ہے اس کی اشاعت سے کسی کی توہین یا دل آزاری مقصود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو صحیح اہل السنت والجماعت کے مسلک کا پابند بنائے جو افراط وتفریط اور غلو سے مبرا ہے۔"

۲۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

یہ ماہنامہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید فیضہم کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ اس کے شمارہ مارچ ۱۹۸۳ء میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

"دراصل خوارج فرقہ سبائیہ (جو اسلام کا سب سے پہلا فرقہ ہے جس کا بانی ابن سبا ایک یہودی نومسلم تھا جس نے حضرت عثمان کے مخالفین کو ایک شیرازہ میں مجتمع کیا تھا) کی دوسری شاخ ہے۔ اور پہلی شاخ نے اپنے کو علویہ یا شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کے لقب سے مشہور کیا خوارج کی تردید خود صحابہ کرام سے منقول ومذکور ہے۔ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی زیر تبصرہ کتاب میں **ما انا علیہ واصحابی** کے

اصول کے پیش نظر اصلاً خوارج اور ضمناً اہل تشیع کا زبردست نوٹس لیا ہے۔ محمود احمد عباسی اور اس کے پیروکاروں سے ٹھوس علمی بنیادوں پر گفتگو کی ہے۔ اس کتاب میں بھی ان کی باقی تصنیفات کی طرح تحریر شستہ اور لہجہ متین ہے جو ہر طبقہ کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔

۳۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور

اس کے سرپرست جناب مولانا پیر کرم شاہ صاحب ازہری جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان ہیں۔ اس کے تبصرہ نگار جناب طالب ہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

زیرِ نظر کتاب مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی (کراچی) کا مسلک اور خارجی فتنہ میں مولانا قاضی مظہر حسین نے سندیلوی صاحب کے افکار و نظریات کا بھرپور انداز میں جائزہ لیا ہے اور ان کے تمام گمراہ کن دلائل کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں۔ قاضی صاحب کے دلائل اتنے محکم ہیں کہ کسی سلیم الطبع شخص کے لیے ان کا رد کرنا ممکن ہی نہیں۔ انہوں نے جو بات لکھی ہے پورے حوالے اور دلیل کے ساتھ لکھی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ سندیلوی صاحب جس ناصبیت کے علمبردار ہیں اس کی حدیں خارجیت کے ساتھ ملتی ہیں اور یہ کہ رفض۔ خارجیت اور ناصبیت ایک ہی درخت کی تین شاخیں ہیں۔ ہم قاضی صاحب کی بیش بہا اس علمی کاوش کو بنظر تحسین دیکھتے ہیں اور تمام اہل علم سے اس کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ کتاب ناصبیت کے سر پر گرز البرز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ تمام شبہات اور وسوسے دُور ہو جاتے ہیں جو روافض۔ خوارج اور نواصب کے زہریلے پروپیگنڈے سے بعض ذہنوں میں پیدا ہو گئے ہیں۔ (ضیائے حرم جولائی ۱۹۸۳ء)

۴۔ ہفت روزہ لولاک فیصل آباد

یہ ہفت روزہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا ترجمان ہے جس کے بانی حضرت مولانا تاج محمود صاحب مرحوم ہیں۔ اس کے شمارہ ۲۸ رجون ۱۹۸۳ء میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے نظریات پر بحث کی گئی ہے

جو انہوں نے ایک کتاب کی صورت میں پیش کئے ہیں۔ قاضی صاحب پر اللہ رب العزت کی بے شمار رحمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلک اعتدال کے علمبردار ہیں۔ افراط وتفریط سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے بزرگوں اکابر اساتذہ، سلف صالحین کے نظریات وعقائد کے ترجمان رہے ہیں۔ مسلک اعتدال سے کسی نے لغزش کی نہیں اور قاضی صاحب تیغ بزاں لے کر نوئے نہیں۔ خارجیت کے اثرات کا سیلاب اہل سنت میں آتے دیکھ کر قاضی صاحب نے پل باندھنے کی کوشش کی ہے۔ ہر گھر میں جو اہل سنت کا دعویدار ہے اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

۵۔ ماہنامہ الخیر ملتان

یہ ماہنامہ مرجع العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ کی یادگار میں شائع ہورہا ہے۔ اس کی اشاعت فروری ۱۹۸۴ء میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں:

''کتاب میں مرکزی بحث اہل السنت والجماعت کے اس موقف کو مدلل و مبرہن کرنے پر کی گئی ہے:

① حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف نہیں بلکہ صواب وخطاء کا ہے اور اجتہادی خطا حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے نہ اس سے خارج۔ مودودی صاحب جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقیقتاً باطل پر سمجھتے ہیں اور سندیلوی صاحب اور عباسی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے بھی قائل نہیں ہیں۔ لیکن اہل حق اس افراط وتفریط کے خلاف اعتدال پر قائم ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس موضوع پر قاضی صاحب نے قلم اٹھایا ہے وہ جمہور اہل سنت کا مختار اور راجح موقف ہے۔ اس لیے مصنف نے عقلی اور نقلی دلائل اور اسلاف کی غیر مبہم عبارات وتصریحات کا کافی ذخیرہ اس سلسلے میں پیش کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قاضی صاحب موصوف نے اہل سنت کی صحیح صحیح ترجمانی فرمائی ہے۔ مگر مولانا سندیلوی کے نظریات پر تنقید کرتے ہوئے کچھ ایسے جملے ان کے قلم سے نکل گئے ہیں جو اُن کے مقام سے کمتر اور مولانا سندیلوی پر جارحانہ تنقید کے زمرے میں آتے ہیں''۔

۶۔ ماہنامہ بینات کراچی

اس ماہنامہ کے بانی استاد العلماء حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محدث بنوری ہیں۔ اس کی اشاعت ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ/جنوری ۱۹۸۴ء میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی زید فضلہم نے میری کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' پر مفصل تائیدی تبصرہ تحریر فرمایا ہے۔ مولانا موصوف نے اس تبصرہ میں بڑی عرق ریزی سے کتاب خارجی فتنہ کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ اور اس امر کی پوری وضاحت کر دی ہے کہ: مندرجہ بالا اقتباسات سے جناب مصنف (یعنی خادم اہل سنت غفرلہ) کے مباحث کا خلاصہ اور ان کی تنقیدات کا نمونہ قارئین کے سامنے ہے۔ بنیادی طور پر دو مسئلے مصنف کا اصل ہدف ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے۔ ان کی خلافت قرآن کریم کی موعودہ خلافت ہے اور اس کا انکار یا اس کی تنقیص خلافت راشدہ کا انکار یا اس کی تنقیص ہے۔ دوم یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں جو مشاجرات و محاربات رونما ہوئے ان میں حضرت علی حق بجانب تھے جو حضرات ان کے خلاف صف آرا ہوئے وہ خطا پر تھے مگر یہ سب حضرات نیک نیت تھے انہوں نے جو کچھ کیا اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق رضائے الٰہی کے لیے کیا۔ اس لیے وہ اپنی اس اجتہادی خطا پر بھی عند اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ ان پر طعن و تشنیع روا نہیں''

بلاشبہ ان دونوں مسلکوں میں جناب مصنف نے اہل حق کے مسلک کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے۔ اسی طرح خوارج و نواصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے اور جس طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے۔ جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔ (ص ۴۷)

② مولانا لدھیانوی موصوف تحریر فرماتے ہیں'' جناب مصنف مدفیضہم کے مقصد سے اتفاق اور زیر بحث مسائل میں ان کے موقف کی مکمل تائید کے باوجود ہمیں ان کے انداز بیان سے اختلاف ہے (ص ۴۸)

③ نیز مولانا موصوف فرماتے ہیں: حضرت قاضی صاحب نے مولانا پر جو تنقیدات کی ہیں اگرچہ ان کا لب ولہجہ بہت ہی تیز وتند ہے لیکن مولانا کی عظمت و بلندی اور ان کی بےنفسی وللّٰہیت کا تقاضا ہے کہ وہ اس'' داروئے تلخ'' کو نسخہ شفا سمجھتے ہوئے نوش کریں گے۔ ع

شفا بایدت داروئے تلخ نوش کن

④ نیز لکھتے ہیں: خلاصہ یہ کہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ اہل حق کے موقف ومسلک سے ہمیں نہ صرف اتفاق ہے بلکہ یہی ہمارا عقیدہ وایمان ہے۔ لیکن موصوف نے حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کے خلاف جس درشتی وتندی کا اظہار کیا ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ اب اگر مولانا محترم (یعنی مولانا سندیلوی) اس شدت سے قطع نظر کر کے اصلاح طلب امور کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں تو یہ اُن کی للّٰہیت و بےنفسی کا کمال ہوگا (ص ۵۰)

جناب مولانا محمد یوسف صاحب موصوف پیر بھائی ہیں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے پیر بھائی ہونے کے رشتہ سے بالاتر ہو کر بندہ کے پیش کردہ مسلک حق کی کھل کر تائید کی ہے اور مولانا سندیلوی کو یہ بھی مخلصانہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اصلاح طلب امور کی اصلاح فرمائیں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ باقی رہا بندہ کے تند وتیز لہجہ کی شکایت تو اس کا تعلق طرز تحریر سے ہے نہ کہ اصل مسئلہ سے۔ اور میرے لب ولہجہ میں درشتگی کا باعث بھی مولانا سندیلوی کے وہ الفاظ ہیں جن میں انہوں نے بڑے بڑے ائمہ فقہ اور محدثین پر سخت الفاظ میں تنقید کی ہے اور مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں صدیوں کے متفق علیہ مسلک حق کو صرف متاخرین کی طرف منسوب کر کے یہ لکھا ہے کہ:

''یہ مسلک اس قدر مشہور ہوا کہ مذکورہ بالا مسالکِ اکابر سلف اس کے پیچھے چھپ گئے۔ لیکن شہرت وصحت لازم ملزوم نہیں۔ جنگ جمل وصفین پر جو بحث صفحاتِ سابقہ میں کی گئی ہے اُسے دیکھ کر ہر قاری سہولت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ مسلک باوجود شہرت ومقبولیت عام درحقیقت بالکل غلط بے دلیل بلکہ خلافِ دلیل ہے۔'' (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۱)

''مولانا سندیلوی نے محدثین۔ مفسرین۔ فقہاء ومتکلمین مجددین وعارفین کے متفق علیہ صدیوں کے مسلک کو بالکل غلط بے دلیل اور خلاف دلیل قرار دے کر ان سارے محققین اہل سنت کے علمی اعتماد کو کھلم کھلا مجروح کیا ہے اگر اہل السنت والجماعت کا یہ ایک متفق علیہ مسئلہ اس طرح مجروح کیا جا سکتا ہے تو پھر کسی مسئلہ پر بھی اعتماد نہیں رہتا جو سلف وخلف سے ہمیں ملا ہے۔ مولانا سندیلوی کا یہ علمی پندار بندہ کے لیے ناقابل برداشت تھا اس لیے سندیلوی صاحب کی علمی خیانتوں اور تضاد بیانیوں کا پردہ چاک کیا ہے اور اس کا اعتراف مولانا لدھیانوی کو بھی ہے اور اس سے آگے بڑھ کر جو مولانا سندیلوی نے حضرت حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد ماننے کے باوجود تنقید کا نشانہ بنایا ہے چنانچہ ''خارجی فتنہ'' سے یہ عبارتیں مولانا لدھیانوی نے بینات ص۹۳/۴۳ میں بھی نقل فرمائی ہیں۔ قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر یہ تنقیدیں کسی قلبی مرض کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اگر سندیلوی صاحب اپنی ان تحریرات سے رجوع کرلیں تو ان کی زندگی میں یہ ان کے لیے بڑی سعادت مندی ہوگی''

اگر میرے قلم سے ایسے الفاظ نکلے ہیں جو حق تعالیٰ کے ہاں ناجائز اور غیر پسندیدہ ہیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں اور اپنی رضا کے موافق یہ فانی زندگی گزارنے کے توفیق نصیب فرمائیں آمین بجاہ رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

جامعہ اسلامیہ سے سندیلوی صاحب کی علیحدگی

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی جو سالہا سال تک جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن

کراچی کے شعبہ دعوت وارشاد کے صدر اور مجلس دعوت وتحقیق کے رکن رہ چکے ہیں۔ (چنانچہ ان کے رسالہ ''جواب شافی'' کے ٹائیٹل پر بھی ان کی ان دونوں حیثیتوں کا ذکر ہے) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے مذکورہ بینات کے تبصرے سے اتنے مشتعل ہوئے ہیں کہ انہوں نے جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ اور جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب اور دوسرے اکابر حضرات نے ان کا استعفاء بلا توقف منظور کرلیا ہے۔ یہ کتنا بڑا انقلاب ہے۔ جس جامعہ کی علمی و تصنیفی خدمت کو وہ اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ اسی جامعہ کی اس صحیح تنقید سے برافروختہ ہوکر علیحدہ ہوگئے ہیں۔ کیا یہاں یہ اعتراض نہیں واقع ہوتا ہے کہ مولانا سندیلوی پہلے جامعہ کے حامی تھے اب مخالف اور مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی وغیرہ علماء پہلے مولانا سندیلوی کے نیازمند تھے اب ان کو پوچھتے بھی نہیں۔ کیا یہ ساری ذاتی حسد کی کارستانیاں ہیں؟ تو پھر مجھ کو مؤلف اصل حقیقت کی طرف سے اس امر پر کیوں باربار مطعون کیا جاتا ہے کہ پہلے سندیلوی صاحب کی کتاب ''اظہار حقیقت'' کی تعریف لکھی تھی۔ اب کیوں مخالفت شروع کردی ہے اور پہلے ان کو سرپرست لکھا۔ اب ان کے خلاف لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ میں نے خارجی فتنہ اول میں اس کا مناسب جواب دے دیا تھا لیکن پھر بھی کتابچہ ''اصل حقیقت'' میں اس کو چھیڑا گیا ہے۔ جس کا مزید جواب اپنے موقع پر آجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ مذکورہ رسائل کے جن دوسرے حضرات نے ''کتاب خارجی فتنہ حصہ اول'' وغیرہ پر اپنے تحریری تبصرہ لکھے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

۷۔ رائے گرامی حضرت مولانا محمد ایوب صاحب بنوری شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم سرحد (پشاور)

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی کی علمی اور تصنیفی خدمات قابل قدر ہیں۔ جب بھی ان کی تصانیف کے مطالعہ کا موقع ملتا ہے روزمرہ علالت کے

باوجود پڑھنے کو جی چاہتا ہے پوری تصنیف نہ بھی پڑھ سکوں تب بھی سطحی نظر دوڑائے بغیر تجسس کو تسکین حاصل نہیں ہوتی۔ حال ہی میں حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کی چند تصانیف وتالیفات، خارجی فتنہ۔ سنی مذہب حق ہے۔ عقیدہ عصمت انبیاء اور مودودی۔ حضرت لاہوری فتنوں کے تعاقب میں۔ صحابہ کرام اور مودودی۔ میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ۔ وغیرہ سب دستیاب ہوئیں۔ ان کی افادیت مسلم ہے۔ پڑھنے سے حق کی نشاندہی اور مذہبی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ مدلل جوابات۔ قاری کے فہم وادراک کو بیدار کرنے والے پُرمغز خیالات۔ حقائق سے لبریز۔ مرصع تحریر حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ سنی کاز کے لیے ان کی مؤثر تگ ودو اور باطل قوتوں کا کامیاب تعاقب اکابر کے خیالات وافکار خصوصاً شیخ مدنی رحمۃ اللہ کی دوربین سوچ کی صحیح ترجمانی ہے۔ خداوند کریم کے حضور دست بدعا ہوں کہ اللہ رب العزت حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ ان کے قلم کی قوت وکاٹ اور تحریک کی جوانی کو قائم ودائم رکھے۔ آمین۔ والسلام

۲/۱۴۔۱۴۰۴ھ۔۲۰۔۱۱۔۸۳

۸۔ رائے گرامی حضرت مولانا محمد مالک صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

تاریخ اسلام پر نظر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے دو عظیم فتنوں نے امت میں انتشار وتفریق اور عمارت اسلام میں تخریب کا عمل جاری کیا۔ ایک فتنہ رافضیت وتشیع کا اور دوسرا خارجیت کا۔ امت کی فلاح وکامیابی بھی اسی میں مضمر ہے کہ ''اصحابی کالنجوم'' کا اعتماد کامل رکھتے ہوئے سفینہ اہل بیت میں پناہ لے تب ہی وہ فتنوں کی موجوں سے ہدایت ونجات کے ساحل تک پہنچ سکتا ہے اس مقصد عظیم سے ہمکنار بنانے کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی کتاب ''خارجی فتنہ'' اہم ترین ذریعہ اور سامان ہے۔ حضرت مولف زید

مجدہم نے اپنی اس تالیف میں بڑی کاوش سے ایسے حقائق جمع کر دیئے ہیں۔ جومختلف قسم کی کتابوں اور عبارتوں سے پیدا شدہ اوہام کوالحمدللہ دورکررہے ہیں۔ خداوند عالم مؤلف زید مجدہ کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور مسلمانوں کو اس تالیف کے ذریعہ نفع پہنچائے۔ آمین۔

۱۰/ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ

۹۔ رائے گرامی حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی تصنیف خارجی فتنہ حصہ اول کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ متعدد مقامات کا مطالعہ کیا۔ مشاجراتِ صحابہ اور ان کے بعد کے واقعات میں وہ حضرات اکابر دیوبند کے مسلک وتحقیقات پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ بحمداللہ میں بھی ان ہی اکابر کے مسلک کوحق جانتا اور مانتا ہوں اور اس دور پرفتن میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان اکابر رحمہم اللہ کے مسلک سے انحراف نہ کیا جائے۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے فتنۂ خارجیت اور یزیدیت پر قلم اٹھایا اور اکابر دیوبند سے لے کر حضرت مجدد رحمہ اللہ تک اکابر دیوبند کے اقوال اور قرآن وحدیث فقہ اور تاریخ کے حوالہ جات جمع کر کے ان فتنوں اور غلط خیالات کی تردید شروع کی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور توفیق مزید دے۔

۱۷/جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

۱۰۔ رائے گرامی حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

میں نے خارجی فتنہ مؤلفہ قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم کو جستہ جستہ پڑھا۔ حضرت قاضی صاحب زید مجدہ نے اہل حق کے مسلک کومفصل اور مدلل بیان فرما کر تمام اہل السنت والجماعت پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ حضرت قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے فرق باطلہ اور افراط وتفریط میں مبتلا افراد کے تعاقب کا خاصہ ملکہ عطا فرمایا ہے۔ خارجی فتنہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس میں حضرت قاضی صاحب نے مولانا

اسحٰق سندیلوی کے مسلک پر نہایت محققانہ انداز میں تنقید فرما کر مشاجرات صحابہ جیسے نازک مسئلہ کو واضح فرمایا ہے حق تعالیٰ قاضی صاحب کی سعی کو مشکور فرمائیں اور اس کتاب کو مقبول اور نافع بنائیں آمین۔ آمین۔ این دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

۱۹۸۴-۲/۲۸ء

۱۱۔ رائے گرامی حضرت مولانا سید انور حسین شاہ صاحب نفیس رقم لاہور

دنیا میں جو بھی فتنہ پیدا ہوتا ہے برگ و بار ضرور لاتا ہے۔ محمود احمد عباسی پاکستان میں ''فتنہ یزیدیت'' کا بانی ہے۔ اس کے گمراہ کن نظریات پھیلتے جا رہے ہیں اور آج یہ حال ہے کہ جدید دانشوروں کی خاصی تعداد اس کے تصنیفی دام تزویر کا شکار ہو چکی ہے اور حیف صد حیف کہ بعض عالمانِ دین بھی اس ضال و مضل کی تحقیقی خرافات پڑھ پڑھ کر جادۂ اہل سنت سے ہٹ گئے ہیں۔ عباسی کے ان متاثرین میں اس وقت سرفہرست مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی ہیں جو اس وقت عباسی مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ کاش مولانا اس مقام پر نہ ہوتے اللہ تعالیٰ نے فتنوں کی سرکوبی کا سامان بھی پیدا کر دیا ہے۔ اس فتنہ کی بیخ کنی کے لیے اللہ تعالیٰ نے زبدۃ العلماء عمدۃ الصلحا مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم کو منتخب فرمایا ہے: ذٰلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشآء۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے کتاب خارجی فتنہ لکھ کر اہل السنت والجماعت کی صحیح صحیح ترجمانی کی ہے۔ اور خوارج ونواصب پر ضرب کاری لگائی ہے۔ اس کتاب کے مندرجات علماء اہل سنت دیوبند کے عقائد ونظریات پر مبنی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ حضرت سید احمد شہید۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ اسرارہم کے یہی عقائد ونظریات تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لیے ذریعہ ہدایت اور حضرت مؤلف مدظلہم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

۳/۷۷ اکریم پارک لاہور ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ۔ ۲۹ رفروری ۱۹۸۴ء

۱۲۔رائے گرامی حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی جسٹس آف سپریم کورٹ

کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل کی تائید میں سب سے پہلا گرامی نامہ حضرت مولانا موصوف کا ہی آیا تھا۔ اور چونکہ آپ نے یہ لکھا تھا کہ اس کی اشاعت مقصود نہیں اس لیے اب تک یہ خط شائع نہیں کیا گیا اور حضرت مولانا موصوف کی خدمت میں بعد از سلام مسنون معذرت خواہ ہوں کہ بندہ نے ان کو اس کا جواب بھی نہ دیا۔ بہر حال بعد ازاں چونکہ ''خارجی فتنہ'' پر تائیدی تبصرہ ماہنامہ البلاغ میں شائع ہو چکا ہے اور حضرت مولانا اس کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ اس لیے مولانا دام مجدہم کا حسب ذیل مکتوب گرامی شائع کیا جا رہا ہے۔

مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت تمام ہوں۔ آمین۔ آپ کی طرف سے مختلف قرار دادیں اور پمفلٹ آپ کی کرم نوازی سے موصول ہوتے رہتے ہیں چونکہ ان میں کوئی جواب طلب بات نہیں ہوتی اس لیے جواب نہیں دیتا۔ لیکن ان سے جناب کی سرگرمیوں کا علم ہوتا رہتا ہے اور دعا گو بھی رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جناب کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ آمین۔ تازہ کتاب ''خارجی فتنہ جلد اوّل'' موصول ہوئی۔ سرسری طور پر دیکھی دل بہت خوش ہوا۔ آپ نے مسلک حق کی خوب ترجمانی فرمائی ہے آج کل اس معاملے میں جو افراط وتفریط چل رہی ہے آپ نے اُس سے ہٹ کر اعتدال کا جو راستہ اختیار فرمایا ہے وہی علماء حق کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ یہ عریضہ محض اپنے جذبات کے اظہار کے لیے لکھا ہے۔ اس کی اشاعت مقصود نہیں

والسلام

۱۴۰۳/۵/۱۹ھ

۱۳۔رائے گرامی حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حضرۃ صوفی صاحب موصوف اپنے گرامی نامہ میں بعد از سلام مسنون تحریر فرماتے ہیں: امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے۔ جناب والا کی مرسلہ کتاب ''خارجی فتنہ'' اور ''دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم'' وصول ہو چکی تھی یاد فرمائی کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے خارجیت اور ناصبیت کا تعاقب فرمایا ہے یہ فتنہ رفض وشیعیت سے کم خطرناک نہیں البتہ ایک بات محسوس ہو رہی ہے کہ کتابوں میں طوالت زیادہ ہے۔ اگر قدرے اختصار ہوتا تو بہتر ہوتا۔''

کیم ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ۔ ۱۸/دسمبر ۱۹۸۲ء

(ب) ایک دوسرے مکتوب گرامی میں صوفی صاحب موصوف زید فضلہم تحریر فرماتے ہیں: شیخ الحدیث صاحب (یعنی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب دام مجدہم) سے آپ کی کتاب پر تبصرہ کے لیے کہا تھا۔ انہوں نے اپنی بیماری کی وجہ سے معذرت کی۔ آج کل سابقہ امراض کے علاوہ انہیں کمر میں شدید درد اٹھ گیا ہے۔ دعاء فرمائیں۔ میرے ناقص خیال میں اس پر ہمارے جیسے لوگوں کے تبصرہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ جناب والا کا اسم مبارک اور نام نامی ہی سند کافی ہے۔ آپ اہل حق کے ترجمان اور سلف کے امین ہیں۔ (۲/ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ۔ ۲۵/جنوری ۱۹۸۴ء)

۱۴۔رائے گرامی حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی، مؤلف ہدایۃ الحیران مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

حضرت مفتی صاحب موصوف زید فضلہم نے میری کتاب ''دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے متعلق قاری شیر محمد صاحب علوی (لاہور) کے استفسار پر یہ تحریر فرمایا تھا کہ: گزارش ہے کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم کا مقالہ ''دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم''

احقر نے حرفاً حرفاً سنا۔ اس مقالہ میں فاضل مصنف نے مذہب اہل السنّت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے۔ رافضیت اور خارجیت دونوں ہی فتنوں سے اہل السنّت والجماعت کو آگاہ کرنے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مقالہ ناظرین کرام کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے بالخصوص مقالہ کا وہ حصہ جس میں پاکستان میں خارجیت وناصبیت کے فروغ پانے کے خطرے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سنی علماء اور مشائخ کے لیے یقیناً لمحۂ فکریہ ہے۔ حضرات اکابر علمائے کرام اور مشائخ عظام اور خصوصیت سے مدارس دینیہ کے اہل حل وعقد اور مدرسین حضرات اس کا سدباب کرنے کی طرف اپنی مساعی کو بروئے کار لاکر مذہب اہل السنّت والجماعت کے تحفظ کا فرض انجام دیں۔ یہ مقالہ مبسوط اور تفصیلی ہے اس پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ مزید تائید کے لیے دو باتوں کا مختصر طریقے پر عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین چاروں خلفاء کی خلافت کو حق اور خلافتِ راشدہ تسلیم کرنا مذہب اہل السنّت والجماعت کا متفق علیہ اور اجماعی عقیدہ ہے ایک سنی شخص کے لیے جس طرح حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے انکار کی گنجائش نہیں ہے اسی طرح خلافت راشدہ کے چوتھے ستون حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار یا اس کو مشکوک بنانے کی کسی کوشش کی بھی گنجائش مذہب اہل السنّت والجماعت میں نہیں ہے۔ دوسری بات قابل عرض یہ ہے کہ جو لوگ یزید کو خلیفۂ عادل اور راشد قرار دے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دینے کی سعی میں مصروف ہیں۔ ان کا یہ نظریہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک باطل ہے یہ نظریہ خوارج کا تو ہوسکتا ہے اہل السنّت والجماعت کے مذہب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو روافض وخوارج کے باطل نظریات سے محفوظ اور اہل السنّت والجماعت کے مذہب حقہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

نوٹ:..... حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دام فضلہم مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کی مندرجہ تحریر پر یہ الفاظ لکھ کر

اپنے تصدیقی دستخط ثبت کیے ہیں۔

''اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا''

مذکورہ بالا حضرات نے بندہ کی کتاب ''خارجی فتنہ'' یا ''دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے مباحث کی مسلک وعقیدہ اہل حق کے اعتبار سے مکمل تائید وتصویب کردی ہے اور بندہ کے پیش کردہ مسلک وموقف پر کسی قسم کی کوئی جرح اور تنقید نہیں فرمائی۔ لیکن اس کے برعکس کتابچہ ''اصل حقیقت'' کے مولف نے ''کتاب خارجی فتنہ'' وغیرہ کی بنا پر بندہ کو بغض معاویہ رضی اللہ عنہ رکھنے والا گلابی شیعہ وغیرہ قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور فی الواقع خارجی گروہ کا نمائندہ ہے۔ اور وہ کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل میں پیش کردہ اہل السنّت والجماعت کے مسلک حق کو مجروح کر کے ناواقف لوگوں کو سنیت سے ہٹا کر خارجیت کی طرف دھکیلنا چاہتا ہے۔ بلکہ صدیوں پہلے کے جن اساطین امت اور اکابر ملت کے حوالہ جات بندہ نے اس مسلک حق کی تائید وتصویب میں پیش کیے ہیں ان کو بھی مطعون ومجروح کرنا چاہتا ہے۔

تبصرہ خُدّام الدین لاہور

مؤلف ''اصل حقیقت'' ص ۱۴ پر لکھتے ہیں: ان فتاویٰ کے بعد اب وہ تبصرہ بھی ملاحظہ فرمالیں جو چکوالی صاحب کی کتاب ''خارجی فتنہ پر پاکستان کے مذہبی رسالوں میں مقبول ترین ہفت روزہ خدام الدین لاہور نے کیا تھا۔ حق کے بے باک ترجمان حضرت مدیر خدام الدین مولانا سعید الرحمن علوی نے تحریر فرمایا کہ:

''اپنی ادارتی زندگی میں پہلی بار کسی کتاب کے تعارف کے سلسلہ میں میرا قلم رک رہا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں دینی معتقدات اور تاریخی روایات کو اس طرح گڈمڈ کر دیا گیا ہے کہ ایک جویائے حق کے لیے بڑی ہی کٹھن صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ماضی قریب میں رفض وسبائیت کے نام لیواؤں کی مکروہ فطرت کا تجزیہ کرتے ہوئے بعض اہل قلم نے بہت کچھ لکھا لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ وہ ردعمل میں ایسی باتیں

کہہ گئے جو کسی طرح مناسب نہ تھیں ردِعمل کے طور پر جذباتیت سامنے آتی ہے اور جذباتیت بہرطور اچھی نہیں۔ پھر کچھ ایسے حضرات سامنے آئے جنہوں نے دو انتہاؤں کے درمیان ہو کر حقائق کو نکھارا۔ اور حضرات صحابہ علیہم الرضوان کی قرآن وسنت میں متعین حیثیت قائم رکھتے ہوئے تاریخی روایات کی چھان پھٹک کی۔ اس قسم کے باہمت افراد کا ہاتھ بٹانا وقت کی ضرورت تھی کہ ایک طرف رفض وسبائیت کا طوفان بلاخیز ختم ہو تو دوسری طرف ردِعمل کی تحریکوں کو دائرہ عمل میں رکھا جاسکے لیکن افسوس کہ ایسا کرنے کے بجائے ان شخصیات کو نشانہ پر رکھ لیا گیا۔ جس کی افسوس ناک مثال یہ کتاب ہے۔ ہمیں ذاتی طور پر یہ معلوم ہے کہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی نے کراچی جیسے شہر میں کتنا اہم کام سرانجام دیا لیکن انہیں خارجی ثابت کرنے کی یہ کوششیں کسی طرح مستحسن قرار نہیں دی جاسکتیں۔ دراصل یہ المیہ اس لیے رونما ہو رہا ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ معتقدات دینی اور تاریخی روایت کو گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔ اور اختلاط کا نتیجہ بہرطور صحت مند نہیں ہوتا۔ ایران میں خمینی کے خونی انقلاب اور پاکستان میں اس کے بڑھتے ہوئے اثرات پر قابو پانے کے لیے اہل سنت کے دعویدار بزرگوں کا باہمی ربط وارتباط ضروری ہے۔ اسی جذبہ صادقہ کے تحت ہم اپنے مخدوم ومعظم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زیدمجدہم سے درخواست کریں گے کہ جن حضرات پر انہیں اس قسم کی بدگمانی ہے ان سے مجلسی گفتگو کا اہتمام فرمائیں اور علمی انداز سے مسائل کو حل کر کے امت کی بہتری کا سامان فراہم کریں اللہ رب العزت مسلک حقہ کے خدام کو اس پُر پیچ دور میں جادۂ اعتدال پر رہنے اور مسائل کو احسن طریق سے نمٹانے کی توفیق دے۔ کاش! قاضی صاحب جیسے عظیم المرتبت انسان کے بالغ قلم سے ایسی تحریر منصۂ شہود پر نہ آتی۔

(خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور ص ۲۴ مورخہ ۱۳ر مئی ۱۹۸۳ء)

تبصرہ

مؤلف اصل حقیقت نے خدام الدین کی سابق ایڈیٹر مولوی سعید الرحمٰن صاحب

علوی کا مندرجہ تبصرہ اپنے حق میں پیش کر کے ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کی مثال پیش کی ہے۔جن حضرات مذکورین نے بندہ کی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' کی کھل کر تائید کی ہے اور حضرات مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے بینات میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ: جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطاء فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے'' (ص ۴۷)

البلاغ نے ان الفاظ سے تائید فرمائی کہ: ''ہر طرح مسلک کی ترجمانی فرمائی ہے۔'' ماہنامہ الخیر میں یہ لکھا ہے کہ: ظاہر ہے کہ جس موضوع پر قاضی صاحب نے قلم اٹھایا ہے وہ جمہور اہل سنت کا مختار اور راجح موقف ہے اسی طرح دوسرے حضرات نے بھی پوری پوری تائید فرمائی ہے تو ان حضرات کے علم وفضل کے مقابلہ میں علوی صاحب کی کیا حیثیت ہے؟ اور مؤلف مذکور نے جس مقبول ترین خدام الدین کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ان کے تبصرہ کا وزن بڑھانے کی کوشش کی تھی تو اسکا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ علوی صاحب کو اب خدام الدین سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اور وہ تنکا بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(۲) علوی صاحب صرف مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کی اندھی عیقدت سے مغلوب ہو گئے ہیں ورنہ وہ جن اکابر دیوبند اور جن سلف وخلف اکابر ملت کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔سندیلوی صاحب نے مشاجرات صحابہ اور یزید کے بارے میں ان کے تحقیقی مسلک کو تنکے کے ایک تنکے کے برابر بھی نہیں سمجھا اور پھر یہ تاریخ کا مسئلہ نہیں قرآن وحدیث کا مسئلہ ہے کیا قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ آیت استخلاف اور آیت تمکین سے ثابت نہیں ہے؟ جس کا چوتھا مصداق حضرت علی المرتضٰی تھے اور باوجود اس حقیقت کے تسلیم کرنے کے سندیلوی صاحب حضرت علی المرتضٰی کی غلطی تو مانتے ہیں۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خطا کے بھی قائل ہیں لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ آپ کو بہ نسبت حضرت علی المرتضٰی کے اقرب الی الحق مانتے ہیں۔علوی صاحب مضمون نگار تو ہیں لیکن اب تک انہوں نے خلافت راشدہ کے مسئلہ کو نہیں سمجھا۔

جس کا مفصل و مدلل بیان میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل میں پایا جاتا ہے۔

③ علوی صاحب پر لازم تھا کہ وہ سندیلوی صاحب کی تائید میں مسلک اہل السنّت والجماعت کا کوئی مستند حوالہ پیش کرتے۔ یا میرے پیش کردہ موقف کی تردید میں کسی محقق اہل السنّت والجماعت کی کوئی تحریر پیش کرتے۔ ویسے فرضی قیل وقال سے تو اس قسم کے اہم علمی مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

علوی صاحب کا مرض

مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی دراصل پاکستان کے موجودہ یزیدی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے خدام الدین میں کراچی کی جس سنی کونسل کا تعارف کرایا ہے۔ یہ اُسی یزیدی گروہ کی کونسل ہے۔ چنانچہ خدام الدین ۲۲/اپریل ۱۹۸۳ء (۸/رجب ۱۴۰۳ھ) ص ۱۷ پر ادارہ کے تحت بعنوان ''پاکستان سنی کونسل (تعارف۔ اپیل۔ قرار دادیں) لکھتے ہیں: گذشتہ ربیع الاوّل میں سنی کونسل کراچی کے زیر اہتمام مشہور تاریخی مقام خالق دینا ہال میں بارہ روزہ محافل سیرت منعقد ہوئیں جن میں کراچی کے خطباء و علماء بالخصوص خطیب العصر شاہ بلیغ الدین صاحب کے علاوہ لاہور کے متعدد علماء نے بھی شرکت کی۔ جن میں ہفت روزہ خدام الدین کی مجلس ادارت کے رکن مولانا سعید الرحمٰن شاہ ولی اللہ سوسائٹی کے معتمد مولانا عبدالرؤف بھی شامل تھے۔ الخ۔ یہ خطیب العصر شاہ بلیغ الدین کٹر یزیدی ہیں۔ اُن کی ایک تقریر کی کیسٹ میں نے خود سنی ہے جس میں امیر المومنین یزید زندہ باد کے بار بار نعرے لگائے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں شاہ بلیغ الدین صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی ہے۔ اس کیسٹ کا حوالہ ان شاءاللہ تعالیٰ خارجی فتنہ حصہ دوم میں آئے گا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ یہ سنی اور اہل السنّت والجماعت کی اصطلاح کس مذہب و مسلک کی ہے اور مشاجرات صحابہ اور ''حسین و یزید'' کی بحث میں اہل السنّت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے۔ علوی صاحب میرے سامنے جہلم میں حضرت مولانا سید

اسعد صاحب مدنی زید فضلہم سے بیعت ہوئے تھے۔ تعجب ہے کہ سلسلہ چشتیہ مدنیہ دیوبندیہ میں داخل ہوکر بھی آپ حامیٔ یزید ہیں حالانکہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی نے یزید کے بارے میں تصریح فرمائی ہے کہ ''فاسق بے شک تھا۔'' (فتاویٰ رشیدیہ)

اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند یزید کو فاسق اور پلید لکھتے ہیں اور یزید کا فسق اہل السنّت والجماعت کے ہاں متفق علیہ ہے۔

ع بہ بیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

خمینی مجاہد ملت ہے (خدام الدین)

ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۲ ر دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۲۰ پر ایک مضمون بعنوان: ''اسلام اور فرقہ بندی'' حکیم انیس احمد صدیقی صاحب کا شائع ہوا ہے جس کا ایک عنوان ''شیعہ سنی بھائی بھائی'' ہے اس میں لکھا ہے کہ: اصول اسلام میں اتحاد کے بعد خلافت وامامت اور بعض دوسرے مسائل میں اختلافات موجود ہیں جن کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن شیعہ حضرات میں ایسے حضرات بھی ہیں جو اہل السنّت والجماعت اور شیعوں کو دو آنکھوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت قائداعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ۔ حضرت مجاہد ملت غازی دین متین علامہ آیت اللہ خمینی دامت برکاتہم سربراہ حکومت ایران اور جسٹس سید امیر علی مرحوم جنہوں نے انگریزی میں تاریخ اسلام لکھی ہے وغیرہ وغیرہ الخ معلوم ہوا ہے کہ حکیم انیس احمد مضمون نگار موصوف مودودی جماعت سے وابستہ ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خمینی صاحب کو مذکورہ القاب سے خدام الدین میں ہی نوازا گیا ہے۔ اس عبارت کا حوالہ دے کر میں نے مولوی سعید الرحمٰن علوی کو لکھا تھا کہ خدام الدین کو آئندہ کے لیے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا چھوڑ دیں۔ تو انہوں نے معذرت کا خط لکھا تھا کہ یہ مضمون میری غیر حاضری میں شائع ہوا ہے۔ لیکن یہ ریکارڈ میں تو آ گیا۔ اس مضمون کی تردید خدام

الدین میں شائع ہونی چاہیے تھی لیکن مختصر نوٹ کے سوا کوئی تفصیلی رد شائع نہیں ہوا۔ یہ دعویٰ کہ خمینی صاحب متعصب شیعہ نہیں ہیں بالکل جھوٹ ہے۔ خمینی صاحب کے عقائد کی تفصیل میری کتاب ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مولوی کفایت حسین کی روح جنت الفردوس میں

مولوی کفایت حسین پشاوری کٹر شیعہ عالم تھے۔ ان کی جدوجہد سے ہی پشاور میں شیعیت کی اشاعت ہوئی لیکن خدام الدین نے ان کی روح کو بھی جنت الفردوس میں پہنچا دیا۔ چنانچہ لکھا ہے: مولوی صاحب (یعنی مظہر علی اظہر) کی روح اپنے رفقائے حیات شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمہ اللہ۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ۔ مفکر احرار چودھری افضل حق۔ خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔ ضیغم احرار شیخ حسام الدین۔ مجاہد ملت ماسٹر تاج الدین انصاری۔ مولوی محمد علی جالندھری۔ سید ابوالحسنات حافظ کفایت حسین کی روحوں سے ملاقات کے لیے جنت الفردوس میں جا پہنچی'' (خدام الدین ۱۵ر نومبر ۱۹۷۴ء ص ۲۲)

کتابچہ ''اصل حقیقت'' کے مؤلف جو مجھے گلابی شیعہ قرار دے رہے ہیں اب خدام الدین کے متعلق بھی تو فتویٰ دیں کہ وہ کس قسم کا شیعہ ہے؟ مولوی کفایت حسین لکھنؤ کے شیعہ مدرسۃ الواعظین کے سند یافتہ تھے۔ ان کو پشاور میں صرف تبلیغ شیعیت کے لیے ہی بھیجا گیا تھا۔ یہ کامیاب حافظ نہ تھے۔ ناواقفی سے سنی علماء نے بھی ان کو حافظ مشہور کر دیا۔ یہ ایک مرتبہ چک بیلی ضلع راولپنڈی میں میرے والد حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ صاحب کے مقابلہ میں مناظرہ کے لیے آئے تھے۔ آمنے سامنے فریقین کے اسٹیج تھے۔ ان پر حضرت والد مرحوم کا کچھ ایسا رعب پڑا کہ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے باتوں باتوں میں ہی یہ اسٹیج سے گھوڑے پر سوار ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ اس جلسہ میں اہل سنت کے مشہور مبلغ مولانا شاہ نواز صاحب مرحوم بھی موجود تھے۔ مولوی کفایت حسین مولانا شاہنواز صاحب سے مناظرہ کرنے پر اصرار کر رہے تھے۔ لیکن

والد صاحب مرحوم نے فرمایا مناظرہ میں کروں گا۔ اس لیے وہ گھبرا کر فرار ہو گئے تھے۔
یہ ہزاروں سُنی مسلمانوں کا چشم دید واقعہ ہے۔

میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ (خدام الدین)

میری اس کتاب پر مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی نے جو تبصرہ لکھا ہے درج ذیل ہے:

''میاں طفیل محمد صاحب مودودی صاحب کی جماعت اسلامی کے آج کل امیر ہیں۔ اسی حوالہ سے رابطۂ عالم اسلامی کے ممبر اور بہت کچھ ہیں۔ ایران کے خونی انقلاب اور اس کے قائد خمینی صاحب کے مداح...... ہمارے مخدوم مولانا قاضی مظہر حسین صاحب جو جماعتِ اسلامی کے معاملہ میں اپنے اکابر مولانا مدنی۔ مولانا لاہوری۔ شیخ الحدیث اور مولانا غلام غوث ہزاروی قدس سرہم کے مشن کے وارث ہیں۔'' نے میاں صاحب کی اس دعوت کا تجزیہ کیا اور بڑے بے لاگ طریقے سے ثابت کیا کہ شیعہ سُنی معاملہ محض ایسا ویسا نہیں کہ مل بیٹھ کر حل ہو جائے گا۔ اس کی پشت پر صدیوں کا شیعہ لٹریچر اور ان کی تاریخ ہے۔ وہ قرآن کی تحریف کے قائل ہیں۔ وہ صحابہ کے ایمان کے منکر ہیں اور ان جیسے متعدد عقائد رکھتے ہیں۔ جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ تو اتحاد کیسا؟ بہرطور یہ خوبصورت اور قیمتی رسالہ اس قابل ہے کہ ہر سُنی فرد کے ہاتھ میں ہو اس کا انفرادی اور اجتماعی مطالعہ کیا جائے تاکہ شیعہ سُنی مسئلہ کی حقیقت کے ساتھ ساتھ ''شیعہ جماعت اسلامی'' باہمی تعلق کا اندازہ ہو سکے۔ ہم اس بروقت رسالہ کی اشاعت پر قاضی صاحب کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اور ان کی درازئ عمر و صحت کے لیے دعا گو ہیں۔ (خدام الدین لاہور ۲۶/اگست ۱۹۸۳ء ص ۲۴)

تبصرہ

علوی صاحب کے اس تبصرہ نے تو کتابچہ ''اصل حقیقت'' کے مؤلف صاحب کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کو بالکل بے نقاب کر دیا کہ:

''مودودیوں کے معنوی شاگرد چکوالی صاحب (ص۶۰) چکوالی صاحب کے رافضیت زدہ دل ودماغ میں جو تعفن ہے۔'' (ص۷۷)

''اگران عقائد وتصورات کے باوجود چکوالی صاحب سُنی مسلمان ہیں تو پھر رافضیوں نے کیا قصور کیا ہے؟'' (ص۷۳) چکوالی فرقہ کے گلابی شیعہ۔'' (ص۵۴) ''چکوالی کے معنوی استاد لعل شاہ بخاری اور جماعت اسلامی۔ (ص۲۰)

کتاب دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبصرہ (خدام الدین)

کتاب مطرقۃ الکرامۃ ردّ شیعیت میں محدث العصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ صاحبِ بذل المجہود شرح ابی داؤد کی تصنیف ہے اس پر بندہ نے ایک مقدمہ لکھا جو ''دفاع صحابہ'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سعید الرحمٰن علوی موصوف لکھتے ہیں قریباً ایک صدی بعد تحریک خدام اہل سنت نے مطرقۃ الکرامۃ کو بڑے اہتمام سے چھاپا جس پر تبصرہ ان سطور میں ہو چکا ہے۔

''مطرقۃ الکرامۃ کے ابتدائیہ کے طور پر امیر تحریک ترجمان اہل السنت مولانا قاضی مظہر حُسین صاحب زید مجدہم نے ایک انتہائی مؤثر و مدلل تحریر لکھی جسے بے حد سراہا گیا۔ اس تحریر ومقالہ کو افادہ عام کی غرض سے الگ سے شائع کیا گیا ہے جو وقت کی اہم ضرورت تھی (خدام الدین ۱۹ر نومبر ۱۹۸۲ء ص ۲۶)

علوی صاحب موصوف تو بندہ کو ''ترجمان اہل سنت'' قرار دے رہے ہیں لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' مجھے گلابی شیعہ کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کر رہے ہیں۔

۲ میں نے ''دفاع صحابہ'' میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ: جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ایک استاذ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی ہیں جو غالباً استاذ ہیں مولوی عظیم الدین صاحب کے۔ محمود احمد عباسی۔ عظیم الدین اور حکیم فیض عالم وغیرہ مصنفین نے تو حضرت علی المرتضیٰ اور

حضرت امام حسین کے خلاف تیز لہجہ اختیار کیا ہے اور مولانا محمد اسحٰق صاحب موصوف تقریباً بات انہی کی کرتے ہیں لیکن لہجہ کچھ نرم اختیار کرتے ہیں۔ وہ پوری طرح حضرت علی المرتضٰی کے متعلق اہل سنت کے عقیدہ سے متفق نہیں ہیں الخ (ص ۵۳) نیز لکھا تھا کہ: مولانا موصوف (یعنی سندیلوی صاحب) بھی یزید کو ایک صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں جس کی وضاحت انہوں نے ایک غیر مطبوعہ مکتوب میں کر دی ہے (ص ۵۴) یہاں میں نے وضاحت سے مولانا سندیلوی کے نظریات پر کڑی تنقید کی ہے۔ جس کا جواب مولانا سندیلوی نے ''جواب شافی'' رسالہ میں دیا۔ جس کے جواب الجواب میں بندہ نے ''کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں دیا ہے اور اس میں ''دفاع صحابہ'' کے مضمون کی ہی تفصیل ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی میرے کتابچہ ''دفاع صحابہ'' کی تو پوری پوری تائید کرتے ہیں۔ لیکن کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل پر تنقیدی تبصرہ لکھتے ہیں، جس کا سہارا مؤلف ''اصل حقیقت'' لے رہے ہیں۔ یہاں بھی علوی صاحب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ آپ نے پہلے ''دفاع صحابہ'' میں مولانا سندیلوی پر میری تنقید کی تائید کی اور اب اس کے برعکس کتاب ''خارجہ فتنہ حصہ اوّل'' میں کیوں تنقید کر رہے ہیں۔ اس تضاد بیانی کی وجہ کیا ہے؟

کتاب مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی لکھتے ہیں: حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا یہ بابرکت رسالہ ہندو پاک میں متعدد بار چھپ چکا ہے۔ حضرت شیخ کے خلوص وللّٰہیت کے سبب اس کا نفع بار بار سامنے آیا اور محسوس ہوا کہ بہت سے لوگ فکری گمراہی سے بچ گئے۔ مودودی صاحب اب اس دنیا میں نہیں لیکن ان کی فکر موجود ہے اور دینی طور پر اس میں جو مضرات ہیں وہ بھی اپنی جگہ پر موجود، اس لیے اس زہر کا تریاق بہت ضروری ہے'' اس تبصرہ کے آخر میں لکھتے ہیں: ایک مرد خدا کی تحریر میں جو علمی پختگی سوز و گداز اور خلوص

وللّٰہیت ہونی چاہیے، وہ سب باتیں کتاب میں موجود ہیں۔ حضرت مدنی کے مجاز حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا ٹھوس اور جامع مقدمہ نیز قدیم نسخہ کے ساتھ چھپنے والا حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا مضمون شامل کتاب ہے۔ قیمت ۶ روپے ہے۔ مکتبہ عثمانیہ نزد مدرسہ حنفیہ اشرف العلوم (رجسٹرڈ) برنولی ضلع میانوالی کے کارپرداز اس کی اشاعت پر مستحق تبریک ہیں۔'' (خدام الدین ۱۲ر جون ۱۹۸۱ء ۲۳، ۲۴)

علوی صاحب نے میرے اس مقدمہ کی بھی پوری تائید کردی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے ابتدائیہ میں بندہ نے بعنوان ''عرض حقیقت'' یہ لکھا ہے کہ: مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت ''شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند قدس سرہٗ کی وہ بلند پایہ علمی اور تحقیقی کتاب ہے جس میں مودودی عقائد کے ابطال کے سلسلے میں مسئلہ عصمت انبیاء اور مسئلہ معیار حق پر مدلل بحث کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تحریرات سوادِ اعظم اہل سنت کے عقیدہ عصمتِ انبیاء کے خلاف ہیں اور مودودی جماعت کے دستور میں ان کا یہ عقیدہ کہ: سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی، معیار حق نہیں ہے کتنی گمراہیوں کا دروازہ کھولنے والا عقیدہ ہے'' اسی مقدمہ میں بندہ نے لکھا ہے: کتاب خلافت وملوکیت سے اہل السنّت والجماعت کے قلوب مجروح ہوئے ہیں اور اہل تشیع کو اس سے مسرت پہنچی ہے۔

چنانچہ شیعوں کے مذہبی رسائل اور اخبارات میں جہاں ان کی مذہبی کتابوں کا اشتہار ہوتا ہے وہاں عموماً مودودی صاحب کی خلافت ملوکیت بھی ان میں شامل ہوتی ہے اسی مضمون میں بندہ نے بعنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' لکھا ہے کہ ''خلافت وملوکیت'' میں اصحابِ رسول اللہ ﷺ میں سے سب سے زیادہ مودودی صاحب نے جن کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے اور شیعہ بھی صحابہ کرام میں سب سے زیادہ جن کے خلاف بغض وعناد کا اظہار کرتے ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں الخ۔ اس مضمون میں بندہ نے شیعہ عقیدۂ امامت وکلمۂ اسلام وغیرہ پر تنقید کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ بہر حال اہل السنّت والجماعت کو اس

خطرناک مودودی فتوی سے کہ شیعہ کے پیچھے سُنی اور سُنی کے پیچھے شیعہ کی نماز جائز ہے۔ مودودی فتنہ کی اصلیت کو سمجھنا چاہیے اور شیعیت کی طرح مودودیت کو بھی اسلام کے خلاف ایک خطرناک سازش یقین کر کے مذہب اہل السنّت والجماعت اور اصلی کلمۂ اسلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے تحفظ کے لیے انتہائی جدوجہد کرنی چاہیے کیونکہ ایمان واسلام مسلمان کے لیے سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔ (۲۲ ربیع الاوّل ۹۶ھ ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء)

اس مضمون میں بندہ نے شیعیت اور مودودیت کے متعلق اپنا تصورِ حق بالکل واضح کر دیا ہے اور مودودی جماعت کے ذمہ دار افراد بھی یہی سمجھتے ہیں کہ مودودیت کے بارے میں میرے اندر کوئی لچک نہیں۔

نعیم صدیقی کا تبصرہ

نعیم صدیقی صاحب ایک شاعر اور ادیب ہیں۔ مودودی جماعت اسلامی سے سالہا سال سے وابستہ ہیں اور مودودی صاحب کے جاری کردہ ماہنامہ ترجمان القرآن (اچھرہ لاہور) کے ان دنوں ایڈیٹر ہیں۔ ان کے پاس تبصرہ کے لیے دو کتابیں بھیجی گئی تھیں (۱) کھلی چٹھی بنام قاضی مظہر حسین صاحب مؤلفہ سید مہر حسین بخاری (۲) قاضی مظہر حسین چکوالی کے خارجی فتنہ کی اصل حقیقت مؤلفہ مولانا محمد علی سعید آبادی ان دونوں کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے نعیم صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ دو رسائل تبصرے کے لیے آئے ہیں مگر ان صفحات میں ایسی بحثوں پر کیا تبصرہ لکھا جائے۔ جو ہماری توجہات کو حال کے تباہ کن فتنہ الحاد اور فلسفہ ہائے مادیت سے ہٹا کر بار بار کی دوہرائی ہوئی صدیوں پہلے کی تاریخ پر لے جاتے ہیں: کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ کیسا تھا؟ یوں بھی جہاں تک (بواسطہ ہم علاقیت) میں مجملاً قاضی مظہر حسین صاحب کو جانتا ہوں۔ بغیر ان کے ادب میں کمی کیے انہیں ''مظہر مباحث'' سمجھتا ہوں۔ وہ سالہا سال سے نت نئے قضیے چھیڑتے رہتے ہیں اور اسی میں

ان کا علم اوران کی عزیز عمر کھپ رہی ہے۔ قاضی صاحب کے لیے ہم ہی کافی تھے کہ وہ ساری ناوک اندازیاں ہم پر شوق سے کرتے رہتے۔ کجا کہ وہ طرح طرح کے مناظروں اور قضیوں کو اٹھاتے رہتے ہیں۔ کیا ان کی کوشش سے علاقہ میں دس بیس افراد بھی کھرے مسلمان بن سکے؟ رشوت مال حرام تشدد۔ اسراف، برادر پرستی، رسم پرستی، شرک اور دوسری بلاؤں میں کچھ کمی آئی یہی معیار ہوتا ہے دین برحق کی علمبرداری میں کامیابی کا۔ اسی طرح ان کے خلاف جو اصحاب لکھتے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ آؤ اور آج کی سُپر پاورز کی سامراجیت اور آج کے فلسفیوں اور تہذیبی قدروں کے تباہ کن سیلاب کو دیکھو کہ مسلمان خاص طور پر اس کی زد میں آ کر تباہ ہو رہے ہیں۔ کچھ ان کا توڑ کرو۔ (ترجمان القرآن جلد ا۔ مئی ۱۹۸۴ء)

نعیم صدیقی صاحب نے بندہ کے متعلق اپنا نظریہ واضح کر دیا ہے اس کے باوجود جو مؤلف ''اصل حقیقت'' بندہ کو جماعت اسلامی کی معنوی اولاد لکھ رہے ہیں یہ ان کا کتنا بڑا سفید جھوٹ ہے۔ یہی ان کی خارجیت کی دلیل ہے۔

② صدیقی صاحب موصوف سے یہاں مختصراً یہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بحث تو آپ کے قائد اعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں خود تفصیلاً لکھی ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صریح توہین کی ہے۔ مودودی صاحب نے ہی اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں سورہ تحریم کی آیات کے تحت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان درازی کرنے والیاں لکھا ہے۔ مودودی صاحب نے ہی تفہیمات اور تفہیم القرآن میں عصمت انبیاء علیہم السلام کو مجروح کیا ہے۔ مودودی صاحب نے ہی ''جماعت اسلامی کے دستور'' میں صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کی نفی کی ہے۔ مودودی صاحب نے ہی اپنے مضامین مجموعہ ''رسائل مسائل'' میں اکابر اسلام کی پگڑیاں اچھالی ہیں اور مودودی صاحب نے ہی اپنی کتاب ''تجدید واحیائے دین'' میں مجددین امت پر اپنا تنقیدی نشتر چلایا ہے۔ بندہ نے اور دوسرے اکابر اہل حق نے تو مودودی صاحب کے

نظریات باطلہ کی دلائل سے تردید کی ہے۔ کیا آپ نے اپنے مرشد اعلیٰ مودودی صاحب سے یہ کہا تھا کہ آپ نے یہ صدیوں پہلے کے مسائل پھر از سرنو کیوں چھیڑے ہیں؟ کیا مودودی صاحب نے اضطراری حالت میں متعہ کو حلال نہیں قرار دیا؟ کیا مودودی صاحب نے لاہوری مرزائیوں کے متعلق یہ نہیں لکھا تھا کہ یہ نہ مسلمان ہیں نہ کافر۔ تعجب ہے کہ مودودی صاحب کا ان زیر بحث مسائل کو چھیڑنا تو تحقیق حق ہو اور اگر اس کا علمی طور پر جواب دیا جائے تو یہ تخریب کاری کے ضمن میں آجائے۔ کیا مودودی صاحب کی زندگی میں یہ مادی اور الحادی فتنے زوروں پر نہ تھے۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا فہم کرشمہ ساز کرے

(۳) شیعوں نے امت مسلمہ کے اجماعی کلمۂ اسلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر اس تیسری جزو کا اضافہ کیا یعنی عَلِیٌّ وَلِیّ اللّٰہ وصیّ رسولِ اللّٰہ وخلیفته بلا فصل اور اس پر توحید و رسالت کی طرح ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ پاکستان میں شیعہ اردو لٹریچر کا ایک طوفان ہے جس میں صراحتاً خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان ذوالنورین اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو صراحتاً غیر مومن اور منافق لکھا گیا ہے۔ اسی طرح محمود احمد عباسی اور اس کی پارٹی نے قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ اور شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی عظیم جنتی شخصیتوں کو مجروح کیا ہے۔ اور ہم نے ان کے جوابات دے کر ان حضرات صحابہ، خلفائے راشدین۔ اہل بیت اور امہات المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی شرعی عظمتوں کا تحفظ کیا ہے تو کیا جنتی شخصیتوں کا دفاع ضروری نہیں ہے اور کیا اصلی اور اجماعی کلمۂ اسلام کا تحفظ ضروری نہیں ہے جو اسلام کا اصل الاصول ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے ماہنامہ ترجمان القرآن میں ملک غلام علی صاحب نے (جو فی الحال وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس ہیں) حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی (حال جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان) کے اُن مضامین کا جواب دیا

ہے جن میں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے مودودی الزامات کا جواب دیا تھا پھر مولانا تقی عثانی صاحب موصوف نے جواب الجواب میں مضامین لکھے جو کتابی صورت میں ''بنام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق'' شائع ہو چکے ہیں۔ ملک غلام علی صاحب نے محمود احمد صاحب کی کتاب ''خلافتِ معاویہ و یزید'' پر بھی اسی ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' میں تنقید کی ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا دفاع تو ضروری ہے لیکن صحابہ کرام۔ خلفائے راشدین اور امہات المومنین کا اگر اہل السنّت والجماعت کی طرف سے دلائل کی بناء پر دفاع کیا جائے تو یہ آپ کے نزدیک غیر ضروری اور ناپسندیدہ ہے۔ اس فرق کی کوئی علمی اور شرعی وجہ بھی تو بتائیں؟

④ ایران کے انقلابی سربراہ خمینی صاحب نے (جو شیعوں کے نزدیک نائب امام مہدی ہیں) اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' میں صراحتاً ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو قرآن کا مخالف قرار دیا ہے (ان کی بعض عبارتیں میں نے اپنی کتاب ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ'' میں درج کر دی ہیں) لیکن باوجود اس کے مودودی صاحبان اس ایرانی شیعی انقلاب کو ''اسلامی انقلاب'' قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ مودودی جماعت کے ایک سرکردہ لیڈر اسعد گیلانی صاحب نے اپنے سفرنامہ ایران میں خمینی شیعی انقلاب کو اسلامی انقلاب قرار دیا ہے۔ اور آپ کے ماہنامہ ترجمان القرآن ماہ مئی ۱۹۸۴ء میں بھی آخری صفحہ پر اس ''سفرنامہ ایران'' کا اشتہار درج ہے۔ کیا امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کو قرآن کا مخالف قرار دینا اور ایام حج میں قریباً ۲/۱ لاکھ ایرانیوں کا ہنگامہ آرائی کرنا اور حکومت سعودیہ کے خلاف احتجاجی جلوس نکالنا۔ حجاج کرام کو پریشان کرنا۔ حرم مکہ۔ مسجد نبوی اور روضہ مقدس کے آداب شرعی کی بے حرمتی کرنا اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ ماتمی جلوسوں میں خواہ ایران میں ہوں یا پاکستان میں منہ پیٹنا۔ سینہ کوبی اور زنجیر زنی وغیرہ محرمات کا ارتکاب کرنا۔ طہران کی لاکھوں کی آبادی میں ایک سُنی مسجد کی اجازت نہ دینا۔ سُنی مسلمانوں کو علیحدہ نماز جمعہ پڑھنے کی ممانعت کرنا وغیرہ کیا آپ کے نزدیک یہ سارے اسلامی اور قرآنی انقلاب کے آثار

ونشانات ہیں جن کی آپ مدح سرائی کرتے ہیں؟ آخر آپ کس اسلام کو مانتے ہیں؟

عبرت، عبرت، عبرت۔

کتاب سُنی مذہب حق ہے

ایک شیعہ مصنف مولوی عبدالکریم مشتاق نے اہل السنّت والجماعت سے دس سوالات کیے تھے جس کے جواب میں بندہ نے کتاب ''سُنی مذہب حق ہے'' ۱۹۷۸ء میں شائع کی۔ مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی نے اس پر خدام الدین میں تائیدی تبصرہ شائع کیا جس کے بعض اقتباسات حسبِ ذیل ہیں:

''ایک شیعہ مصنف عبدالکریم مشتاق کے کچھ سوالات بریلوی مکتب فکر کے ایک عالم مولانا محمد یعقوب شاہ صاحب آف پھالیہ کے پاس بغرض جواب آئے جوانہوں نے جواب کے لیے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے پاس ارسال کر دیئے قاضی صاحب موصوف جو رفض وسبائیت کے سلسلہ میں مفید خدمات انجام دے رہے ہیں، نے انتہائی مدلل جواب لکھے۔ اور پھر اپنی طرف سے اہل شیعہ سے تین سوال کیے۔ اور انہیں شاہ صاحب کے پاس ارسال کردیا۔ شاہ صاحب نے قاضی صاحب کے ایک معتمد کو خط میں لکھا: اگر وہ جوابات چھپ جائیں تو ہزاروں انسان ہدایت یافتہ ہونگے۔ جوابات نہایت مدلل بلکہ لاجواب ہیں۔'' ضرورت ہے کہ شیعہ مذہب سے مکمل آگاہی حاصل کی جائے۔ قاضی صاحب کا یہ رسالہ اس سلسلہ میں اچھا رہنما ثابت ہوگا۔ ہم برادران اہل سنت سے اس رسالہ کی بکثرت اشاعت کی درخواست کریں گے تاکہ ہم اپنی ملی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکیں۔ یہ رسالہ چار روپیہ میں دفتر تحریک خدام اہل سنت چکوال سے دستیاب ہے۔'' (ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۸رمئی ۱۹۷۹ء)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ فتنوں کے تعاقب میں

مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی سابق ایڈیٹر خدام الدین کی فرمائش پر ''امام الاولیاء حضرت لاہوری نمبر'' کے لیے بندہ نے ایک طویل مضمون بتاریخ ۱۳ررمضان

المبارک ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹/اگست ۱۹۷۸ء مکمل کیا تھا۔ جو حضرت لاہوری نمبر (ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ مطابق مارچ ۱۹۷۹ء) میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں بندہ نے شیعیت۔ مودودیت۔ خارجیت اور یزیدیت وغیرہ تمام عصری فتنوں کی نشاندہی کرکے شیخ التفسیر حضرت لاہوری کا مسلک حق واضح کردیا تھا۔ اور آخر میں بعنوان ''اعتذار'' میں نے یہ لکھا تھا کہ بندہ نے بجائے واقعات کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے حضرت رحمۃ اللہ کے عقیدہ و مسلک اور نصب العین کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ حضور رحمت للعالمین خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ معیار حق ما انا علیه واصحابی اور علیکم بسنتی وسنّة الخلفآء الراشدین المَهدیین کے نصب العین کے آئینہ حق نما میں حضرت لاہوری کی عظیم شخصیت کو دیکھا جائے۔ اور اس طویل نویسی پر یہ خادم اہل سنت معذرت خواہ ہے۔''

اس مضمون کو تحریک خدام اہل سنت چکوال نے کتابی صورت میں بھی شائع کردیا۔ چونکہ اس مضمون میں بندہ نے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کی کتاب ''اظہار حقیقت'' کے پیش نظران کے بعض افکار پر تنقید کی تھی جو انہوں نے حضرت علی المرتضٰی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی جنگ کے سلسلہ میں پیش کیے ہیں۔ اس مسئلے میں اکابر اہل سنت کی عبارتیں پیش کیں اور یزید کے فاسق ہونے کے متعلق بھی اکابر اہل سنت کی بعض عبارات درج کی گئی تھیں لیکن اس کے باوجود مولوی سعید الرحمٰن علوی نے مسلکی اعتبار سے میرے مضمون کے کسی حصہ پر کوئی تنقید نہیں کی۔ چونکہ یہ مضمون اسی خدام الدین میں شائع ہوا تھا جس کی آڑ میں مؤلف ''اصل حقیقت'' میرے خلاف دروغ گوئی کررہے ہیں۔ اور یہ مضمون مقبول بھی ہوا۔ اس لیے خدام الدین کے شائع کردہ اس مضمون کی افادیت کو کم دکھانے کے لیے مؤلف ''اصل حقیقت'' نے مولانا سندیلوی سے متعلق میری تنقیدی عبارت کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ: بغض معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی اس تنقید میں چکوالی صاحب نے دو

چالاکیاں کی ہیں پہلی یہ کہ مضمون چونکہ خدام الدین میں چھپے گا اس لیے عام لوگوں پر یہ تاثر پڑے گا کہ خدام الدین والے بھی اس تنقید میں چکوالی صاحب کے ہم خیال ہیں مگر چکوالی صاحب کی یہ چالاکی دھری کی دھری رہ گئی کیونکہ مدیر خدام الدین ان سے زیادہ ذہین نکلے اور انہوں نے چکوالی صاحب کے پھیلائے ہوئے خانہ جنگی کے اس جال سے بچنے کے لیے اس مضمون کے شروع ہی میں ایک ادارتی نوٹ لکھ کر اس مضمون کا زہر نکال پھینکا۔ مدیر محترم نے لکھا کہ:

صاحبِ مضمون چونکہ ایک جماعت کے بانی اور سربراہ ہیں اس لیے ان کے مقالہ میں کہیں کہیں جماعتی رنگ جھلکتا ہے۔ ہم نے دیانتداری کے پیش نظر مقالہ مِن وعَن شائع کر دیا ہے۔ (ادارہ خدام الدین لاہور) اس طرح مدیر خدام الدین نے نہایت عقلمندی اور حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس مضمون کے ابتدا ہی میں یہ بتا دیا کہ ہم اس کے تمام مندرجات سے متفق نہیں۔ چکوالی صاحب نے اپنے اس مضمون میں دوسری چالاکی یہ کی کہ بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی اس تنقید کے فوراً بعد حضرت امام اہل سنت، (یعنی سندیلوی صاحب) پر محمود عباسی صاحب کے خیالات اپنانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد نہ ماننے کا الزام عائد کر دیا تا کہ مضمون پڑھنے والا چکوالی صاحب کی معاویہ رضی اللہ عنہ دشمنی پر غور کرنے کے بجائے حضرت امام اہل سنت کی علی رضی اللہ عنہ دشمنی پر حیرت کرنے لگے بلکہ اس الزام تراشی کے دو صفحے بعد ایک اور الزام یزیدی ہونے کا بھی لگا دیا تا کہ پڑھنے والے کے متاثر ہونے میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو وہ بھی پوری ہو جائے۔ آخر یہ فنکاریاں چکوالی صاحب میں نہیں ہونگی تو اور کس میں ہوں گی؟ قتل کے کیس میں آٹھ سال قید کاٹ کر بھی اگر وہ یہ حرکتیں نہ سیکھتے تو تعجب ہوتا۔''

(اصل حقیقت ص ۲۷)

الجواب

مدیر خدام الدین علوی صاحب نے میرے مضمون کی کسی جزء پر مسلکی اعتبار سے

کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ انہوں نے تو اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ صاحب مضمون چونکہ ایک جماعت کے بانی اور سربراہ ہیں اس لیے ان کے مقالہ میں کہیں کہیں جماعتی رنگ جھلکتا ہے۔

فرمایئے! جماعتی رنگ کو کیا کوئی ذی عقل وانصاف شخص مسلکی واعتقادی اختلاف قرار دے سکتا ہے؟ مؤلف مذکور کی یہ تنقید تو صرف اپنا دل بہلانے کے لیے ہے ع

دل کے خوش کرنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

مسلکی اعتبار سے تو کسی سُنی عالم نے میرے اس مضمون پر کوئی تنقید نہیں کی

(۲) مجھ پر بار بار معاویہ دشمنی کا بہتان لگانا یہی تو آپ کی خارجیت ہے اور ہمالیہ پہاڑ سے بھی بڑا جھوٹ جو اپنی یزیدی پارٹی کو مطمئن کرنے کے لیے آپ استعمال کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسی مضمون میں بندہ نے قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی عبارات پیش کی تھیں۔ اور اسی سلسلے میں ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت میں حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو جس طرح اپنی روایتی تنقید کا ہدف بنایا ہے اس کا جواب دے کر ان حضرات کا دفاع کیا تھا چنانچہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پالیسی پر مودودی تنقید کے متعلق میں نے یہ لکھا تھا کہ:

یہ آیت تمکین اور سورۃ النور کی آیت استخلاف اس بارے میں نص ہیں کہ یہ چاروں خلفاء اپنے اپنے دور خلافت میں خلیفہ راشد تھے۔ اور گو ان میں باہمی فضیلت حسب ترتیب خلافت ہی پائی جاتی ہے۔ لیکن اپنے زمانہ میں وہ خلافت کے پورے اہل تھے اور خلافت کا بار مکمل طور پر اٹھانے کی اہلیت رکھتے تھے۔ کیونکہ ان حضرات کا انتخاب حسبِ وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اب ان کی اہلیت اور قابلیت پر اعتراض کرنا ان پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر اعتراض ہے العیاذ باللہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ مہاجرین صحابہ میں سے نہیں ہیں اس لیے وہ اس خلافت راشدہ موعودہ کا مصداق نہیں بن سکتے۔ البتہ امام حسن کی صلح کے بعد آپ اہل السنّت والجماعت کے

عقیدہ میں خلیفہ برحق ہیں۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کا اختلاف اجتہادی ہے جس کی نوبت قتال باہمی تک پہنچ گئی تھی اور چونکہ حضرت علی المرتضیٰ خلیفہ راشد کی مخالفت انہوں نے از روئے اجتہاد نیک نیتی سے کی ہے اس لیے ان کی اس خطاء کو اجتہادی قرار دیا جائے گا لیکن بحیثیت جلیل القدر صحابی اور کاتب وحی ہونے کے ان پر لعن طعن کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ روافض کرتے ہیں یا مودودی صاحب نے تنقید کے نام پر ان کو ہدف ملامت بنایا ہے چنانچہ ''خلافت وملوکیت'' میں لکھا ہے الخ (ایضاً ص۸۳)

اب ناظرین کرام ہی بندہ کی پیش کردہ عبارت سے یہ نتیجہ نکال لیں کہ کیا اس کا نام معاویہ دشمنی ہے جس کا الزام مؤلف ''اصل حقیقت'' مجھ پر لگا رہا ہے؟ یا یہ حُب معاویہ اور دفاع معاویہ ہے کہ ان کو نیک نیتی سے اختلاف کرنے والا اور جلیل القدر صحابی اور کاتب وحی قرار دیا جا رہا ہے۔ اور اجتہادی خطا میں تو ایک اجر ہی ملتا ہے۔ اسے کون تنقیص وتوہین کرسکتا ہے اور بندہ نے تو اس میں واضح طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق رافضی اور مودودی نظریہ کا رد کر دیا ہے۔ مگر اصل حقیقت تو یہی ہے کہ یہ خارجی گروہ سبائیت کی دوسری شاخ ہے جو حبِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی آڑ میں اہل السنّت والجماعت کے متفق علیہ مسلک کو مجروح کرنے کی بالارادہ کوشش کر رہا ہے۔ جو کوئی بھی حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد قرار دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کا قائل ہو (اور جمہور اہل السنّت والجماعت کا یہی قول ہے) تو یہ اس کو دشمنِ معاویہ رضی اللہ عنہ قرار دے کر اپنے خارجی مشن کی تکمیل کرتے ہیں۔

علوی صاحب کا سہارا بھی کام نہ آیا

مؤلف ''اصل حقیقت'' نے ''خارجی فتنہ'' حصہ اوّل پر علوی صاحب کے تبصرہ کی آڑ میں بندہ پر تبرابازی شروع کر دی لیکن ان کو یہ سہارا بھی کام نہ آسکا۔ کیونکہ میں نے علوی صاحب کے ہی بھرپور تائیدی تبصرے خدام الدین کے حوالہ سے یہاں پیش کر دیئے ہیں۔ جس میں انہوں نے میری تصانیف اور مضامین کی مسلکی اعتبار سے پوری

تائید کی ہے اور صاف صاف لکھ دیا ہے کہ:

''قاضی صاحب موصوف جو رفض وسبائیت کے سلسلہ میں مفید خدمات انجام دے رہے ہیں (تبصرہ ''سُنی مذہب حق ہے'' خدام الدین ۱۸؍مئی ۱۹۷۹ء)

(ب) کتاب ''دفاع صحابہ'' کے تبصرہ میں لکھتے ہیں: مطرقۃ الکرامۃ کے ابتدائیہ کے طور پر امیر تحریک ترجمان اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زید مجدہم الخ

(خدام الدین ۱۹؍نومبر ۱۹۸۲ء ص ۲۶)

(ج) ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے علوی صاحب لکھتے ہیں: ہمارے مخدوم مولانا قاضی مظہر حسین صاحب جو جماعت اسلامی کے معاملہ میں اپنے اکابر مولانا مدنی۔ مولانا لاہوری شیخ الحدیث اور مولانا غلام غوث قدس اسرارہم کے مشن کے وارث ہیں (خدام الدین ۲۶؍اگست ۱۹۸۳ء ص ۲۴)

یہ تو ہیں مؤلف ''اصل حقیقت'' کے ممدوح مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی کے تائیدی تبصرے۔ لیکن مولف صاحب مذکور باوجود اس کے اپنی تحریک خارجیت کے جراثیم پھیلانے کے لیے خوف خداوندی سے خالی ہو کر یہ بہتان لگا رہے ہیں کہ چکوالی گلابی شیعہ ہے۔ جماعتِ اسلامی کا معنوی شاگرد ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ دشمنی اس کا مقصد ہے وغیرہ۔ خدا جانے علوی صاحب کے مذکورہ تبصروں کے بعد وہ کہاں پناہ لیں گے؟ واللہ الہادی۔

علوی صاحب کی خدمت میں

مولوی سعید الرحمٰن صاحب علوی کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ صرف صحافی ہی نہ بنے رہیں حضرات اکابر دیو بند رحمہم اللہ تعالیٰ کی عقیدت کا جس طرح اپنی تحریرات میں اظہار واعلان کرتے رہتے ہیں اس کا تقاضا یہی ہے کہ مشاجراتِ صحابہ اور یزیدیت کے بارے میں بھی آپ ان حضرات کی تقلید کر کے فلاح دارین حاصل کریں۔

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیر وفضل شاہ

مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کا مسلک

اپنے والد گرامی فخر اہل سنت ابوالفضل حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک میں نے ''آفتاب ہدایت'' طبع سوم کے مقدمہ میں لکھ دیا تھا کہ آخری عمر میں آپ کو اکابر دیوبند سے عقیدت پیدا ہوگئی تھی اور آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں بیعت کی درخواست بھی پیش کی تھی لیکن اس کے باوجود مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے اپنے پمفلٹ بعنوان: قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) کے اعتراضات کا جواب شافی کے آخری صفحہ ۲۰ پر بعنوان: ''فتویٰ بھیں ضلع جہلم'' والد صاحب مرحوم کا وہ فتویٰ نقل کردیا جس میں آپ نے دیوبندی اکابر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ محدث کا نام لے کر تکفیر کی تھی۔ (بحوالہ ''الصوارم الہندیہ مؤلفہ مولوی حشمت علی خان صاحب ص ۱۱۰/ ۱۱۱ شائع کردہ مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال۔ مطبوعہ اردو ڈائجسٹ پرنٹر ۲۴ سرکلر روڈ لاہور)

بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں مولانا سندیلوی کے جواب میں حضرت والد مرحوم کے مسلک کے بارے میں پھر وضاحت کردی تا کہ جو لوگ حقیقت حال سے واقف نہیں ہیں ان کی غلط فہمی دُور ہو جائے۔ لیکن مولف ''اصل حقیقت'' نے پھر اس سلسلے میں خامہ فرسائی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

چکوالی صاحب کے منتقمانہ مزاج اور کینہ پروری کا ایک اور ہدف شیخ العصر آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان مرحوم ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۳۵۶ھ میں آج سے تقریباً پچاس سال قبل اہل حق (دیوبندی اوزاہل ہوا (بریلوی) کا ایک مناظرہ ہوا جس میں اہل حق کے مناظر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور سرپرست شیخ العصر حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ تھے اہل ہوا کی طرف سے صدر جناب کرم الدین صاحب (قاضی مظہر کے والد) اور

مناظر جناب حشمت علی صاحب تھے۔ جو اہل ہوا کے ہاں مظہر اعلیٰ حضرت کہلاتے تھے۔ اللہ کے فضل وکرم سے اس مناظرے میں اہل حق کو زبردست فتح اور اہل ہوا کو شکست فاش ہوئی۔ قاضی مظہر حسین چکوالی اپنے والد کی یہ رسوا کن شکست آج تک نہیں بھلا سکے۔ بلکہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے خلاف ان کا بغض حضرت مولانا کے شاگردوں (شیخ القرآن ورفقاء) تک کے متعلق سرایت کر گیا ہے اور قاضی جی آج تک کسی نہ کسی بہانے سے ان حضرات کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں۔ مثلاً چکوالی صاحب اپنے مدرسہ کی سالانہ روداد (۱۹۸۰ء۱۹۸۱) کے ص ۱۹ پر حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے شاگرد خصوصی حضرت مولانا غلام اللہ خان اور ان کے رفقاء کے خلاف لکھتے ہوئے یہ اپیل کرتے ہیں کہ: صحیح العقیدہ علمائے دیوبند ان علماء سے انقطاع کر لیں۔ ''اب پھر یہی بات ''شہادت حسین رضی اللہ عنہ'' نامی پمفلٹ کے دیباچہ میں دوہرائی ہے''

(اصل حقیقت ص ۱۸/۱۹)

جھوٹ کا مربہ جھوٹ نمبر۲

مؤلف ''اصل حقیقت'' نے اس عبارت میں جو جھوٹ بولے ہیں، حسب ذیل ہیں: جھوٹ نمبر۱ ''قاضی مظہر حسین چکوالی اپنے والد کی یہ رسوا کن شکست آج تک نہیں بھلا سکے۔'' حالانکہ میں نے آفتاب ہدایت طبع سوم کے مقدمہ میں خود مناظرہ سلانوالی کے متعلق یہ لکھ دیا ہے کہ: غالباً ۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے کہ سلانوالی ضلع سرگودھا میں علمائے دیوبند وعلمائے بریلی کے مابین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کلی ما کان وما یکون کے موضوع پر ایک معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا۔ جس میں مولانا مرحوم علماء بریلی کی طرف سے صدر مقرر ہوئے۔ اس مناظرہ سے واپس آ کر آپ نے دیوبندی مناظر مولانا منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان کی تہذیب ومتانت کی بہت تعریف فرمائی۔ اس کے علاوہ خدا جانے آپ نے اس مناظرہ سے کیا کیا اثرات لیے۔ اگلے سال رمضان ۱۳۵۶ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے

بخوشی اجازت دے دی اور خود اعلیٰ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دیو بند مدظلہ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ میں اپنے فرزند کو دارالعلوم میں حضرت کے زیر سایہ تعلیم دلانا چاہتا ہوں۔'' حضرت والا مدظلہ نے سلہٹ (آسام) سے جواب تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ: آپ اپنے لڑکے کو ابتدائے شوال میں دیو بند بھیج دیں۔ میں نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کو اس کے متعلق لکھ دیا ہے۔ وہ مہربانی فرمائیں گے۔''

حضرت کے گرامی نامہ کو مولانا مرحوم نے اپنے لیے باعث افتخار جانا اور فرمایا کہ ''آج ہندوستان کی ایک بڑی شخصیت کا خط آیا ہے۔ یہ الفاظ آپ نے بڑی عقیدت سے کہے تھے۔''

ناظرین اندازہ فرمائیں۔ حضرت والد مرحوم اس مناظرہ سے واپسی پر دیو بندی مناظر کی تعریف کرتے ہیں۔ (اور بریلوی مناظر مولوی حشمت علی خان صاحب کے متعلق والد صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ ان کے الفاظ غیر مہذبانہ ہوتے تھے۔ اور بار بار کہتے تھے ''میں ناظر تو منظور'' (جس کا ذکر کرنا میں نے آفتابِ ہدایت میں مناسب نہیں سمجھا تھا) پھر بندہ کو دارالعلوم میں داخل کرایا۔ تو کیا یہ طرزِ عمل مناظرہ سلانوالی کی شکست کا انتقام لینے کی دلیل ہے یا اکابر دیو بند کی عقیدت وعظمت کی؟

(ب) میں نے آفتاب ہدایت کے مقدمہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ شعبان ۱۳۵۸ھ میں جب میں وہاں سے فارغ ہو کر گھر آیا تو جناب والد مرحوم سے اکابر دیو بند کے حالات بیان کئے۔ حضرت مدنی مدظلہ کے بعض ارشادات سنائے جو میں نے قلمبند کر لیے تھے تو آپ نے حضرت کے متعلق فرمایا کہ آپ ولی اللہ ہیں۔'' قطب العارفین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور امام العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند کے حالات سُن کر فرطِ عقیدت سے والد صاحب کی آنکھیں بعض وقت آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں الخ..... فرمایئے! یہ اکابر دیو بند سے فرطِ عقیدت وعظمت کا اظہار ہے یا مناظرہ سلانوالی کی شکست کے انتقام کا؟ اس کے بعد میں نے لکھا ہے

کہ: غرضیکہ اکابر دیوبند کے متعلق جو پہلے شبہات تھے وہ زائل ہو گئے اور یہ حضرات اکابر کی کرامت ہے۔'' پھر میں نے اسی مقدمہ آفتاب ہدایت میں بعنوان ''حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ سے بیعت'' کے تحت لکھا ہے کہ: اب زندگی کی آخری منزل میں جب مصائب کا ہجوم ہوا اور منزل آخرت قریب نظر آئی تو کسی مرشد کامل سے استفاضہ ضروری سمجھا۔ اکابر دیوبند سے عقیدت تو پیدا ہو چکی تھی۔ اس غرض کے لیے جامع علوم ومعارف قدوۃ الواصلین شیخ العصر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی خدمت اقدس میں بیعت کے لیے درخواست بھیجی۔ حضرت مدظلہ نے اپنے کرامت نامہ میں ارشاد فرمایا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے سابق شیخ کے تلقین کردہ وظیفہ پر عمل کریں۔ میں آپ کے لیے اور آپ کے عزیز کے لیے حسن خاتمہ کے لیے دعاء کرتا ہوں۔'' اس کے بعد جناب والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جب سے بیعت کا تعلق اختیار کیا ہے حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ سے غائبانہ مجھ کو فیض حاصل ہوتا ہے۔'' اس کے بعد ہی مولانا انتقال فرما گئے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ سے میرے والد مرحوم کا بیعت ہونا اور مناظرہ سلانوالی کا تذکرہ میں نے آفتاب ہدایت کے حوالہ سے ''خارجہ فتنہ حصہ اول'' از صفحہ ۴۸ تا ۵۰ میں بھی لکھ دیا ہے اور میری اسارت کے دوران حضرت والد صاحب کی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو خط وکتابت رہی اس کا بھی ص ۵۱ پر حال لکھا ہے اور حضرت شیخ الادب کے بعض خطوط بنام مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ بھی درج کر دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں سلانوالی مناظرہ میں دیوبندی مناظر حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زید فیضہم کا مکتوب گرامی بھی نقل کر دیا ہے جو حضرت والد مرحوم کے حالات پہنچنے پر انہوں نے مجھے لکھا تھا۔ اس میں مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ: جناب کی تفصیلی سرگزشت معلوم کر کے دل میں محبت وعظمت پیدا ہوئی اور حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے تذکرہ میں جو تحریر فرمایا ہے اس سے ان کی شخصیت کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ (۲۸ اپریل ۱۹۸۱ء)

قارئین حضرات اندازہ فرمائیں حضرت والد صاحب نے مناظرہ سلانوالی میں دیوبندی مناظر کی تعریف کی پھر مجھے دارالعلوم دیوبند بھیجا۔ بندہ کے حالات بتانے پر حضرت مدنی رحمہ اللہ کے متعلق فرمایا کہ آپ ولی اللہ ہیں اور میری اسارت کے دوران حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست بھیجی۔ حضرت نے دعائیں دیں۔ میری قید کے دوران حضرت شیخ الادب کی خدمت میں دعاء کی درخواست کرتے رہے دارالعلوم میں بندہ کے لیے بخاری شریف کا ختم ہوتا رہا۔ جیل کے دوران شیخ العرب والعجم حضرت مدنی قدس سرہ اپنے کرامت ناموں سے بندہ کو مشرف فرماتے رہے جو مکتوبات شیخ الاسلام میں شائع ہو چکے ہیں حضرت شیخ الادب کے شفقت نامے بھی بندہ کو مطمئن کرتے رہے لیکن ان تمام حالات کے باوجود مؤلف ''اصل حقیقت'' لکھتے ہیں کہ چکوال میں بریلویت کے جراثیم ہیں۔ اور مناظرہ سلانوالی کی شکست کی وجہ سے اس کو حضرت مولانا حسین علی صاحب اور ان کے تلامذہ سے بُغض ہے تو اسے سوائے خارجیت کے ہتھکنڈوں کے اور کیا نام دے سکتے ہیں؟

آفتاب ہدایت امیر شریعت کی نظر میں

آفتاب ہدایت طبع سوم جب بندہ کے تحریر کردہ مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئی تو امیر شریعت مجاہدِ ملت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اس کے دو نسخے منگوائے تھے۔ ایک نسخہ انہوں نے جماعتی لائبریری میں رکھا اور ایک اپنی صاحبزادی کو جہیز میں دیا۔ مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب بخاری ابن امیر شریعت رحمہ اللہ نے بندہ کے نام اپنے خط میں اس مقدمہ کی بڑی تحسین کی تھی۔

(۲) امیر شریعت رحمہ اللہ نے اپنے ایک مقدمہ میں حضرت والد صاحب مرحوم کو بطور گواہ صفائی طلب کیا تھا جس میں مرزائیوں کی جرح کے جواب میں مولانا مرحوم نے مسکت جواب دیئے تھے۔ مشہور مبلغ اہل سنت مولانا حافظ اللہ داد صاحب گجراتی مرحوم بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے خود بتایا تھا کہ جب

مرزائی وکیل سوال کرتا تھا تو میں سوچتا تھا کہ مولوی کرم الدین صاحب کیا جواب دیں گے لیکن جب آپ جواب دیتے تھے تو ہم ان کی ذہانت اور حاضر جوابی سے حیران ہو جاتے تھے۔ حافظ اللہ داد صاحب مرحوم نے ہمیں کئی بار حضرت بخاری صاحب کی یہ بات سنائی تھی۔

③ جناب والد رحمہ اللہ صاحب نے ایک دفعہ خود بیان کیا تھا کہ بٹالہ ضلع گورداسپور میں انجمن شباب المسلمین کا جلسہ تھا جس میں میری تقریر بھی تھی اور مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کی بھی۔ منتظمین جلسہ نے میری تقریر کا اعلان کیا تو میں نے کہا کہ میری تقریر کے بعد متصل مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی تقریر نہ رکھیں ممکن ہے کہ وہ میری تقریر سے اختلاف کریں۔ لیکن منتظمین نے میری تقریر کے بعد ہی بخاری صاحب کی تقریر رکھ دی۔ میں نے تقریر شروع کی تو بخاری صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ دونوں میری تقریر میں آ کر بیٹھ گئے۔ میں نے شیعیت کی تردید کی اور ان کی کتابوں سے ان کے عقائد باطلہ بیان کیے۔ میری تقریر کے بعد بخاری صاحب اسٹیج پر آئے تو یہ کہا کہ میں نے مولوی کرم الدین صاحب کی تقریر سُنی ہے جب وہ شیعوں کے عقائد بیان کرتے تھے تو میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے سینہ پر کوئی ہتھوڑے مار رہا ہے کہ تو ان شیعوں کو ساتھ ملاتا ہے۔ جن کے ایسے ایسے عقائد ہیں۔ یہ تھی امیر شریعت رحمہ اللہ کی حق گوئی اور حق پسندی۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مؤلف رُحم الدیان کی معذرت

میں نے آفتاب ہدایت کے مقدمہ میں جب یہ لکھا کہ والد صاحب مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ متوفی جولائی ۱۹۴۶ء حضرات اکابر دیوبند کے عقیدت مند ہو گئے تھے اور میری اسارت کے زمانہ میں حضرت الشیخ المدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں بیعت کی درخواست بھیجی تھی وغیرہ تو مولانا محمد عبدالعزیز صاحب نقشبندی مرتضائی خطیب جامع

مسجد کوٹ غلام محمد خاں قصور ضلع لاہور نے اپنے رسالہ ''رُمح الدیان لرجم العدوان'' مطبوعہ ۱۳۷۵ھ میں میرے اس بیان کو جھوٹ پر مبنی قرار دیا تھا۔ جس پر میں نے ان کو نوٹس دیا تھا کہ میں نے آفتاب ہدایت کے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ جناب والد صاحب مرحوم نے دارالعلوم دیو بند کے لیے جو رقم مولانا راشد حسن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ بھیجی تھی ان کی رسید جو دارالعلوم دیو بند سے آئی تھی وہ بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ آپ اتنے دنوں تک مجھ سے تحریری معذرت کریں ورنہ میں عدالت میں آپ کے خلاف دعویٰ دائر کروں گا۔ تو مولانا غلام محمد خان صاحب نے مجھے اپنا تحریری معذرت نامہ بھیج دیا تھا۔ وہ تو مان گئے (جنہوں نے مذکورہ رسالہ دراصل ایک اور دیو بندی عالم کے ایک رسالہ کے جواب میں لکھا تھا) لیکن خارجیت کی ادائیں نرالی ہیں۔ مؤلف ''اصل حقیقت'' کسی طرح ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ خواہ کتنا ہی رسوا ہونا پڑے اور خارجی سبائیت کی یہی علامت ہے۔

میری قید کی نوعیت

مؤلف صاحب یہ بھی طعنہ دے رہے ہیں کہ ''قتل کے کیس میں آٹھ سال قید کاٹ کر بھی اگر وہ یہ حرکتیں نہ سیکھتے تو تعجب ہوتا۔'' (ص ۲۷)

یہ قتل اپنے گاؤں کی ایک لڑائی میں ہوا تھا۔ فریق مخالف کے ایک جوان نے (جو دوسرے گاؤں سے آیا تھا) پہلے مجھ پر وار کیا تھا۔ میں نے اس کا دفاع کیا جس میں اسے کاری ضرب لگی۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آخر وہ ہسپتال میں وفات پا گیا۔ میں نے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جیل سے یہ سارا واقعہ لکھ دیا تھا۔ اور یہ بھی رہائی کے بعد عرض کیا تھا۔ کہ کیا میں مرحوم کے ورثہ سے معافی مانگوں؟ تو شیخ الادب نے فرمایا تھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے قارئین اس قتل کی نوعیت معلوم کر سکتے ہیں۔ مؤلف مذکور کا مشن ہی حقائق کا انکار کرنا ہے۔ اتنا بھی

ناواقف حضرات کی تسلی کے لیے لکھ دیا ہے۔ واللہ غفور رحیم۔

(ب) جیل سے بندہ ۱۹۴۹ء میں رہا ہوا۔ پھر ۱۹۵۳ء میں امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ کی عملی قیادت میں جو ایک تاریخی تحریک چلی تھی اس میں قریباً ۹ ماہ جیل میں نظر بند رہا۔ جس پر حضرت الشیخ المدنی رحمۃ اللہ نے بندہ کو اپنے کرامت نامہ میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ:

''نظر بندی کا علم فقط اس خط سے ہوا۔ اگر چہ عرصہ دراز سے کوئی والا نامہ نہ آیا تھا۔ مگر یہ خیال نہ تھا۔ حق تعالیٰ آپ حضرات کے اس دینی جہاد کو قبول فرمائے اور باعث کفارۂ سیئات اور ترقی درجات کرے۔ آمین (مکتوبات شیخ الاسلام جلد چہارم مکتوب ۳۵)

فسادی ملا مظہر حسین (شیعہ واویلا)

ہفت روزہ رضا کار لاہور یکم فروری ۱۹۷۹ء میں بعنوان ''حکومت کی توجہ کے لیے'' یہ لکھا گیا کہ:

''مشہور فسادی ملاں مظہر حسین آف چکوال ضلع جہلم ہمہ وقت شیعوں کے خلاف نفرت پھیلانے میں مصروف رہتا ہے لیکن اس فسادی ملاں کی مزبوحی حرکات کے خلاف حکومت کوئی نوٹس نہیں لیتی۔ ابھی حال ہی میں اس فسادی ملاں نے ''سنی قرار دادیں'' کے عنوان سے اشتہار شائع کیا ہے اور ساتھ ہی قرار دادیں ارسال کرنے کے لیے مطبوعہ فارم تقسیم کیے ہیں۔ جن میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جلوسہائے عزا بند کیے جائیں کیونکہ ان جلوسوں سے سنیوں کی دلآزاری ہوتی ہے۔'' (نامہ نگار چکوال)......

محرم اور چہلم کے جلوسوں میں بندہ کئی بار ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں نظر بند رہ چکا ہے۔ کئی کیس چلائے گئے ہیں بہر حال شیعہ کیا کہتے ہیں اور مؤلف اصل حقیقت کیا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ چکوالی گلابی شیعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائیں۔ آمین۔

مجھ پر جھوٹ نمبر ۱، ۲ کا الزام اور اس کا جواب

مؤلف اصل حقیقت بعنوان ''چکوالی صاحب کا جھوٹ نمبر ۱'' لکھتے ہیں: خارجی

فتنہ کے ص ۴۷/ ۴۸ پر چکوالی صاحب اپنے والد کی وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
علمائے دنیا نے ان بزرگوں (علمائے دیوبند) پر کفر والحاد کے فتویٰ لگائے اور اتنا مکروہ پروپیگنڈہ کیا کہ بہت سے نیک لوگوں میں بھی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ علمائے دیوبند کی عبارتوں میں کتر بیونت کرکے قوم کے سامنے پیش کیا گیا۔ مصنفین کی مراد سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی۔ مولانا کرم الدین صاحب مرحوم بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے اور آپ کو اگرچہ حضرات علمائے دیوبند کے خلاف غلو نہ تھا...... (اور) اکابر دیوبند کی تصانیف مبارکہ کو براہ راست مطالعہ کرنے اور ان کے پیش کردہ حقائق کو سمجھنے کا بہت کم موقعہ مل سکا۔ الخ

اس میں چکوالی صاحب نے یہ صریح جھوٹ بولا ہے کہ میرے والد صاحب کو حضرات دیوبند کے خلاف غلو نہ تھا۔ ''کوئی ان سے پوچھے کہ کفر کا فتویٰ دینا اور اتنی تلخ زبان استعمال کرنا کیا غلو نہ ہونے کی نشانی ہے؟'' (اصل حقیقت ص ۳۸)

الجواب (۱) کتاب حسام الحرمین مترجم مؤلفہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی ۱۳۲۴ھ میں شائع ہوئی ہے۔ اور فتویٰ بھیں ''الصوارم الہندیہ'' مرتبہ مولوی حشمت علی خان صاحب بریلوی میں شائع ہوا ہے۔ اس فتویٰ بھیں میں تاریخ درج نہیں۔ میں نے بھی ''الصوارم الہندیہ'' مولانا سندیلوی کے پمفلٹ ''جواب شافی'' کے جواب کے بعد دیکھی ہے دارالعلوم دیوبند جانے سے سالہا سال پہلے کا یہ فتویٰ ہے جس کا مجھے قبل ازیں علم ہی نہ تھا۔ تو میری اس بات کو کون اہل عقل و دیانت جھوٹ قرار دے سکتا ہے۔ مؤلف صاحب مولانا سندیلوی سے ہی جھوٹ کی تعریف سمجھ لیں۔

② میں نے کبھی حضرت والد صاحب مرحوم سے اکابر دیوبند کے خلاف کوئی بات نہیں سنی۔ مؤلف صاحب نے خارجی فتنہ حصہ اوّل سے مذکورہ جو عبارت نقل کی ہے یہ میرے مقدمہ آفتاب ہدایت کی عبارت ہے جو میں نے آفتابِ ہدایت کے حوالہ سے خارجی فتنہ میں درج کی ہے۔ مؤلف پر لازم تھا کہ وہ اس میں آفتاب ہدایت کا بھی حوالہ دیتے تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جاتا کہ میں نے یہ عبارت حضرت والد

صاحب رحمۃ اللہ کے حالات میں قریباً ۳۳ سال پہلے (۱۹۵۰ء میں) لکھی ہے۔ علاوہ ازیں آفتاب ہدایت کے مقدمہ میں بندہ نے والد صاحب مرحوم کے متعلق یہ بھی لکھا تھا کہ: امرتسر اور لاہور کے مختلف مدارس میں علوم وفنون کی تکمیل کی۔ عربی ادب کی بعض کتابیں آپ نے حضرت مولانا فخرالحسن ❶ صاحب رحمۃ اللہ تلمیذ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس سرہ سے لاہور میں پڑھی ہیں۔ اس کے بعد فن حدیث کی تکمیل کے لیے حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث رحمۃ اللہ کی خدمت میں سہارنپور چلے گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے عمزاد بھائی حضرت مولانا محمد حسن صاحب فیضی مرحوم بھی تحصیل علم کے لیے گئے تھے لیکن دونوں بھائی بوجہ آب وہوا کی ناموافقت کے وہاں بیمار ہو گئے اور بہت قلیل مدت رہ کر دونوں واپس چلے آئے۔ اور امرتسر میں بقیہ کتب ختم کیں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی دونوں کے استاذ حدیث ہیں اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے بھی ان سے پڑھا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ کے نزدیک محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ صحیح العقیدہ تھے۔

مولانا دبیر رحمۃ اللہ علمائے مظاہر علوم سہارنپور کی فہرست میں

جناب مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری نے اپنی کتاب ''علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات'' جلد دوم میں والد ماجد حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمۃ اللہ صاحب دبیر کا بھی حرف ک کے ضمن میں بعنوان: مولانا محمد کرم الدین دبیر پنجابی'' تذکرہ لکھا ہے اور آپ کی تالیفات وتصنیفات میں سے حسب ذیل کے نام لکھے

---

❶ آفتاب ہدایت میں غلطی سے حضرت مولانا فخرالحسن صاحب کا نام لکھا گیا ہے حالانکہ اورنٹیل کالج لاہور میں جو پڑھاتے رہے ہیں وہ حضرت علامہ مولانا فیض الحسن رحمۃ اللہ صاحب تھے جو حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ کے معاصر اور بے تکلف دوست ہیں۔ ۱۲

ہیں: آفتاب ہدایت ردرفض وبدعت۔ تازیانہ عبرت۔ سیف مسلول۔ تازیانہ سنت۔ تاج المتقین (عربی)۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور از ص ۳۰۴ تا ص ۳۰۶۔ علاوہ ازیں بحیثیت ایڈیٹر سراج الاخبار جہلم مولانا دبیر کا تذکرہ از ص ۴۲۶ تا ص ۴۲۹ میں موجود ہے۔ جس میں مرزا قادیانی کے ساتھ مقدمات کا ذکر ہے۔ خدا جانے فضلائے مظاہر علوم سہارنپور میں مولانا دبیر کا تذکرہ معلوم ہونے کے بعد مؤلف مذکور کا کیا حال ہوگا؟

④ میرے والد مرحوم حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے عقیدت مند تھے اور حضرت پیر صاحب نے مسئلہ طاعون کی بحث میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کو مقتدائے زمان لکھا ہے جس کا حوالہ قادیانی مقدمہ کی بحث میں آرہا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ والد صاحب کو اگر پہلے حضرت گنگوہی کے متعلق حسام الحرمین کے فتویٰ کی بناء پر کوئی غلط فہمی تھی تو بعد میں اس کا ازالہ ہوگیا ہوگا۔ ورنہ حضرت پیر صاحب گولڑوی کی طرف سے حضرت گنگوہی کو مقتدائے زماں تسلیم کرنے کے بعد آپ حضرت پیر صاحب کے عقیدت مند نہیں رہ سکتے تھے۔

⑤ حضرت والد رحمہ اللہ نے مجھ کو انجمن حمایت اسلام لاہور کے شعبہ اشاعت اسلام کالج لاہور میں داخل کرایا۔ جہاں میٹرک پاس طلبہ کو دو سالہ کورس کی تکمیل کے بعد ماہر تبلیغ کی سند دی جاتی تھی۔ اس کالج میں انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی اور عربی کتابیں بھی۔ کالج کے پرنسپل پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی تھے۔ جو کلام اقبال کے مشہور شارح ہیں اور تفسیر وترجمہ قرآن وغیرہ کے معلم جناب مولانا غلام مرشد صاحب رحمہ اللہ فاضل دیوبند اور جناب مولانا قاضی سراج احمد صاحب مرحوم (فاضلِ دیوبند) تھے۔ والد صاحب ان علماء سے ملاقات کرتے رہتے تھے علاوہ ازیں اس اشاعتِ اسلام کالج کے نگران شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ تھے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ والدی المکرم مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم کو اُس وقت علمائے دیوبند کے خلاف غلو نہ تھا۔

⑥ آفتاب ہدایت میں مولانا مرحوم نے شیعہ عقیدۂ امامت کے سلسلہ میں لکھا

ہے: (نواں مسئلہ) یہ مسئلہ بھی مسلّم ہے کہ علم ما کان و ما یکون خاصہ باری تعالیٰ ہے مگر شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کو یہ سب معلومات حاصل ہیں۔ اصول کافی ص ۱۵۹ میں باب ہی یوں باندھا ہے۔ باب ان الائمة علیهم السلام یعلمون علم ما کان و ما یکون وانه لا یخفیٰ علیهم شئی۔ (باب اس کا کہ ائمہ کو علم ما کان و ما یکون حاصل ہوتا ہے اور ان پر کوئی امر کائنات سے مخفی نہیں ہے)۔ یہاں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے اپنے عقیدہ کی وضاحت کردی کہ: یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ علم ما کان و ما یکون خاصہ باری تعالیٰ ہے۔''

حالانکہ عموماً بریلوی علماء حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ ما کان و ما یکون قرار دیتے ہیں اور پھر سلانوالی کے مناظرہ کے بعد جو حضرت والد صاحب نے اکابر دیوبند کی طرف رجوع کیا ہے تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مناظرہ میں آپ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دیوبندی مناظر کے دلائل سے کافی مطمئن ہوگئے ہوں گے۔ بہرحال مذکورہ بالا حالات وقرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ کے متعلق بندہ نے لکھا ہے، اس میں آپ کو علمائے دیوبند کے خلاف غلو نہیں رہا تھا۔ اور مؤلف ''اصل حقیقت'' کا اس بارے میں مجھ پر جھوٹ کا الزام لگانا خود ان کی خارجیانہ بہتان تراشی کی دلیل ہے۔

الزام جھوٹ نمبر۲

اس عنوان کے تحت مؤلف مذکور لکھتے ہیں اگر چکوالی صاحب کے بقول وہ کفر کے اس تحریری فتویٰ سے رجوع کر چکے تھے تو چکوالی صاحب ان کا یہ رجوع ان کی کسی تحریر یا پبلک بیان میں دکھائیں کیونکہ علی الاعلان گالی اور تہمت سے رجوع وہی کہلائے گا جو علی الاعلان ہو۔ ورنہ منبر پر کسی کو گالیاں دی جائیں اور اندرون خانہ ان سے دوستی کا اظہار کیا جائے یہ حرکت کوئی تقیہ بازی ہی کرسکتا ہے اور تقیہ کی یہ گمراہی بریلویانہ گمراہی سے زیادہ بدتر ہے۔ کاش چکوالی صاحب ان کے رجوع کی تائید میں کوئی ثبوت پیش کرسکتے۔ (اصل حقیقت ص ۴۰)

الجواب (۱)

اس تبرائی ذہنیت کا مظاہرہ تو آپ نے بہر حال کرنا ہی ہے۔ جو حالات میں نے آفتاب ہدایت میں لکھے ہیں کہ حضرت والد رحمہ اللہ صاحب نے مجھے دارالعلوم دیو بند میں داخل کرنے کے لیے براہ راست شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کو عریضہ لکھا تھا اور حضرت کے جواب آنے پر بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پھر حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ کی خدمت میں مجھے دستی عریضۃ دیا۔ شیخ الادب رحمہ اللہ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ارشادنامہ کی بنا پر بندہ پر شفقت فرمائی۔

② حضرت والد رحمہ اللہ صاحب نے جیل میں مجھ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن کی خصوصیات بیان کیں۔

③ والد صاحب نے دارالعلوم دیو بند میں چندہ بھیجا جس کی رسید موجود ہے۔

④ قید کے بعد میرے لیے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ صاحب سے دعائیں کرائیں اور آپ سے خط وکتابت رہی۔ اس دوران کسی بریلوی مرکز سے دعاء نہیں کرائی۔ نہ ہی اس عرصہ میں بریلوی علماء سے آپ نے کوئی خط وکتابت کی۔

⑤ شیخ المشائخ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں بیعت کے لیے عریضہ لکھا۔ اور بعد ازاں فرمایا کہ مجھے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے غائبانہ فیض حاصل ہوتا ہے۔ اگر آپ ان باتوں میں مجھ پر اعتماد نہ کریں تو حضرت شیخ الادب سے جو خط وکتابت کی ہے کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ آپ اکابر دیو بند کے عقیدت مند ہو چکے تھے؟ ورنہ دعاء کے لیے ان بزرگوں کے پاس کیوں خط بھیجتے؟ کیا اپنے مسلک کے دشمنوں سے کوئی عالم دعاء کراتا ہے؟

شیخ الادب کے بعض خطوط

① حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ بندہ کو سنٹرل جیل لاہور کے پتہ پر اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

عزیز مکرم زیدت معالیکم ۔ السلام علیکم ۔ آپ کے والد سے عدالت کے فیصلہ کا حال معلوم ہوکر طبیعت پر اور صدمہ ہوا۔ ممدوح ہی کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر دیا گیا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم آنعزیز کو اس مصیبت عظیمہ سے نجات عطا فرمائے ۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ اس سخت مصیبت میں مسبب الاسباب پر اپنے علم سے کام لے کر پورا توکل کریں گے ۔اور ہر چہ از دوست می رسد از دوست ۔ اس کو خدا کی جانب سے ابتلا اور آزمائش قرار دیں گے ۔ والسلام (۸ر ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ)۔

② حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ کی وفات کی اطلاع پر حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ نے سنٹرل جیل لاہور کے پتہ پر ہی یہ گرامی نامہ ارسال فرمایا۔

''آپ کے والد کے انتقال کا سانحہ شدید سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے آمین ۔ آپ نے علم وعقل کی روشنی میں جس طرح صبر کیا ہے وہ نہ صرف قابل تحسین ہے بلکہ لائق تقلید بھی ہے الخ (۴ر رمضان ۱۳۶۵ھ دوشنبہ)...... بہر حال شیخ الادب رحمۃ اللہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ سے بذریعہ خطوط جناب والد صاحب مرحوم کا دعا کرانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ان حضرات کو اہل اللہ میں سے سمجھتے تھے ۔ اس سے بڑھ کر تحریری ثبوت پہلے فتویٰ سے رجوع کا اور کیا ہوسکتا ہے سابقہ فتویٰ تو ایک کتاب میں شائع ہوگیا جس کو عوام تو جانتے ہی نہیں اور علماء میں سے بھی بہت کم اس کو جانتے ہیں ۔ یہ کوئی منبر پر فتویٰ نہیں دیا گیا ۔ والد صاحب کا مجھے دارالعلوم میں بھیجنا اور اسکے بعد مسلسل اکابر دیوبند سے ہی آپ کا تعلق رہنا ۔ اور چندہ بھیجنا اور ان حضرات سے دعائیں کرانا ۔ یہ رجوع کے ناقابل انکار عملی ثبوت ہیں اور مولانا عبدالعزیز صاحب نقشبندی خطیب قصور نے بھی آخر میں میرے بیان کو تسلیم کرلیا تھا ۔حتی کہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی ۔ مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم ۔ مولانا قاضی نور محمد صاحب خطیب قلعہ دیدار سنگھ مرحوم اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب شیخ الحدیث گوجرانوالہ ، یہ سب علماء آفتاب ہدایت میں میرے والد صاحب مرحوم کے ان حالات کو پڑھ کر بہت خوش

ہوئے تھے۔ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دیوبندی مناظر بھی ان حالات کی واقفیت کے بعد بہت خوش ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کا گرامی نامہ بندہ نے ''خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۴ پر درج کر دیا ہے۔ لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' کسی طرح ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اور اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ والدی المکرّم مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ شیعیت کی طرح خارجیت اور ناصبیت کے بھی خلاف تھے۔ اس لیے مؤلف کا مختلف خارجیانہ حربوں سے مولانا مرحوم کی شخصیت کو بھی مجروح کرنا اپنے مشن کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

مولانا دبیر رحمہ اللہ کی نظم

آفتاب ہدایت کے ٹائیٹل کے دوسرے صفحہ پر والد صاحب ابو الفضل حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کی حسب ذیل ''مناجاتِ فارسی'' لکھی ہے جو میرے برادر بزرگ مجاہد اسلام مولوی منظور حسین صاحب شہید (سال وفات ۱۹۴۲ء) کی جدائی پر لکھی تھی۔ ان دنوں بندہ قید و بند کی زندگی گزار رہا تھا۔

دراں روزے کہ از اَہوال دوزخ پُر خطر باشد
شفیع من رسول پاکؐ وصدیقؓ وعمرؓ باشد
بزیرِ ظلّ عثمان وعلی المرتضیٰ باشم
چرا از فتنۂ محشر مرا باک وحذر باشد
دو دست من بد امانِ بتولؓ وجملہ اولادش
شفیق حال زارم سرورِ جنّ وبشر باشد
چوں عمر خویش کردم وقف بہر خدمت اسلام
چرا از شرِ شیطاں بس مرا رنج وضرر باشد
سر خود فی سبیل اللہ پورِ من فدا کردہ
اگر منظور حق شد یا ورم لختِ جگر باشد

الٰہی رحم فرما برد بیر خستہ حال خود
بفردوس برینش یوم محشر مستقر باشد

یہ مناجات فارسی، والد صاحب مرحوم نے آفتاب ہدایت کے ایڈیشن دوم میں شائع کی تھی۔اس کے بعد تیسرا ایڈیشن مولانا مرحوم کی وفات اور اپنی رہائی کے بعد بندہ نے شائع کیا تھا۔مندرجہ مناجات فارسی کو پڑھ کر کوئی خارجی اور ناصبی مولانا مرحوم سے خوش نہیں ہوسکتا کیونکہ اسکے تیسرے شعر کا پہلا مصرعہ ان کے مسلک کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اور روافض تو کبھی بھی آفتابِ ہدایت کے مصنف مرحوم سے خوش نہیں ہو سکتے۔

تقریظ شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب

شیخ طریقت حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید فاضل محقق حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث (مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) زید فضلہم نے آفتاب ہدایت اور اس کے مقدمہ کے لیے جو تقریظ لکھی ہے حسب ذیل ہے......

الحمد للہ کہ اہل السنت والجماعت قرآن وحدیث اور ان اولین محافظین کو ان کے اپنے مقام پر رکھتے اور سمجھتے ہیں جن میں ازواجِ مطہرات اور اہل بیت سبھی حضرات شامل ہیں فرضی اللہ تعالیٰ عنہم کلھم مگر شیعہ اور اہل رفض اس کے خلاف کچھ کہتے ہیں کتاب پیش نظر ''آفتاب ہدایت'' جو مناظر اسلام حضرت مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین صاحب دبیر مرحوم کی تصنیف ہے اپنے انوکھے طرز بیان۔ٹھوس استدلال۔ مسکت اور منصفانہ جوابات اور عمدہ تشریح کی وجہ سے اپنے باب میں اردو زبان کے اندر لاجواب کتاب ہے۔تمام اہل سنت حضرات کے لیے بالعموم اور علمائے کرام اور طلباء عظام کے لیے بالخصوص یہ بہت ہی مفید اور کارآمد ہے اور اس کی نشر واشاعت خاص دینی خدمت ہے۔اس کا مفید اور معلومات افزا مقدمہ مؤلف مرحوم کے فرزند ارجمند ہمارے مخلص بزرگ اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کے قلم حق گو کا تحریر

کردہ ہے جس میں بہت سے مخفی گوشے اجاگر کر کے پیش کئے گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف مرحوم اور ان کے لائق فرزند اور متوسلین حضرات کے لیے زاد آخرت اور عام مسلمانوں کے لیے تازگی ایمان کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و ازواجہ اجمعین۔

(۹ رجب ۱۳۸۱ھ ۱۸ دسمبر ۱۹۶۱ء)

مؤلف صاحب میری بات اگر نہیں مانتے تو حضرت مولانا حسین علی صاحب کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الحدیث موصوف کی مندرجہ تحریر سے ہی عبرت حاصل کرلیں۔ واللہ الہادی۔

آفتاب ہدایت پر امام اہل سنت کی تقریظ

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے ''آفتاب ہدایت رد رفض وبدعت'' پر جو تقریظ لکھی تھی وہ درج ذیل ہے:

جناب مولوی کرم الدین صاحب رئیس بھیں ضلع جہلم کی تازہ تصنیف ہے۔ مفید اور جامع کتاب ہے۔ مذہب شیعہ کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے نہایت عمدہ چیز ہے۔ مولوی صاحب موصوف میرے ساتھ مباحثہ چکوال میں شریک تھے۔ کتب شیعہ پر آپ کی نظر اچھی ہے۔ اس کتاب میں خلافت کی بحث اور مطاعن صحابہ کے جوابات بھی ہیں۔ ہر بحث دلچسپ اور دلنشین ہے۔ اردو صاف وسلیس ہے اور طرز بیان مہذب ہے۔'' (ماہنامہ النجم لکھنؤ ۷۔۲۱ ذیقعدہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ ص ۴۸) امام اہل سنت سنی دیوبندی مسلک کے ترجمان تھے اور حضرت والد صاحب کا آپ کے ساتھ تعلق تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا دبیر مرحوم کو علمائے دیوبند کے بارے میں غلو نہ تھا۔

میری قید کی نوعیت اور مزید ابتلاء

مؤلف صاحب یہ بھی طعنہ دے رہے ہیں کہ ''قتل کے کیس میں آٹھ سال قید کاٹ کر بھی اگر وہ حرکتیں نہ سیکھتے تو تعجب ہوتا۔'' (اصل حقیقت ص ۲۷)

الجواب

① یہ قتل ایک دفاعی حیثیت میں ہو گیا تھا اور قتل عمد نہ تھا۔ مقتول مرحوم نے پہلے مجھ پر وار کیا جس کا میں نے دفاع کیا۔ ضرب کاری لگی وہ بھاگ نکلا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا تو اس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں نے چھوڑ دیا۔ اور وہ دوسرے دن ہسپتال میں انتقال کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں نے جیل سے بذریعہ عریضہ حضرت شیخ الادب سے یہ حالات عرض کر دیئے تھے رہائی پر میں نے اجازت مانگی تاکہ اس مقتول کے ورثہ کو راضی کروں تو شیخ الادب رحمہ اللہ نے فرمایا کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے اس قتل کی نوعیت معلوم ہو سکتی ہے۔ مقتول مرحوم سنی تھا لیکن وہ ایک رافضی کی حمایت میں آیا تھا۔

② بندہ اپنے تین رفقاء سمیت ۱۹۴۱ء میں گرفتار ہوا۔ چونکہ اسی دوران برادر بزرگ مولوی منظور حسین صاحب شہید نے چکوال کے ایک متعصب ہندو ایس ڈی او کو ڈاک بنگلہ من ریسٹ ہاؤس میں قتل کر دیا تھا اور خود مجاہد جلیل حضرت حاجی صاحب ترنگزئی کے جانشین حضرت بادشاہ گل صاحب مرحوم کے پاس چلے گئے تھے۔ پھر مشہور غازی و مجاہد حضرت فقیر ایپی رحمہ اللہ کے پاس چلے گئے اور واپسی پر ضلع بنوں کی سرحد پر مقابلہ میں پولیس کے ہاتھوں شہید ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہماری لڑائی میں بھائی صاحب مرحوم شامل نہ تھے لیکن ان کو بھی مخالف پارٹی نے اس میں شامل کر لیا تھا اور قاتل ان کو ہی قرار دیا گیا تھا اس لیے ایس ڈی او چکوال کے قتل کا ہمارے کیس پر بھی بہت زیادہ اثر پڑ گیا تھا۔ ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں مجھے کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا میں نے وہاں اذان شروع کر دی تھی۔ آخر ہم چاروں رفقاء کو اس کیس میں بیس بیس سال کی قید بامشقت کی سزا سنائی گئی تو پھر ہمیں سنٹرل جیل لاہور بھیج دیا گیا وہاں بھی میں نے اذان کا سلسلہ جاری رکھا اور میرے ذریعہ بعض قیدیوں نے بھی اذانیں شروع کر دیں تو ہم سب اذان کہنے والوں کو ڈنڈا بیڑی لگا کر نیو سنٹرل جیل ملتان منتقل کر دیا گیا۔ وہاں بھی مجھ کو کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ اور بارہ سیر گیہوں پینے کی مشقت دی گئی پھر مجھ کو وہاں سے واپس سنٹرل جیل لاہور بھیج دیا گیا۔ یہاں سپرنٹنڈنٹ جیل حبیب اللہ شاہ نامی

قادیانی تھا جو مرزا بشیر الدین آنجہانی کا رشتہ دار تھا۔ لاہور سے اس نے ملتان سنٹرل جیل بھیجا تھا۔ عام قیدیوں کے سامنے اس سے میری بحث ہوگئی تھی جس میں وہ لاجواب ہوگیا تھا۔ ادھر اذان کا قضیہ تھا۔ اور انگریزی دور استبداد میں جیل میں اذان کہنا ممنوع تھا۔ حالانکہ سکھ قیدی۔ جو بولے سونہال۔ ست سری اکال کے کھلم کھلا نعرے لگاتے تھے۔ لیکن ان کو کوئی نہیں روکتا تھا کیونکہ وہ منظم تھے اور جیل میں بھی قربانی کرتے تھے۔ ؟ اور مسلمان قیدی صرف قید گزارتے تھے۔ ان میں کوئی مذہبی احساس نہ ہوتا تھا۔ بہرحال جب میں کسی صورت میں اذان کہنے سے باز نہ آیا تو پھر مجھے سنٹرل جیل راولپنڈی بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی مجھے جاتے ہی کوٹھڑی میں بند کردیا گیا۔ ڈنڈا بیڑی تو گویا زیور بن چکا تھا۔ دو ہفتہ مجھ کو ۱۲ سیر گیہوں پیسنے کی مشقت دے گئی پھر چرخہ کاتنے کو دیا گیا اور دوسال وہاں مجھ کو مسلسل کوٹھڑی میں بند رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد دن میں مجھے کوٹھڑی سے باہر رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ دوسال کے بعد پھر مجھے سنٹرل جیل لاہور منتقل کردیا گیا۔ اور یہاں سے ہی ۱۹۴۹ء میں اس طویل قید سے میری رہائی ہوئی۔ (1) جس کے لیے میرے محسن و مخدوم حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ صاحب بانی

---

(1) شیخ الادب کا گرامی نامہ: اذان کے سلسلہ میں جیل کے اسی ابتلا کے پیش نظر شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے گرامی نامہ میں بندہ کو لکھا تھا کہ: آپ کے خطوط سے یہ معلوم ہوکر مسرت ہوئی ہے کہ آپ نے اس تکلیف کے زمانہ میں بھی ارشادات خداوندی اور فرمان نبوی کو پس پشت نہیں ڈالا ہے۔ مومن کا فریضہ یہی ہونا چاہیے کہ وہ ہر قسم کے عُسر اور ہر قسم کے یُسر میں حقیقی مولا کی اطاعت سے باہر نہ ہو (۸ر جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ) اور رہائی کے بعد بھی حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا: کرامت نامہ صادر ہوکر موجب عزت افزائی ہوا۔ جیل میں زمانہ دراز گزار کر یہ ثابت کردیا کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقلید اس گئے گزرے زمانہ میں بھی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اس سعی فی الدفاع عن الدین کو مقبول ومشکور فرمائیں۔ آمین (۱۴ر جمادی الثانیہ ۱۳۷۳ھ ۱۹ر فروری)۔

فرمائیے۔ مؤلف اصل حقیقت میری قید پر کیا تبصرہ کررہے ہیں اور (باقی اگلے صفحہ پر)

جامعہ اشرفیہ لاہور (خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) نے کوشش فرمائی تھی۔ ایک دفعہ جیل میں بھی ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے۔ قیام پاکستان کے ہنگاموں کی وجہ سے حضرت الشیخ المدنی قدس سرہٗ سے خط و کتابت کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا تو بندہ اپنے احوال حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھتا رہتا تھا اور حضرت بڑی شفقت سے جواب سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ تقسیم ہند (قیام پاکستان) کے سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کا اختلاف تھا رہائی کے بعد اسی سلسلہ میں بندہ نے اپنے عریضہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ لکھا تو حضرت نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ:

حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ صاحب کا شفقت نامہ

عنایت نامہ دو دن میں پڑھا۔ آپ کے ارشاد سے مجھ کو نفع ہوا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب قبلہ کے متعلق جو عقیدت آپ نے لکھی وہ اس سے زیادہ کے حق دار ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی عمر میں برکت مقاصد اسلامیہ میں ترقی عطا فرمائیں مجھ کو مولانا حسین احمد صاحب قبلہ کی خدمت میں رہنے کا وقت نہیں ملا۔ اور تھانہ بھون کی حاضری کچھ کچھ نصیب ہوئی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حسین احمد صاحب کے متعلق کوئی کلمہ جس میں ان کے تقدس پر گرفت ہو نہیں فرمایا۔ میرا یہ عریضہ محررہ یکم ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ کا ہے۔ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے طریق کے مطابق اسی عریضہ کے حاشیہ پر حضرت مفتی صاحب نے جواب تحریر فرمایا ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ کیا ارشاد فرما رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل شامل حال رہا اور حضرت مدنی قدس سرہ کے توسل کی یہ برکات تھیں کہ اس طویل قید اور ابتلاء میں بندہ مطمئن رہا بے کسی قسم کی تشویش لاحق نہیں ہوئی۔ رہائی کے بعد پھر بندہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں قریباً ۹ ماہ نظر بند رہا اور پھر ماتمیوں کے محرم اور چہلم کے سلسلہ میں بھی کئی بار ڈسٹرکٹ جیل جہلم میں نظر بندی کے ایام گزارنے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اتباع حق اور استقامت عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کا اختلاف

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کا اختلاف قیام پاکستان کے بارے میں سیاسی اور اجتہادی نوعیت کا تھا نہ کہ مسلکی اور اعتقادی لیکن اس کے برعکس مؤلف صاحب مذکور اس اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

ان حضرات کے باہمی اختلاف کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنے ایک عریضہ میں اس اختلاف کو حنفی شافعی کے اجتہادی اختلاف کی طرح قرار دیا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہیں یہ اختلاف اجتہادی اختلاف نہیں بلکہ حق و باطل کا اختلاف ہے۔'' (بوادر النوادر)

ان دو فریقوں کے علاوہ اسی دور میں ایک طبقہ غیر جانبدار حضرات کا بھی تھا۔ جو ان بزرگوں کے اختلاف میں کسی ایک کی تائید کرنے اور دوسرے کی تغلیط کرنے کے بجائے سکوت کو بہتر قرار دیتا تھا۔ پھر جب ان بزرگوں کے باہمی اختلاف کا دور گزر گیا تو بعد میں آنے والوں کو تمام اہل حق یہی مشورہ دیتے رہے کہ ہمیں ان بزرگوں کے معاملہ میں فریق نہیں بننا چاہیے۔ ہمارے لیے دونوں بزرگ ہیں دونوں برحق تھے۔ اور ہمارے لیے دونوں کے اختلاف میں بھی رحمت ہی ہے۔ کیونکہ جو مسلمان ہندوستان میں رہ گئے ان کے لیے حضرت مدنی رحمہ اللہ کا مسلک باعث تقویت ہے اور جو پاکستان میں ہیں ان کے لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مسلک باعث ترقی ہے۔ لہٰذا ہمیں دونوں کے ساتھ یکساں احترامی طرز عمل رکھنا چاہیے۔ اسی میں سلامتی ہے۔ یہی بات امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق سندیلوی ندوی مدظلہ نے اپنی کتاب اظہار حقیقت جلد دوم میں فرمائی ہے (ص ۷)

الجواب

① حکیم الامت حضرت تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اختلاف کے تذکرے کی یہاں ضرورت ہی نہیں تھی۔ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہم اس کو قیاس نہیں کرسکتے۔ کیونکہ وہاں ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جو قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ ان کے اس منصب کے پیشِ نظر اس مسئلہ پر متکلمین، فقہا، مفسرین، محدثین اور مجددین حضرات نے بحث کی ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بحوالہ علامہ ابوشکور سالمی اس مسئلہ کو عقائد اہل السنت والجماعت میں شمار کیا ہے۔

(ب) مولانا سندیلوی نے اس مسئلہ میں سکوت نہیں اختیار کیا بلکہ اس پر مفصل بحث کرکے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اور حضرت علی المرتضیٰ پر تنقیدیں کی ہیں۔ جیسا کہ خارجی فتنہ حصہ اوّل میں بندہ نے اس کی نشاندہی کردی ہے اور کتاب ہٰذا میں بھی اس کے متعلق بحث آرہی ہے۔

② حضرت تھانوی اور حضرت مدنی کا اختلاف حق وباطل کا نہیں ہے جیسا کہ مؤلف صاحب بوادر النوادر سے ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور پھر بعد میں یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ دونوں حق پر تھے مؤلف پر لازم تھا کہ وہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عبارت پیش کرتے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے تو اس میں ایک دوسرے پہلو پر بحث کی ہے جس کا مصداق حضرت مدنی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ جمعیت علمائے ہند ایک مستقل جماعت تھی نہ کہ کانگریس کے تابع۔ چنانچہ کئی امور میں جمعیت نے کانگریس سے شدید اختلاف کیا ہے۔ مثلاً صوبہ پنجاب کی تقسیم میں بھی۔ البتہ آزادیٔ ہند کے لیے جمعیت علمائے ہند کا کانگریس سے اشتراک تھا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس صورتِ اشتراک کا رد کررہے ہیں جس میں جمعیت کانگریس کی بالکل تابع ہوجائے۔

③ حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ نے اس اختلاف کے بارے میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب مرادآبادی مؤلف شاندار ماضی کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

جو حضرات پہلے سے معتقد علیہم ہیں یا جن کے افعال واقوال مسائل خاصہ کے سوا مرضی (پسندیدہ) ہیں۔ان کے ساتھ بداعتقادی وغیرہ نہ چاہیے حسن ظن رکھنا چاہیے ہمارے لیے مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درسِ عبرت ہیں۔ممکن ہے کہ ان حضرات ہی کی آراء صحیح ہوں۔اگر چہ غلبہ ظن یہی ہے کہ ہماری آراءاور اعمال بالکل حق بجانب ہوں۔لہٰذا نہ زبان درازی چاہیے نہ بداعتقادی۔ بلکہ ان کے اور اپنے لیے دعاء کرنی چاہیے۔ (حیات شیخ الاسلام رحمہ اللہ مؤلفہ مولانا محمد میاں رحمہ اللہ)۔

حضرت مدنی قدس سرہ کا یہ حوالہ میں نے مخدومی حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی لکھا تھا اور حضرت مدنی رحمہ اللہ نے یہاں مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ وہاں بھی فروعی اجتہادی اختلاف تھا اور گویا ایک فریق کی خطائے اجتہادی اس میں تسلیم کی جاتی ہے لیکن اس وجہ سے کسی کی تنقیص وتوہین جائز نہیں قرار دی جاسکتی۔اس طرح حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے متعلق بھی کسی طرح کی تنقیص جائز نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگ اس اختلاف کی وجہ سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلاف ناجائز الفاظ استعمال کرتے تھے۔اسی طرح بعض لوگ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلاف بھی توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے تھے لیکن حضرت مدنی رحمہ اللہ نے دونوں دروازے بند کر دیئے۔رحمہم اللہ تعالیٰ)

المہند علی المفند

حسام الحرمین کے جواب میں اکابر دیوبند کی طرف سے المہند علی المفند (محررہ شوال ۱۳۲۵ھ) شائع کی گئی تھی جس کے مرتب محدث العصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ تھے۔جس میں اکابر دیوبند نے ۲۶ سوالات کا جواب لکھ کر اپنے مسلک حق کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس میں عرب وعجم کے علمائے اہل السنّت والجماعت کی تصدیقات شامل ہیں۔پاکستان میں عقائد علمائے دیوبند کے عنوان سے المہند علی المفند حضرت مولانا عبداللطیف صاحب فاضل دیوبند مہتمم جامعہ

حنفیہ جہلم وامیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب زید مجدہم نے شائع کی ہے۔ جس میں بعنوان ''اکابر دارالعلوم کا اجمالی تعارف'' بندہ کا ایک مقدمہ بھی ہے جس کی تاریخ تحریر ۲۳ ر رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ ہے۔ اب پھر مولانا جہلمی موصوف المہند کو پاکستان کے علمائے دیوبند کی تصدیقات کے ساتھ شائع کررہے ہیں۔ اس مقدمہ میں بندہ نے بعنوان ''ایک تکفیری فتنہ'' لکھا ہے کہ:

انگریز ان مجاہدین حریت اور علمائے حق کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔ جب اُس نے دارالعلوم دیوبند اور ان کے اکابر کے علمی و دینی اثرات کو پھیلتے دیکھا تو اس نے اس سرچشمۂ اسلام کو ختم کرنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ بعض دنیا پرست مولویوں اور پیروں کو خریدا گیا اور ان کے ذریعہ ان حضرات پر وہابیت کا الزام لگایا اور اس سے پہلے بھی ان اکابر کے اسلاف امام المجاہدین۔ قدوۃ الکاملین حضرت سید احمد شہید بریلوی اور عالم ربانی مجاہد جلیل حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی مجاہدانہ قربانیوں کو اسی وہابیت کے الزام سے ناکام بنانے کی کوشش کی جا چکی تھی۔ خدا جانے وہ کونسے اسباب وعوامل تھے کہ فرقہ بریلویہ کے بانی مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اکابر دیوبند کے خلاف تکفیری مہم تیز کر دی الخ......

مؤلف ''اصل حقیقت'' کی طرح جو لوگ عقل وانصاف سے محروم ہو چکے ہیں وہ تو اپنے ضدی موقف پر ڈٹے رہیں گے۔ لیکن اہل فہم واخلاص حضرات المہند پر میرے اس مقدمہ کے مضامین سے میرے اعتقادی مسلک حق کو پہچان سکتے ہیں۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

مؤلف اصل حقیقت کا جھوٹ ۲

مؤلف موصوف لکھتے ہیں: ''چکوالی صاحب کے منتقمانہ مزاج اور کینہ پروری کا ایک اور ہدف شیخ العصر آیت من آیات اللہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان مرحوم ہیں۔ (اصل حقیقت ص ۱۷)

الجواب

① یہ بھی کھلا جھوٹ ہے کیونکہ بندہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۳ھ) سے عقیدت رکھتا ہے۔ چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد محدث مدنی قدس سرہٗ کے مرتبہ سلاسل طیبہ پہلی بار پاکستان میں جناب مولانا حکیم شریف الدین صاحب کرنالی مرحوم (مہتمم وبانی مدرسہ حسینیہ سلانوالی ضلع سرگودھا) نے شائع کیے تو اس پر بندہ نے ایک مقدمہ لکھا جس میں حضرت شیخ المدنی رحمہ اللہ کے حالات وکمالات بیان کیے۔ اور چونکہ بعض منتسبین اکابر دیوبند توسل فی الدعاء کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس لیے اس مقدمہ میں توسل فی الدعاء کی بحث بھی لکھی۔ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے علاوہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق بھی پیش کی تھی۔

مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب کی شخصیت

بندہ نے یہ لکھا تھا کہ: شیخ طریقت حضرت مولانا حسین علی صاحب نقشبندی مجددی، (واں بھچراں ضلع میانوالی) اپنے فارسی رسالہ ''تحفہ ابراہیمیہ'' میں حقیقۃ التوسل والاستمداد کے تحت فرماتے ہیں:

(ترجمہ) اور جذب القلوب ص ۲۳۰ میں لکھا ہے کہ توسل اور استمداد کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال ودعاء کرنا ہے۔ اس محبت کے واسطہ سے جو اس بندہ کو اس اللہ تعالیٰ کے خاص بندے سے ہے۔ اور غایۃ الامانی جلد ثانی ص ۳۲۹ میں لکھا ہے کہ انبیاء وصالحین سے توسل کرنا یا ان سے دعاء وشفاعت چاہنا'' اور ص ۳۲۵ میں ہے۔ پس کسی شخص کے ساتھ توسل کرنے اور توجہ کرنے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کو دعاء اور شفاعت کرنے کے لیے سبب بنایا جائے اور یا اس لیے کہ وہ دعاء کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محب ومطیع وفرمانبردار ہوتا ہے۔ اس کے حاشیہ پر میں نے لکھا ہے کہ: حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے یہاں جذب القلوب کے حوالہ سے توسل کی حقیقت وہی

لکھی ہے جو حضرت مولانا تھانویؒ اور دوسرے اکابر نے فرمائی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ حضرت مولانا مرحوم ہی کے بعض تلامذہ و مریدین اس توسل کا انکار کر رہے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا حسین رحمہ اللہ علی صاحب کے ''تحفہ ابراہیمی'' کے متعلق بندہ نے حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ: ''سالکین کے لیے یہ بہت مفید رسالہ ہے۔'' (سلاسل طیبہ ص ۲۶ ناشر مولوی محمد یعقوب صاحب ناظم مکتبہ عثمانیہ ہرنولی ضلع میانوالی)۔

اس کے علاوہ بھی سلاسل طیبہ ص ۴۷ وغیرہ پر بندہ نے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ ''سلاسل طیبہ'' کے لیے یہ مقدمہ میں نے بتاریخ ۲۰ ر رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ مکمل کیا ہے۔ گویا بندہ نے ۲۶ سال پہلے شیخ طریقت حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے مسئلہ توسل فی الدعاء کی تائید میں آپ کی عبارتیں پیش کی تھیں لیکن اب ''مؤلف اصل حقیقت'' یہ سفید جھوٹ بول رہے ہیں کہ سلانوالی کے مناظرہ کی وجہ سے چکوالی صاحب کے منتقمانہ مزاج اور کینہ پروری کا ہدف حضرت مولانا حسین رحمہ اللہ علی صاحب بھی تھے۔ آخر خارجیانہ جھوٹ کی کوئی حد بھی ہے؟

شیخ الحدیث غورغشتیؒ

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ صاحب کے ایک ممتاز خلیفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتی تھے۔ حضرت والد صاحب مرحوم نے ایک استفتاء کی تصدیق کے لیے مجھے شیخ الحدیث کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس وقت پہلی بار میں نے آپ کی زیارت کی۔ پھر ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں سنٹرل جیل ساہیوال میں چند ماہ آپ کے ساتھ رہنا نصیب ہوا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے ملحقہ کوٹھڑی میں ضلع جہلم کے ہم تین رفقاء نظر بند تھے۔ حضرت مولانا حکیم سید علی شاہ صاحب (تلمیذ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی) حضرت مولانا عبداللطیف

صاحب فاضل دیو بند مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم وامیر تحریک خدام اہل سنت پنجاب اور خادم اہل سنت غفرلہ۔ حضرت شیخ الحدیث تنہا کوٹھڑی میں رہتے تھے بہت متقی بزرگ تھے اور ہم پر شفقت فرماتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بانی سراج العلوم سرگودھا بھی سنٹرل جیل ساہیوال میں ہمارے ساتھ نظر بند رہے ہیں۔ ضلع جہلم۔ سرگودھا اور اٹک (کیملپور) کے علاوہ علماء کرام اسی جیل میں نظر بند رہے ہیں۔

مولانا قاضی نور محمد صاحب

حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب (قلعہ دیدار سنگھ) بھی حضرت مولانا حسین علی صاحب کے خلفاء میں سے تھے۔ ہمارے تبلیغی دوروں پر تشریف لاتے رہے ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب شیخ الحدیث گوجرانوالہ بھی تشریف لاتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ بھی حضرت مولانا حسین علی صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں آپ سے ہمارا اعتقادی تعلق ہے چنانچہ حضرت مولانا موصوف (مؤلف تسکین الصدور) نے آفتاب ہدایت اور میرے مقدمہ پر جو تقریظ لکھی ہے وہ اس پر شاہد ہے۔ اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی اور مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم بھی ہمارے جلسوں میں آتے رہے ہیں اور شاہ صاحب بخاری کے تو ہم نے کتنے ہی تبلیغی دورے اپنے علاقے میں رکھے ہیں لیکن جب شاہ صاحب موصوف نے مسئلہ حیات النبی کے انکار کا برملا اظہار کر دیا تو پھر تعلق نہ رہا۔

شرح تحفہ ابراہیمیہ

شیخ المشائخ حضرت مولانا حسن رحمہ اللہ علی صاحب کے رسالہ ''تحفہ ابراہیمیہ'' کا ترجمہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی دام مجدہم مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ (جو شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں) نے شائع کیا ہے۔ اور اس پر ایک فاضلانہ محققانہ مقدمہ لکھا ہے جس میں حضرت مولانا رحمہ اللہ

اور آپ کے تلامذہ اور خلفائے کے حالات بھی درج کیے ہیں۔ حضرت صوفی صاحب موصوف ماشاء اللہ ایک قابل مدرس اور مصنف ہیں۔ کتاب ہٰذا کے شروع میں میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل پر ان کا تبصرہ درج کردیا گیا ہے۔ حضرت مولانا حسین رحمۃ اللہ علی صاحب کے تلامذہ، مریدین اور معتقدین حضرات کا جو میرے ساتھ تعلق رہا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ مؤلف ''اصل حقیقت'' نے کھلم کھلا یہ کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے کہ مناظرہ سلانوالی کی وجہ سے بندہ کو حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ سے بھی بغض ہے۔ یہ ہے وہ خارجی ذہنیت جس کے مظاہرے پر وہ ہر دم مجبور ہیں۔

مولانا دبیر رحمۃ اللہ اور مرزا قادیانی کا مقدمہ

حضرت والد مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ علیہ کا براہ راست مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی سے دو سال تک مقدمہ رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں گورداسپور کی عدالت سے بتاریخ ۸/اکتوبر ۱۹۰۴ء مرزا قادیانی کو پانچ سو روپے جرمانہ یا چھ ماہ قید محض اور حکیم فضل دین بھیروی کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ اس مقدمہ کی مفصل روئداد سرکاری دستاویزات کے ساتھ حضرت والد رحمۃ اللہ نے تازیانہ عبرت کے نام سے شائع کردی تھی۔ جس کا ذکر میں نے ''آفتاب ہدایت'' کے مقدمہ میں ''قادیانی فتنہ'' کے عنوان سے اور ''خارجی فتنہ'' حصہ اوّل میں پر کردیا ہے۔

مؤلف اصل حقیقت کا جھوٹ نمبر ۳

مؤلف اصل حقیقت کا ابھی خارجیانہ غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''چکوالی صاحب بہت سی بُری باتوں میں اپنے والد سے مشابہت رکھتے ہیں۔

① مثلاً ہم حیران تھے کہ چکوالی صاحب اپنے بزرگوں اور سربراہوں (مثلاً مفتی محمود مرحوم و حضرت امام اہل سنت مدظلہ یعنی سندیلوی صاحب) کے لیے کفش مارکیوں ثابت ہوئے؟ موجودہ انکشاف سے اندازہ ہوا کہ چکوالی صاحب میں یہ اپنے والد کے اثرات ہیں کیوں کہ جناب کے والد بھی اپنے بزرگ جناب پیر مہر علی شاہ

صاحب کے لیے کفش مار ثابت ہوئے تھے۔ اور ایک موقع پر انہیں علمی سرقہ کا مرتکب قرار دیے گئے تھے (مہر منیر ص۲۵۲ سوانح پیر مہری علی شاہ صاحب شائع کردہ خانقاہ گولڑہ شریف طبع سوم ۱۹۷۶ء بعنوان سیفِ چشتیائی پر بہتانِ سرقہ کی حقیقت)۔''

۲ وقت ضرورت غلط بیانیاں اور دھوکہ دہی بھی چکوالی صاحب کو والد سے وراثت میں ملی۔ اس کے لیے بھی اسی سوانح کے اگلے صفحے (۲۵۳۔ آخری سطر) پر ہے کہ عدالت نے اپنے فیصلہ میں لکھا تھا کہ اپنی واضح اور ثابت شدہ فریب دہی کے باعث مستغیث یعنی مولوی کرم دین نے اپنے آپ کو لئیم اور کذاب مبین کے خطابات کا مستحق بنالیا تھا۔''

یہ تو ان کے والد کے متعلق حوالے تھے خود چکوالی صاحب کی غلط بیانیوں اور دھوکہ دہی کے بعض واقعات ہم خارجی فتنہ پر اپنے تبصرے میں پیش کریں گے۔ کچھ بطور نمونہ یہاں بھی پیش کر دیے ہیں۔

۳ چکوالی صاحب کے والد محترم کو دھوکہ دہی کے معاملہ میں عدالت سے پچاس روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی (ملاحظہ ہو اسی سوانح خاص ۲۵۳)

اور چکوالی صاحب خود اپنے اعتراف کے مطابق قتل کے کیس میں سنٹرل جیل لاہور میں آٹھ سال قید با مشقت کی سزا بھگت چکے ہیں۔

۴ چکوالی صاحب کے والد گرامی قدر بھی مخالفت میں مغلوب الغضب ہو جاتے تھے اور اس حالت میں اپنی جماعت کی بھلائی برائی کا احساس بھی انہیں نہیں رہتا تھا۔ یہی حالت چکوالی صاحب کی ہے۔ ان کے والد پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر مہر علی شاہ صاحب کا سوانح نگار ص ۲۵۵ پر لکھتا ہے کہ :

اللہ تعالیٰ مولوی صاحب مرحوم پر رحم فرمائیں۔ اگر واقعات ایسے ہی تھے جیسے کہ بیان ہوئے اور ان کی تہ میں کوئی اور نامعلوم واقعات یا مجبوری کارفرمانہ تھی تو ایک ایسے کام کے لیے جو دیگر معقول طریقوں سے بھی سلجھ سکتا تھا ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا جس میں ان کے مرحوم عمزاد بھائی کی موت پر آوازے کسے گئے۔ حضرت قبلہ عالم

قدس سرہ (یعنی پیر مہر علی شاہ صاحب) جیسی شخصیت گرامی کی تصنیف لطیف پر شبہات واعتراضات کیے گئے اور پھر خود ان کی اپنی ذات ایک طویل پریشانی اور زیر باری کا شکار ہوئی، کس حد تک دانشمندانہ تھا۔ (اصل حقیقت ص ۴۲، ۴۳)

الجواب

① مؤلف اصل حقیقت میری کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول'' کے جواب سے تو عاجز ہیں مگر دل کو تسلی دینے کے لیے اور اپنے گروہ کو مطمئن کرنے کے لیے زنانہ طعن وتشنیع کا ڈھنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور نہ صرف مجھ سے بلکہ حضرت والد مرحوم سے بھی ایک قسم کے ذاتی بغض وعناد کا برملا اظہار کرنے لگے ہیں۔ کیا اس قسم کے مطاعن سے مشاجراتِ صحابہ اور یزیدیت کے زیر بحث مسائل حل ہو جائیں گے؟

مرزا قادیانی دجال اور مولانا دبیر رحمۃ اللہ کے مقدمات

② مرزا قادیانی دجال آنجہانی اور والد صاحب حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب کے مابین جو مقدمات ہوئے ہیں اس کی روئداد سرکاری دستاویزات کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔ جس کی اشاعت دوم کے لیے حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی چاندپوری نے انجمن شباب المسلمین بٹالہ ضلع گورداسپور کے جلسہ پر حضرت والد مرحوم کو تاکید فرمائی تھی جس کا ذکر والد مرحوم نے تازیانہ عبرت ص ۲ پر ''باعث اشاعت کتاب'' کے تحت کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا حوالہ میں نے خارجی فتنہ حصہ اول میں بھی دیا ہے۔

③ مرزا قادیانی کے حکم سے حکیم فضل دین بھروی قادیانی مالک مطبع الحکم نے مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء میرے والد مرحوم مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ پر پہلا مقدمہ فوجداری زیر دفعہ ۴۱۷ تعزیرات ہند گورداسپور میں دائر کیا۔ جس میں آپ باعزت بری ہو گئے (ملاحظہ ہو تازیانہ عبرت ص ۳۵)۔

④ دوسرا فوجداری مقدمہ بھی فضل دین بھیروی مذکور نے ۲۹ر جون ۱۹۰۳ء کو

مولانا مرحوم کے خلاف زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند دائر کیا جس میں یہ تھا کہ مرزا قادیانی کی کتاب نزول المسیح کے چند اوراق انہوں نے سرقہ کئے ہیں اس میں حکیم نور دین بھیروی (خلیفہ قادیانی) وغیرہ پیش ہوئے لیکن یہ مقدمہ بھی خارج ہو گیا۔

⑤ تیسرا مقدمہ شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار الحکم قادیان کی کی طرف سے مولانا دبیر رحمۃ اللہ مرحوم اور مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی رحمۃ اللہ مؤلف ''حدائق حنفیہ'' مرحوم مالک سراج الاخبار جہلم کے خلاف زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند ازالہ حیثیت عرفی دائر کیا گیا۔ اس مقدمہ میں مجسٹریٹ نے مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی پر چالیس روپے اور مولانا محمد کریم الدین صاحب دبیر رحمۃ اللہ پر پچاس روپے جرمانہ کیا جس کی اپیل دائر نہ کی۔ یہ ازالہ حیثیت عرفی کا کیس تھا (نہ کہ فریب و دھوکہ دہی کا) بوجہ اس کے کہ شیخ یعقوب علی تراب قادیانی کے خلاف والد صاحب کا ایک مضمون سراج الاخبار میں شائع ہوا تھا سراج الاخبار کے مالک مولانا فقیر محمد صاحب مرحوم تھے اور مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم اس کے ایڈیٹر تھے (مولانا فقیر محمد صاحب اور مولانا دبیر رحمۃ اللہ آپس میں معتمد علیہ دوست تھے) لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' نے یہاں انتہائی کذب بیانی کرتے ہوئے یہ لکھ دیا ہے کہ:

''چکوالی صاحب کے والد محترم کو دھوکہ دہی کے معاملہ میں عدالت سے پچاس روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی تھی (ملاحظہ ہو اسی سوانح کا ص ۲۵۲)

مؤلف مذکور کا یہ کتنا بڑا اخار جیانہ جھوٹ ہے کیونکہ اس مقدمہ کا تعلق ازالہ حیثیت عرفی سے ہے نہ کہ دھوکہ دہی اور فریب دہی سے۔ اس کیس کا تعلق ''سیف چشتیائی'' کے ''سرقہ سے'' ہے ہی نہیں (ملاحظہ ہو تازیانہ عبرت ص ۴۱)۔ چنانچہ مہر منیر کے مؤلف مولانا فیض احمد صاحب فیض نے بھی اس کی تصریح کر دی ہے کہ:

''قادیانیوں نے مولوی صاحب پر تین فوجداری مقدمے کیے۔ جن میں سے ایک مقدمہ ازالہ حیثیت میں مدیر سراج الاخبار کو چالیس روپے اور مولوی کرم دین کو پچاس روپے جرمانہ ہوا۔ اور باقی مقدمات میں انہیں بری کر دیا گیا۔'' (ص ۲۵۳)

قادیانیوں نے دھوکہ دہی کے جو جھوٹے مقدمات دائر کیئے تھے وہ تو ان کے خارج ہو گئے تھے اور جس میں جرمانہ ہوا وہ ایک مضمون کی وجہ سے تھا جس میں شیخ یعقوب علی قادیانی نے کہا کہ میری توہین ہوئی ہے۔

ناظرین فیصلہ فرمائیں کہ ''مؤلف اصل حقیقت'' قادیانی کا پارٹ ادا کر رہے ہیں محض اس خارجیانہ بغض کی وجہ سے جو ان کو میری وجہ سے حضرت والد مرحوم سے پیدا ہو گیا ہے۔

میاں شہاب الدین کون تھے؟

میاں شہاب الدین صاحب جموں کشمیر کے رہنے والے تھے جو طالب علم کی حیثیت سے حضرت والد رحمہ اللہ صاحب کے پاس ہمارے آبائی وطن بھیں تحصیل چکوال میں پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے قادیان میں مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں سے خفیہ خط و کتابت شروع کر دی تھی۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے عدالت میں خود یہ اقرار کیا ہے کہ:

مسمیٰ شہاب الدین موضع بھیں میں میری مریدی ظاہر کرتا ہے وہ ملزم کا شاگرد ہے۔ میں نے صرف سنا ہے کہ شہاب الدین، مریدی کے خط بنام مولوی عبدالکریم بھیجتا رہا ہے۔ شہاب الدین قادیان میں ہرگز نہیں آیا۔ نہ اس نے مجھے مریدی کا خط لکھا ہے۔''

اس میں مرزا قادیانی نے صراحتاً جھوٹ بولا تھا اس لیے والد صاحب مرحوم کی طرف سے عدالت میں رسالہ ''الحکم'' ۳۱ ر جولائی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۶ دکھایا گیا جس میں شہاب الدین ساکن بھیں کا نام زیر بیعت درج ہے۔ (ملاحظہ ہو تازیانہ عبرت ص ۱۳۴)

جناب والد رحمہ اللہ صاحب کو جب میاں شہاب الدین کے قادیانی ہونے کا علم ہوا تو آپ نے ان کو سمجھایا وہ بظاہر قادیانی ہونے سے انکار کر دیتے تھے۔ لیکن شبہ باقی تھا۔

مولانا محمد حسن صاحب فیضی رحمہ اللہ

حضرت والد صاحب کے چچازاد بھائی اور بہنوئی حضرت مولانا محمد حسن صاحب فیضی رحمہ اللہ بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ عربی میں غیر منقوطہ (بے نقط) قصائد لکھتے تھے۔ لاہور میں فیضی صاحب اور والد صاحب حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری دیوبندی سے پڑھتے رہے تھے۔ حضرت فیضی صاحب نے سیالکوٹ میں مرزا قادیانی کے سامنے بالمشافہ اپنا بے نقط عربی قصیدہ پیش کیا تھا جس کا مرزا صاحب جواب نہ دے سکے۔ اس کے متعلق خود فیضی صاحب کا بیان سراج الاخبار جہلم ۹ رمئی ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا تھا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ:

سیالکوٹ کے کئی احباب جانتے ہوں گے کہ ۱۳ رفروری ۱۸۹۹ء کو جب یہ خاکسار سیالکوٹ میں مسجد حکیم حسام الدین صاحب میں مرزا صاحب سے ملا تو ایک قصیدہ عربی بے نقط منظومہ خود مرزا صاحب کے ہدیہ کیا۔ جس کا ترجمہ نہیں کیا ہوا تھا اس لیے کہ مرزا صاحب خود بھی عالم ہیں اور ان کے حواری بھی جو اس وقت حاضر محفل تھے ماشاء اللہ فاضل ہیں اور قصیدہ میں ایسا غریب لفظ بھی کوئی نہیں تھا اور پھر اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کو الہام ہوتا ہے تو مجھے اس کی تصدیق الہام کے لیے یہی کافی ہے کہ اس قصیدہ کا مطلب حاضرین مجلس کو واضح سنا دیں مزید براں مسائل مستحدثہ مرزا صاحب کی نسبت سے استفسار تھا۔ مرزا صاحب اس کو بہت دیر تک چپکے دیکھتے رہے اور مرزا صاحب کو اس کی عبارت بھی نہ آئی۔ باوجود یہ کہ عربی خوش خط لکھا ہوا تھا پھر انہوں نے ایک فاضل حواری کو دیا جو بعد ملاحظہ فرمانے لگے کہ اسکا ہم کو تو پتہ نہیں ملتا۔ آپ ترجمہ کر کے دیں۔ خاکسار نے واپس لے لیا۔ (تازیانہ عبرت ص ۴۶) اور مذکورہ قصیدہ ص ۴۷ پر منقول ہے۔

② مولانا فیضی رحمہ اللہ صاحب نے پھر سراج الاخبار جہلم ۱۳ راگست ۱۹۰۰ء میں اپنا بیان شائع کیا جس میں مرزا قادیانی کو چیلنج کیا تھا کہ:

"آپ ۲۰/اور ۲۲/ جولائی ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف اور دیگر علماء کو یہ دعوت کرتے ہیں کہ لاہور میں آ کر میرے ساتھ بپابندیٔ شرائط مخصوصہ فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی چالیس آیات یا اس قدر سورۃ کی تفسیر لکھیں اخیر میں میرا التماس ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں۔ تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجیے اور مجھے اطلاع کر دیجیے (تازیانہ عبرت ص ۴۹)

③ مرزا قادیانی کا مذکورہ چیلنج حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قبول کر لیا۔ اور ایک مطبوعہ اشتہار بذریعہ رجسٹری بتاریخ ۴/ اگست ۱۹۰۰ء مرزا قادیانی کو ارسال کیا کہ وہ ۲۵/ اگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مباحثہ کے لیے آ جائیں۔ حضرت پیر صاحب تو تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ گئے لیکن مرزا قادیانی مقابلہ میں نہ آیا۔ اس موقعہ پر بھی لاہور کے ایک عظیم الشان اجتماع میں مولانا محمد حسن صاحب فیضی مرحوم نے قادیانی کے خلاف سخت تقریر کی اور فرمایا کہ اس سے پہلے بھی دنیا میں مرزا جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی مسیح مہدی بننے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ مرزا کا بھی یہی حشر ہوگا۔

(ملاحظہ ہو۔ تازیانہ عبرت ص ۵۵)

فیضی رحمہ اللہ صاحب کی وفات

مذکورہ بیانات کی وجہ سے مرزا قادیانی، مولانا فیضی صاحب سے پریشان ہو گئے تھے جس کا انتقام انہوں نے اس صورت میں لیا کہ جب ان کو مولانا فیضی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع ملی (جو میاں شہاب الدین مذکور نے خدا جانے کیسے دی تھی؟) تو آپ نے الہامات شائع کر دیئے کہ مولوی محمد حسن بھیں والا میری بددعاء سے ذلت کی موت مرا ہے وغیرہ اور اپنی تحریرات انہوں نے بھیں بھی ارسال کیں جس کی بنا پر حضرت والد مرحوم نے مرزا قادیانی پر ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ جہلم میں دائر کر دیا جو

اس بنا پر خارج ہو گیا کہ قانوناً یہ مقدمہ فیضی صاحب مرحوم کے بیٹوں کی طرف سے ہو سکتا ہے نہ کہ عمزاد بھائی کی طرف سے۔ اس پر مرزا قادیانی نے جناب والد مرحوم کے خلاف ایک کتاب ''مواہب الرحمٰن'' شائع کی۔

کتاب مواہب الرحمٰن

جو انہوں نے جہلم میں تقسیم کی جس پر والد رحمۃ اللہ صاحب نے مرزا قادیانی اور حکیم فضل دین مالک مطبع ضیاء الاسلام قادیان کے خلاف اپنی ازالہ حیثیت عرفی کی بناء پر زیر دفعہ ۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲ تعزیرات ہند مقدمہ دائر کر دیا اور اس کے نتیجہ میں مرزا قادیانی اور حکیم فضل دین کو سزا ہوئی۔ چنانچہ لالہ آتما رام مہتہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مجسٹریٹ درجہ اول ضلع گورداسپور نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ:

۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد ملزم نے ایک اور کتاب شائع کی جس کا نام ''مواہب الرحمٰن'' ہے جو ملزم نمبر۲ کے مطبع واقع قادیان میں چھپی۔ یہ کتاب مقدمہ کی اصل بنا ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہے اور بین السطور فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ مضمون بنائے استغاثہ ص ۱۲۹ پر درج ہے اور ذیل کا اقتباس جو لیا گیا ہے مضمون بنائے استغاثہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس پر ملزم نمبر۱ (یعنی مرزا قادیانی) اس طرح لکھتا ہے:

''میری نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے ایک لئیم آدمی اور اس کے بہتان عظیم سے اطلاع دی ہے اور مجھے الہام کیا کہ مذکورہ بالا آدمی میری عزت کو نقصان پہنچائے گا اور مجھے یہ خوش خبری بھی دی ہے کہ وہ لوٹ کر میرے دشمن پر پڑے گی جو کہ الکذاب المہین ہے۔ لئیم اور بہتان عظیم کے الفاظ اس عربی کتاب کی پانچویں اور آٹھویں سطر میں ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ مستغیث (یعنی مولانا محمد کرم الدین رحمۃ اللہ) کی ازالہ حیثیت عرفی کرنے میں اور ملزم نے مستغیث کی عزت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے چھاپے ہیں۔ ملزم نمبر۱ نے اقرار کیا ہے کہ وہ اس کتاب کا مصنف

ہے (تازیانہ عبرت ص ۱۵۱)

کتاب سیف چشتیائی اور سرقہ کی حقیقت

لالہ آتما رام مجسٹریٹ مذکور اپنے فیصلہ میں لکھتا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں ملزم نمبر ۱ یعنی مرزا غلام احمد نے ایک کتاب عربی زبان میں جس کا نام اعجاز المسیح (مسیح کا معجزہ) ہے طبع کی۔ اس میں اس نے کل دنیا کو مخاطب کیا کہ اس کی فصاحت کے برابر کوئی شخص کتاب لکھ دے اور ساتھ ہی بطور پیشگوئی کے یہ دھمکی دی کہ جو شخص ایسی کتاب **لکھنے کا** ارادہ کرے گا وہ زندہ نہ رہے گا۔ مگر اس کے مقابلہ میں پیر مہر علی شاہ (صاحب) **ساکن** گولڑہ نے ایک کتاب مسمیٰ بہ سیف چشتیائی (چشتی کی تلوار) تالیف کی **اور شائع کی۔** اس کی تردید میں مرزا غلام احمد نے ایک کتاب لکھنی شروع کی **جس کا نام نزول** المسیح (مسیح کا اترنا) رکھا۔ ۱۴؍ جنوری ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد ملزم نمبر ۱ نے ایک اور کتاب شائع کی جس کا نام مواہب الرحمن ہے (تازیانہ عبرت ص ۱۵۱)

② میاں شہاب الدین مرحوم کو مرزا قادیانی سے بدظن کرنے کے لیے حضرت والد مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم نے ایک یہ تدبیر اختیار کی کہ ان کی طرف سے اور اپنی طرف سے مرزا قادیانی کو اس قسم کے خطوط بھیجے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے تو اپنی کتاب ''سیف چشتیائی'' میں مولانا محمد حسن صاحب فیضی مرحوم کے ان نوٹس کا سرقہ کیا ہے جو انہوں نے مرزا قادیانی کی کتاب ''اعجاز المسیح'' کے حاشیہ پر خود لکھے تھے۔ چونکہ مرزا قادیانی کو میاں شہاب الدین مذکور پر اعتماد ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے ان خطوط پر اعتماد کر کے اپنی کتاب ''نزول المسیح'' میں ان خطوط اور نوٹس کا حوالہ دے کر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے خلاف لکھا جس کے جواب میں والد مکرم مولانا محمد کرم الدین رحمۃ اللہ صاحب نے ایک بیان سراج الاخبار جہلم مورخہ ۶؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں اور میاں شہاب الدین کا بیان، سراج الاخبار ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع کیا۔ جس میں مرزا قادیانی کے الہام کا پردہ چاک کیا گیا تھا کہ وہ خطوط سب جعلی تھے جس کی بنا پر

مرزا صاحب نے اپنے الہام کی بنیاد رکھی تھی۔ چنانچہ میاں شہاب الدین صاحب کے بیان میں یہ لکھا تھا کہ:

مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ کسی فتنہ باز نے محض شرارت سے یہ چالبازی کی تھی۔ خداوند کریم کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں اس قسم کی عادت سے بے زار ہوں میں نے کوئی خط نہیں لکھا جس میں یہ لکھا گیا ہو کہ مولوی صاحب مرحوم (یعنی فیضی صاحب) کی موت ایسی ہوئی۔'' میاں شہاب الدین کے اس بیان کی بناء پر لالہ آتمارام نے مرزا قادیانی پر عدالت میں بھی سوال کیا تھا (تازیانۂ عبرت) اور پھر مرزا قادیانی نے عدالت میں خود یہ تسلیم کرلیا کہ: میں نے جب کرم دین کا خط آیا تھا تو اس خیال سے کہ اس کا خط صحیح ہوگا وہ تذکرہ نزول المسیح میں کیا تھا مگر جب سراج الاخبار میں (خود بخود) اس نے اس کے برعکس لکھا تو وہ میرا خیال قائم نہ رہا۔ بعض باتیں میرے حافظہ سے فرو ہو جاتی ہیں۔ میں ان کو بتلا نہیں سکتا۔ فرو ہو جانے کی وجہ استغراق روحانی اور ضعف دماغ ہے۔

سوال:...... یہ دونوں الہام آپ کے سچے ہوئے یا نہیں؟ یہ متعلق مولوی محمد حسن اور پیر مہر علی شاہ؟

جواب: پہلے میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں الہام سچے ہو گئے ہیں مگر سراج الاخبار میں شائع ہو جانے کے بعد میں نے یقین کرلیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی کیونکہ پیشگوئیاں کا مصداق قائم کرنا اکثر رائے سے ہوا کرتا ہے۔ یہ بات صرف رائے سے متعلق ہے۔ نفس پیشگوئی کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

سوال:...... جو مضمون نزول المسیح کے حاشیہ ص ۶۷ سے لے کر ص ۸۱ تک ہے یہ آپ نے کس بنا پر لکھا۔ خطوں کی بناء پر یا کسی اور بنا پر؟

جواب:...... کریم الدین کے خط اور شہاب الدین کے خط کی بناء پر اور ایک کارڈ کی بنا پر جو کرم الدین کے خط میں ملفوف تھا جس کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ کارڈ پیر مہر

علی کا ہے۔ مجھ کو یاد نہیں ہے کہ اعجاز المسیح کے حاشیہ کے نوٹوں کی نقلیں مجھ کو مل چکی تھیں یا کہ نہیں۔ مگر مجھ کو ان کی نسبت خبر مل چکی تھی۔ ص ۷۰ کی عبارت خطوں کی بنا پر ہے۔ خطوں پر یقین کر کے ایسا لکھا گیا ہے۔ ان سے استنباط کیا گیا ہے۔

(بیان مرزا قادیانی۔ تازیانہ عبرت ص ۱۴۵)

سوال:...... جب ۶ / اکتوبر کا سراج الاخبار آپ کو معلوم ہوا تو خطوں اور اخبار کی نسبت وزن کرنے یعنی مقابلہ کرنے میں آپ کا کیا خیال یعنی کیسا یقین پیدا ہوا یعنی مقابلۂ ان دونوں میں سے کون سچ ہے اور کون جھوٹ؟

جواب:...... اگر چہ ہم سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد قطعی فیصلہ نہیں کر چکے بلکہ صرف کشمکش میں تھے۔ لیکن یہ ترجیح سراج الاخبار میں پائی گئی کہ جو خطوط مجھ کو بھیجے گئے تھے وہ ایک خفیہ کاروائی کی تھی۔ جس کی نسبت کرم الدین نے بار بار تاکید کی تھی کہ اس کو ظاہر نہ کرنا۔ لیکن سراج الاخبار میں کھلے طور پر شائع کیا کہ میں نے انہیں دھوکا دیا۔ اس لیے ہم کو سراج الاخبار کے مضمون کو مجبوراً ترجیح دینا پڑی''۔

(بیان مرزا قادیانی۔ تازیانہ عبرت ص ۱۴۷)

علاوہ ازیں اعجاز المسیح مؤلفہ مرزا قادیانی کے حاشیہ پر جو نوٹس مولانا فیضی رحمہ اللہ صاحب کے ظاہر کیے گئے تھے وہ کسی طالب العلم سے لکھوائے گئے تھے۔ بہر حال مرزا قادیانی کو الہامات میں جھوٹا ثابت کرنے اور میاں شہاب الدین صاحب کو اس سے بدظن کرنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی گئی تھی اور اس تدبیر سے مرزا قادیانی خود عدالت میں اپنے بیانات کی وجہ سے اپنے الہامات میں جھوٹا ثابت ہو گیا۔ اور میاں شہاب الدین صاحب کا بیان بھی مرزا قادیانی کے خلاف سراج الاخبار ۱۳/ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں شائع ہو گیا۔ لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' مرزا قادیانی کے اس تدبیر کے ذریعے جھوٹا ثابت ہونے سے خوش نہیں ہیں بلکہ وہ مرزا قادیانی کا دفاع اور مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ دبیر کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

مجسٹریٹ کی صفائی

والد ماجد مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کے خطوط کے متعلق لالہ آتمارام مجسٹریٹ گورداسپورا اپنے فیصلہ میں لکھتا ہے کہ:

یہ خطوط حقیقت میں ایک بڑی حکمت عملی پر مبنی تھے جو مرزا کی پیش گوئیوں اور الہاموں کے دعاوی کو آزمانے کے لیے برتی گئی۔ گو بظاہران سے یہ غرض معلوم ہوتی تھی کہ پیر مہر علی شاہ کی تصنیف سیف چشتیائی کے علمی سرقہ کے ظاہر کرنے میں معاون ہوں یہ خطوط مرزا نے اس وجہ سے اپنی کتاب نزول المسیح میں شائع کئے اور یعقوب علی نے جو مرزا کا مرید ہے اور ایڈیٹر بھی ہے اپنے اخبار الحکم مورخہ ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۲ء میں کاتبوں کے نام پر شائع کر دیئے اس اخبار میں ایک مضمون بھی تھا جس میں محمد حسن فیضی کی وفات پر جو مستغیث کا بہنوئی اور تایا زاد بھائی ہے رنج دہ لفظوں میں نکتہ چینی کی گئی تھی اس کے بعد سراج الاخبار جہلم میں ۶ر اور ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دو مضمون مستغیث (یعنی مولانا دبیر رحمۃ اللہ) کے دستخط سے چھاپے گئے۔ ایک نثر میں تھا دوسرا نظم میں جو ۱۷ر دسمبر ۱۹۰۲ء کے الحکم کی تردید میں تھے۔ انہوں نے فریقین کے درمیان مقدمات کرا دیئے۔ اس کے تھوڑا ہی عرصہ پہلے یعنی ۲۶ر اگست ۱۹۰۲ء کو بمقام جہلم ان دو مخالف فریقوں میں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ایک مذہبی مباحثہ ہوا ہے۔ اس مباحثہ میں ایک طرف مستغیث اور ایک اور آدمی تھا اور دوسری طرف مبارک علی قادیانی اور ایک اور کوئی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس علمی جھگڑا میں آخر الذکر کو شکست ہوئی اور اس شکست نے جلتی آگ پر اور لکڑیاں ڈالیں (فیصلہ مجسٹریٹ۔ تازیانہ عبرت ص ۱۵۳)

قارئین فیصلہ فرمائیں کہ ایک ہندو مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ مناظرہ جہلم میں مستغیث یعنی مولانا محمد کرم الدین کے مقابلہ میں قادیانی مناظر مبارک علی کو شکست ہوئی تھی۔ اور یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ مولانا دبیر رحمۃ اللہ مرحوم کے وہ خطوط جو مرزا قادیانی کو بھیجے گئے تھے ایک بڑی حکمت عملی پر مبنی تھے جو مرزا (قادیانی)

کی پیشگوئیوں اور الہاموں کے دعاوی کو آزمانے کے لیے برتی گئی۔''

ایک ہندو مجسٹریٹ اپنے فیصلہ میں مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ کی اس تدبیر کو ایک حکمت عملی پر مبنی قرار دیتا ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ مولانا دبیر رحمۃ اللہ کی کوئی اور فاسد نیت تھی۔ ایک ہندو تو مطمئن ہے لیکن مولف ''اصل حقیقت'' اس کاروائی سے مطمئن نہیں بلکہ اس کو واقعی غلط بیانی اور دھوکہ دہی پر مبنی قرار دیتا ہے۔ یہ ہے خارجی ذہنیت کا کرشمہ۔

علاوہ ازیں مولف مہر منیر مولانا فیض احمد فیض بھی لکھتے ہیں کہ:

''بہر حال یہ بات ہر محاذ پر تسلیم کر لی گئی کہ یہ غلط سلط نوٹ کسی عربی دان عالم کے قلمی نہیں ہو سکتے۔ مولوی کرم دین مذکور اس سے کچھ عرصہ ہی پہلے یعنی ۲۶ / اگست ۱۹۰۲ء کو صدر جہلم میں قادیانی مبلغ مولوی مبارک علی کے ساتھ ایک پبلک مناظرہ کر چکے تھے اور تعجب ہے کہ قادیانی حضرات نے ان پر اعتبار کیسے کر لیا اور ان کے جال میں کیونکر پھنس گئے۔ دراصل حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی ذات شریف سے قادیانیت کو جو زک پہنچی تھی اور جو گھاؤ آپ کی سیف چشتیائی نے لگائے تھے اس مذہب کی تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ لہٰذا مولوی صاحب کے زرخیز دماغ نے اس دام کے نیچے سیف چشتیائی کے سرقہ مضامین کا جو دانہ ڈالا اس کی کشش سے بچ نکلنا ممکن نہیں رہا تھا چنانچہ فریقین میں مقدمہ بازی چل نکلی اور گورداسپور کی عدالتوں میں پورے دو برس تک چلتی رہی۔ قادیانیوں نے مولوی صاحب پر تین فوجداری مقدمات قائم کئے جن میں سے ایک مقدمہ ازالۂ حیثیت پر مدیر سراج الاخبار کو چالیس روپے اور مولوی کرم دین کو پچاس روپے جرمانہ ہوا۔ اور باقی دو مقدمات میں انہیں بری کر دیا گیا۔ مولوی کرم الدین نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین مالک مطبع و ناشر الحکم و کتاب مواہب الرحمٰن پر فیضی مرحوم کے ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ کیا جو اس بنا پر خارج ہو گیا کہ بیوہ اور نابالغ بیٹے کی موجودگی میں عمزاد بھائی کو اپنے استغاثہ کا حق نہیں پہنچتا۔ دوسرا استغاثہ مولوی صاحب نے ان ہر دو صاحبان کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی ذاتی

کا کیا۔ کیونکہ پہلے استغاثہ کے اخراج کی تاریخ کو ہی احاطہ کچہری میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن لوگوں میں مفت تقسیم کی۔ جس میں مولوی کرم دین کو مذکورہ بالا دھوکہ دہی کے رنج وغصہ میں لئیم اور کذاب مہین کے خطابات سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ سو روپے جرمانہ یا عدم ادائیگی جرمانہ چھ ماہ قیدی اور حکیم فضل دین کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قیدی کا حکم ہوا مگر اپیل پر انگریز سیشن جج نے ان کو اس لیے بری کر دیا کہ اپنی واضح اور ثابت شدہ فریب دہی کے باعث مستغیث یعنی مولوی کرم الدین نے اپنے آپ کو ان خطابات کا مستحق بنالیا تھا۔ (مہر منیر ص ۲۵۴)

مؤلف اصل حقیقت کی بددیانتی

مؤلف ''اصل حقیقت'' نے بجائے متعلقہ پوری عبارت کے ''مہر منیر'' کے اقتباسات سے چند ٹکڑے لکھ کر مولانا کرم الدین مرحوم کو مطعون کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ بندہ نے ''مہر منیر'' کی ساری عبارت نقل کر دی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مناظرہ جہلم میں قادیانی مناظر مبارک علی کو شکست دی جس کو لالہ آتمارام مجسٹریٹ نے بھی اپنے فیصلہ میں تسلیم کیا ہے۔ مؤلف مہر منیر نے مولانا کرم الدین مرحوم کی اس تدبیر کو ان کے زرخیز دماغ کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ جس میں مرزا قادیانی کے الہامات کی قلعی کھل گئی اور عدالت میں اس کو ذلت اٹھانا پڑی اور سیف چشتیائی کے سرقہ کے الزام سے حضرت پیر صاحب مبرا ثابت ہوئے۔ لیکن اس کو مؤلف ''اصل حقیقت'' اپنی خارجیانہ بددیانتی کے تحت یہ لکھ رہے ہیں کہ:

''کیونکہ جناب کے والد بھی اپنے بزرگ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب کے لیے کفش مار ثابت ہوئے تھے۔'' یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ حالانکہ حضرت والد صاحب نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے حریف مرزا قادیانی کو اس تدبیر سے عدالت میں جھوٹا ثابت کیا۔ اور اس کو حضرت پیر صاحب کی کرامت قرار دیا۔ چنانچہ مولانا ذبیر رحمۃ اللہ

لکھتے ہیں:

ہمارے اصلی معین و مددگار ہمارے حضرات مشائخ عظام تھے۔ حضرت اقدس پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف کی خاص توجہ ہمارے شامل حال تھی اور آپ ہی کی دعاء و برکت سے ہمارے جملہ مراحل کامیابی سے طے ہوتے رہے۔ ابتداء میں جب مقدمات شروع ہوئے تو میں حضرات والا کی خدمت میں باریاب ہوا اور عرض کی کہ اب دعاء کا وقت ہے اور دوسری طرف سے ہر قسم کے منصوبے قائم ہو رہے ہیں ادھر مرزا جی کو یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور ان کے مخالف تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس بات سے تم بالکل بے فکر رہو۔ ان شاء اللہ تم کامیاب ہو گے اور مرزا جس قدر زور خرچ کرے اس مقابلہ میں ہزیمت اٹھائے گا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک یہ معرکہ رہے ایک خاص وقت دعاء کے لیے مخصوص رہے گا اور حق تعالیٰ سے نصرت و کامیابی کی دعا کی جایا کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایسے مشکل معرکے پیش آئے کہ ہر طرح سے مایوسی کا سامنا نظر آتا تھا لیکن حضرت پیر چشتی مدظلہ کی کرامت اپنا ایسا کرشمہ دکھاتی تھی کہ عقل حیران رہ جاتی تھی (تازیانہ عبرت ص ۱۶۵)

(ب) تازیانہ عبرت کے ابتدائیہ میں ''نذر محقر'' کے تحت والد مرحوم لکھتے ہیں:

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو خلوص قلب سے بندگان عالی قبلہ خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب مدظلہ سجادہ نشین گولڑہ شریف کے اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں۔ ماشاء اللہ آپ اوج فضل و کمال کے نیرّ تاباں اور سپہر علم و عرفان کے مہر درخشاں ہیں۔ اسلام و اسلامیان کو آپ کی ذات والا پر فخر و ناز ہے۔ آپ ہی وہ مقدس ہستی ہیں جو شرف حسب و نسب کے علاوہ جملہ علوم ظاہریہ و باطنیہ میں کمال رکھتے ہیں.... اس کتاب کو آپ کے نامِ نامی سے معنون کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن مقدمات کا کتابِ ہذا میں تذکرہ ہے، ان میں خاکسار کو کامیابی اور مخالف فریق کو شرمناک شکست خدا کے فضل اور آپ کی دعاء و برکت کا نتیجہ ہے۔

فرمائیے! مولانا محمد کرم الدین رحمۃ اللہ صاحب کی طرف سے حضرت پیر مہر علی شاہ

صاحب سے نیاز مندی اور عقیدت مندی کا اظہار ہے یا کفش ماری کا؟ مولانا مرحوم اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت پیر صاحب کی دعاء و برکت سے مجھے اس مقدمہ میں کامیابی ہوئی۔ مؤلف ''اصل حقیقت'' میرے اس اعتراض کا ناکام اور خلاف حقیقت جواب دے رہے ہیں جس میں بندہ نے لکھا تھا کہ:

''مولانا محمد اسحق سندیلوی اکابر کے لیے کفش بردار نہیں بلکہ کفش مار ثابت ہوئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا سندیلوی نے مسئلہ مشاجرات صحابہ اور مسئلہ حسینؓ ویزید میں اہل السنّت والجماعت کے اجماعی عقیدہ اور اکابر دیوبند کے تحقیقی مسلک کا رد کیا ہے۔ یہ ہے ان کی کفش ماری کا ثبوت''

مؤلف مہر منیر کا اعتراف

مولانا فیض احمد صاحب فیض لکھتے ہیں: ''عدالت نے اپنے فیصلہ میں مولوی کرم دین کو حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کا مرید لکھا ہے مگر یہ مرید نہیں تھے بلکہ رد شیعہ میں انہوں نے جو کتاب لکھی ہے (یعنی آفتاب ہدایت) اس میں بعض باتیں حضرت کے مسلک کے خلاف بھی تحریر کی ہیں۔ البتہ اپنی کتاب تازیانہ عبرت میں حضرت کے ساتھ بے حد محبت اور نیاز کا اظہار کیا ہے۔ اور گورداسپور کے مقدمات میں اتنی بڑی منظم اور با اثر جماعت کے مقابلہ میں تن تنہا ہوتے ہوئے محفوظ اور بالآخر کامیاب رہنے کو حضرت کی خاص توجہ اور دعاء سے منسوب کیا ہے۔ (مہر منیر ص ۲۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا فیض احمد فیض کے نزدیک بھی مولانا محمد کرم الدین مرحوم حضرت پیر صاحب کے عقیدت مند اور نیاز مند تھے نہ کہ مخالف۔

(ب) کاش کہ مؤلف ''مہر منیر'' ان بعض باتوں کی نشاندہی کر دیتے جن میں مولانا دبیر ؒ مرحوم نے حضرت پیر صاحب کے مسلک کے خلاف کیا ہے کیا وہ باتیں مسلک اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہیں یا صرف حضرت پیر صاحب کے شخصی طریق کار کے خلاف ہیں؟

آفتاب ہدایت اور حضرت پیر صاحب کا فتویٰ

مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک استفسار حضرت پیر صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا تھا جس کا جواب حضرت کی طرف سے دیا گیا تھا۔ اس استفتاء اور فتویٰ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

سوال:...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قذف کرنے والا (یعنی تہمت لگانے والا) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو اصحابِ رسول نہ سمجھنے والا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹیوں کو سوائے فاطمۃ الزہراؓ کے نہ ماننے والا قرآن مجید کا منکر اور اس کو محرف کہنے والا۔ لوگوں کو دینِ حق (طریق اہل سنت والجماعت) سے ہٹانے والا کافر ہے یا نہ؟ ایسے شخص سے رشتہ داری، نکاح کرنا، ان سے دوستی اور یارانہ گانٹھنا ایسے شخصوں کے عرسوں میں شمولیت۔ شادی وغمی میں ان سے شرکت۔ ان سے مل کر کھانا اور پینا۔ بطور دوستی، بھائی بندی جائز ہے یا نہ؟ اور جو شخص ایسے شخص سے محبت و پیار کرے۔ اس سے برتاؤ اور سلوک جائز ہے یا نہ؟ جواب شافی دے کر پوری تسلی فرمائیں۔

الجواب:...... جس شخص یا فرقہ میں یہ اوصاف ہوں جو سوال میں مذکور ہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ایسے شخص یا گمراہ فرقہ سے حسب اقتضاء الحُبّ لِلّٰہ والبُغضُ لِلّٰہ۔ خلط ملط اور راہ ورسم رکھنا منع ہے۔ شیخین کو برا کہنے والا جمہور المسلمین کے نزدیک کافر ہے اور قرآن کریم کا منکر اور تحریف کنندہ بھی مسلمانی سے خارج ہے۔ باقی امور کا بھی یہی جواب ہے۔ ایسے اشخاص سے برتاؤ کرنا اور اتحاد رکھنا بالکل ممنوع ہے (آفتاب ہدایت آٹھواں ایڈیشن ص ۲۶۹ ناشر مکتبہ رشیدیہ چکوال)

② مؤلف مہر منیر نے مقدمہ کے واقعات مذکورہ لکھنے کے بعد آخر میں یہ لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولوی صاحب مرحوم پر رحم فرمائیں اگر واقعات ایسے ہی تھے جیسے کہ بیان ہوئے ہیں اور ان کی تہ میں کوئی اور نامعلوم واقعات یا مجبوری کارفرما نہ تھی تو ایک ایسے کام کے لیے جو دیگر معقول طریقوں سے بھی سلجھ سکتا تھا ایک ایسا طریق کار

اختیار کرنا جس میں ان کے مرحوم عمزاد بھائی کی موت پر آوازے کسے گئے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ جیسی شخصیت گرامی کی تصنیف لطیف پر شبہات واعتراضات کئے گئے اور پھر خود ان کی اپنی ذات ایک طویل پریشانی اور زیر باری کا شکار ہوئی کس حد تک دانشمندانہ تھا؟'' (مہرِ منیر ص ۲۵۵)

مؤلف ''اصل حقیقت'' نے مہرِ منیر کی باقی عبارات چھوڑ کر صرف مندرجہ عبارت ص ۴۳ پر درج کردی ہے۔ اور پھر اس کے تحت حاشیہ میں یہ لکھ دیا کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے معاصرین کو ان کے متعلق یہ بھی شبہ تھا کہ کہیں دشمنانِ اسلام سے خاموشی سے رقم لے کر تو انہوں نے اپنے بزرگوں پر تہمت طرازی نہیں کی۔

یہ ہے خارجی ذہن کی بدگمانی۔ حالانکہ مولانا فیض احمد فیض کی یہ مراد نہیں ہے۔ مولانا محمد کرم الدین مرحوم نے جس پامردی اور استقامت سے تنہا اس قادیانی ارتداد کے فتنہ کا مقابلہ کیا اور اس میں ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری بھی نہ دکھائی اور بالآخر مرزا قادیانی کو عدالت میں کذاب ثابت کیا۔ کیا ان واقعات کے بعد کوئی اہل دین ودیانت مولانا مرحوم پر ایسا شبہ کرسکتا ہے؟

(۲)..... مؤلف مہرِ منیر کی شکایت کی یہ وجہ ہے جو انہوں نے بیان کردی ہے کہ مرزا قادیانی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کوئی اور طریق کا اختیار کرنا چاہیے تھا کیونکہ اس کی وجہ سے حضرت پیر صاحب گولڑوی کی تصنیف پر بھی شبہات کیے گئے لیکن اس طریق کار کا نتیجہ جب صحیح نکلا۔ مرزا قادیانی ذلیل ورسوا ہوا اور حضرت پیر صاحب کی تصنیف پر شبہات کا ازالہ ہوگیا تو اب اس تدبیر کو کیونکر قابل اعتراض قرار دیا جاسکتا ہے؟

حضرت یوسف علیہ السلام کی تدبیر

قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سگے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کے لیے ایک تدبیر اختیار فرمائی۔ اور خفیہ اپنے سگے بھائی (بنیامین) کے سامان میں شاہی پیمانہ رکھوا دیا جس کے نتیجہ میں شاہی کارندوں نے وہ پیمانہ بنیامین کے تھیلے

(خرجی) سے برآمد کرلیا۔ اس بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو بحیثیت چور کے اپنے پاس رکھ لیا علاوہ ازیں شاہی کارندوں نے سب قافلہ والوں کو بھی چور کہا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ (سورہ یوسف آیت ۷۰) پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو۔ تم تو البتہ چور ہو۔''

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ صاحب بانی دارالعلوم کراچی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس روکنے کا یہ حیلہ بھی کیوں کیا۔ جبکہ ان کو معلوم تھا کہ والد ماجد پر خود ان کی مفارقت کا صدمہ نا قابل برداشت تھا۔ اب دوسرے بھائی کو روک کر ان کو دوسرا صدمہ دینا کیسے گوارا کیا۔ دوسرا سوال اس سے زیادہ اہم ہے کہ بے گناہ بھائیوں پر چوری کا الزام لگانا۔ اور اس کے لیے یہ جعلسازی کہ ان کے سامان میں خفیہ طور سے کوئی چیز رکھ دی اور پھر علانیہ ان کی رسوائی ظاہر ہو یہ سب کام نا جائز ہیں۔ اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے ان کو کیسے گوارا کیا۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

ان سب سوالوں کا صحیح جواب وہی ہے جو قرطبی اور مظہری وغیرہ نے دیا ہے کہ اس واقعہ میں جو کچھ کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے وہ نہ بنیامین کی خواہش کا نتیجہ تھا نہ یوسف علیہ السلام کی اپنی تجویز کا۔ بلکہ یہ سب کام بامر الٰہی اس کی حکمت بالغہ کے مظاہر تھے جن میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء وامتحان کی تکمیل ہو رہی تھی اس جواب کی طرف خود قرآن کی اس آیت میں اشارہ موجود ہے: كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ یعنی ہم نے اسی طرح تدبیر کی یوسف کے لیے اپنے بھائی کو روکنے کی۔''

(تفسیر معارف القرآن جلد پنجم ص ۱۰۴/۱۰۵)

اب دیکھئے مولف ''اصل حقیقت'' ایک معصوم پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام پر اس تدبیر کی بنا پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں کہ آپ کی اس تدبیر سے اہل قافلہ اور بنیامین کو چور قرار

دیا گیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی پریشانی میں اس سے اضافہ ہو گیا تھا۔ بظاہر تو یہ تدبیر سخت قابل اعتراض ہے لیکن جب اس کی حقیقت اور انجام کو دیکھا جاتا ہے تو تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ اور مولانا کرم الدین مرحوم تو معصوم بھی نہیں ہیں لیکن ان کی اس تدبیر کا جب نتیجہ دیکھا جاتا ہے تو پھر ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت پیر صاحب کی وقتی پریشانی کا بھی ازالہ ہو گیا اور مرزا قادیانی کی نبوت کی بھی قلعی کھل گئی اور ہندو مجسٹریٹ لالہ آتما رام نے بھی مولانا دبیر مرحوم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

مرزا قادیانی کی سزایابی

مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر کے زیر بحث استغاثہ کی بنا پر لالہ آتمارام مجسٹریٹ گورداسپور نے اس مقدمہ کا مفصل فیصلہ لکھا جو تازیانہ عبرت میں منقول ہے جس کے آخر میں لکھا ہے کہ:

پس ثابت ہوا کہ ملزم نمبر ۱ (یعنی مرزا قادیانی) مجرم زیر دفعہ ۵۰۰ اور ملزم نمبر ۲ (یعنی حکیم فضل دین) زیر دفعہ ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند ہے اور ان کو ان جرائم کا مجرم تحریر ہٰذا کی رو سے قرار دیا جاتا ہے۔ اب فیصلہ کرنا نسبت سزا کے رہا۔ مدعا سزا سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ مجرم کو بدلہ اس کے فعل کا دیا جائے۔ بلکہ اس کو آئندہ کے لیے ایسے جرم سے روکنے کا منشا ہوتا ہے۔ صورت ہٰذا میں ایک خفیف جرمانہ سے یہ مطلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ خفیف رقم جرمانہ کی موثر اور رکاوٹ پیدا کرنے والی نہ ہو گی اور غالباً ملزم اسے محسوس نہ کرے گا۔ ہر روز اسے بے شمار چندہ پیروؤں سے آتا ہے جو ملزم نمبر ۱ کے لیے ہر قسم کا ایثار کرنے کو تیار ہیں ان حالات میں تھوڑا سا جرمانہ کرنے سے ایک خاص گروہ کو جو بیگناہوں کا ہے سزا ہو گی۔ دراصل اصلی مجرمان پر اس کا کچھ اثر نہ پڑے گا۔ ملزم نمبر ۱ کی عمر کا اور حیثیت کا خیال کر کے ہم اس کے ساتھ رعایت برتیں گے ملزم نمبر ۱، اس امر میں مشہور ہے کہ وہ سخت اشتعال دہ تحریرات اپنے مخالفوں کے برخلاف لکھا کرتا ہے اگر اس کے اس میلان طبع کو برمحل نہ روکا گیا تو غالباً امن عامہ میں نقص پیدا

ہوگا۔ ۱۸۹۷ء میں کپتان ڈگلس صاحب نے ملزم کو ہیچو قسم تحریرات سے باز رہنے کے لیے فہمائش کی تھی۔ پھر ۱۸۹۹ء میں مسٹر ڈوئی صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس سے اقرار نامہ لیا کہ ہیچو قسم نقص امن والے فعلوں سے باز رہے گا۔ نظر بر حالات بالا ایک معقول تعداد جرمانہ کی ملزم نمبر ا پر ہونی چاہیے اور ملزم نمبر ۲ پر اس سے کچھ کم۔ لہٰذا حکم ہوا کہ ملزم نمبر ا ۵۰۰ روپے جرمانہ دے اور ملزم نمبر ۲ ۲۰۰ روپے ورنہ اوّل الذکر چھ ماہ اور آخر الذکر پانچ ماہ قید محض میں رہیں۔ حکم سنایا گیا۔ ۸/ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔ دستخط حاکم (تازیانہ عبرت ص ۱۶۰)

مؤلف اصل حقیقت کی علمی خیانت

مجسٹریٹ کا فیصلہ ناظرین کے سامنے آ گیا۔ جس میں مرزا قادیانی اوران کے مرید فضل دین کو جرمانہ یا قید محض کی سزا دی گئی ہے اوراس کی بنا مرزا قادیانی کی بدزبانی قرار دی گئی ہے اور مستغیث (مولانا کرم الدین رحمہ اللہ) کے استغاثہ اور دعویٰ کو درست قرار دیا گیا ہے۔ اور مرزا قادیانی کی اس سزا کا ذکر مؤلف مہر منیر نے بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: ''اس مقدمہ میں مرزا صاحب کو پانچ سو روپے جرمانہ یا بعدم ادائیگی جرمانہ چھ ماہ قید اور حکیم فضل دین کو دوسو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قیدی کا حکم ہوا'' (ص ۲۵۳)

لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' نے مہر منیر کی یہ عبارت نہیں لکھی جس میں مرزا قادیانی کی سزایابی اور مولانا محمد کرم الدین دبیر کی مقدمہ میں واضح کامیابی کا ذکر تھا۔ بلکہ صرف اس کے بعد کی عبارت درج کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا محمد کرم الدین مرحوم کے خلاف ہی اس مقدمہ کا فیصلہ ہوا۔ مؤلف مہر منیر نے مجسٹریٹ کا فیصلہ مذکور لکھنے کے بعد (جس میں مرزا قادیانی اور فضل دین کو سزا ہوئی تھی) لکھا ہے کہ:

مگر اپیل کی بنا پر انگریز سیشن جج نے ان کو اس لیے بری کر دیا کہ اپنی واضح اور ثابت شدہ فریب دہی کے باعث مستغیث یعنی مولوی کرم دین نے اپنے آپ کو ان خطابات کا مستحق بنا لیا تھا۔''

لیکن مؤلف اصل حقیقت نے یہ عبارت نہیں لکھی جس میں اپیل اور انگریز سیشن جج کا ذکر تھا بلکہ یہ لکھ دیا کہ:

عدالت نے اپنے فیصلے میں لکھا تھا کہ اپنی واضح اور ثابت شدہ فریب دہی کے باعث مستغیث یعنی مولوی کرم دین نے اپنے آپ کو لئیم اور کذاب مہین کے خطابات کا مستحق بنالیا تھا۔'' (اصل حقیقت ص ۴۲)

یہ ہے خارجی مؤلف کی علمی خیانت اور فریب دہی۔

(ب) یہ فیصلہ کے مندرجہ الفاظ ایک انگریز سیشن جج کے ہیں۔ اور انگریز ہی کا مرزا قادیانی خود کاشتہ پودا تھا۔ وکیل بھی اس اپیل میں مرزا قادیانی نے پیروی کے لیے اپنے مرید وکیل کے علاوہ ایک انگریز وکیل مسٹر بیچی کیا تھا سیشن جج بھی انگریز اور وکیل بھی انگریز تو وہ مرزا قادیانی کی کیوں نہ رعایت کریں۔ انگریز سیشن جج نے مرزا قادیانی کی اس توجیہ کو قبول کیا جس کو ہندو مجسٹریٹ لالہ آتمارام نے مسترد کر دیا تھا کیونکہ مرزا قادیانی، کذاب، لئیم اور مہین کے معانی ہلکے بیان کرتا تھا اور مستغیث (مولانا کرم الدین رحمہ اللہ) نے ان کے معانی سخت ثابت کئے تھے اور کتب لغت پیش کی تھیں۔

مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری کی شہادت

اس مقدمہ میں والد صاحب مرحوم نے مولانا ثناءاللہ صاحب مناظر اہل حدیث کو بھی بطور گواہ صفائی طلب کیا تھا۔ حالانکہ اختلافی مسائل میں حضرت مولانا کرم الدین صاحب اور ان کے مناظرے بھی ہوئے تھے اور میر پور اور چک رجادی ضلع گجرات کے مناظرے تو بڑے معرکۃ الآراء تھے لیکن اس کے باوجود مولانا ثناءاللہ صاحب مرحوم نے مولانا دبیر مرحوم کے موقف کی تائید فرمائی تھی چنانچہ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

۱۷ دسمبر کو مرزا صاحب کے مشہور ومقابل (فاتح قادیان) مولوی ابوالوفاء صاحب مولوی فاضل امرتسری کی شہادت پر جرح ہونی تھی اور اس تاریخ کو مرزائی دُور دُور سے آئے ہوئے تھے اور علاوہ ان کے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے تھے کیونکہ

مرزائیوں میں یہ مشہور ہو رہا تھا کہ دیکھو تو مولوی ثناء اللہ صاحب اب ہمارے قابو آیا ہے۔ جرح سے اس کی ہوش مار دیں گے اور تمام مسائل متنازعہ وفات مسیح وغیرہ سب سے اسی شہادت میں صاف کرائے جائیں گے۔ مولوی صاحب پر جرح شروع ہوئی اور بہت سے جماعت مرزائی مولویوں کی امداد کے لیے پاس بٹھائی گئی جن میں مولوی محمد احسن صاحب امروہی بھی تھے۔ متفقہ امداد سے سوالات مرتب ہوتے اور فاضل گواہ کے پیش کئے جاتے لیکن جواب سننے پر مرزائیوں کو غشی آ جاتی تھی۔ مولوی فاضل گواہ نے مرزائی جماعت کی کچھ پیش نہ جانے دی۔ ۱۷ر سے شروع ہو کر ۱۹ر تک جرح ہوتی رہی لیکن مرزائیوں کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

مولانا کرم الدینؒ کی شخصیت (مجسٹریٹ)

لالہ آتما رام مجسٹریٹ نے مرزا قادیانی کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ:

یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مستغیث اپنے علاقہ میں ایک معزز آدمی ہے اور یہ کہ مولوی ہے۔ عربی علم ادب اور علوم دینیہ کا فاضل ہے اور جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا مالک ہے اور حکام اس کی عزت کرتے ہیں ایک مذہبی کتاب میں جو مسلمانوں کے استعمال کے واسطے چھاپی گئی ہے اس کو ایسے آدمی کے طور پر ظاہر کرنا جو پیدائشی کمینہ ہو بڑا ہی عادی جھوٹا ہو۔ بڑا بہتان لگانے والا ہو۔ یہ ایک سخت قسم کا الزام ہے جس سے اس پر ہمیشہ کے لیے دھبہ لگتا ہے کہ وہ کمینہ بدچلن آدمی ہے۔ (تازیانہ عبرت ص ۱۵۷/ ۱۵۸)

فرمائیے! ایک ہندو مجسٹریٹ مقدمہ کی تفصیلات جاننے کے بعد مولانا محمد کرم الدین کی صفائی پیش کرتا ہے ان کا دفاع کرتا ہے اور مرزا قادیانی کے الزام کو غلط قرار دیتا ہے لیکن پھر مولف ''اصل حقیقت'' برعکس اس کے مرزا قادیانی کے الزامات کی تصدیق کرتے ہیں اور مولانا دبیر رحمۃ اللہ مرحوم کو ان کی وفات کے بعد بھی مطعون کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں اور کسی طرح بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوتا جب تک کہ دل

کھول کر تبرابازی نہ کریں۔ ع

بہ بیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا

کیا پاکستان کے اس خارجی ویزیدی گروہ میں کوئی ایک بھی اہل فہم ودیانت شخص نہیں ہے؟ اَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ۔

حضرت گنگوہی مقتدائے زماں ہیں (حضرت گولڑوی رحمہ اللہ)

مولانا فیض احمد فیض لکھتے ہیں: حضرت رحمہ اللہ سے غیر مقلد وہابیوں کی مخالفت کی اصل وجہ تو وہی تھی جو قبل ازیں ذکر ہو چکی ہے۔ لیکن مولوی عبداللہ غزنوی کے ایک مرید مولوی عبدالاحد خانپوری نے طاعون زدہ مقام سے خروج کے متعلق حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کے ایک فتویٰ کو سامنے لاتے ہوئے بحث ومباحثہ کی ابتدا کی۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ تھا کہ: طاعون زدہ علاقہ میں بلاضرورت جانا گناہ ہے اور طاعون زدہ جگہ سے بخوف طاعون بھاگنا حرام ہے البتہ ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں اور اسی شہر کے آس پاس جنگلوں اور باغوں میں چلے جانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اگر سب بستی والے چھوڑ کر چلے جائیں اور ایک شخص بھی وہاں نہ رہے تو یہ درست ہے۔ اس مضمون کا ایک فتویٰ مولوی عبدالغفار مدرس انوار العلوم تو انگر ضلع بلیا نے بھی دیا ہے اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے ایک استفتاء پر ان فتوؤں کی تائید فرمائی تھی اور مزید تفصیلی بحث کر کے دلائل وبراہین دیئے تھے۔ آپ کا یہ مفصل فتویٰ فتاوی مہریہ میں درج ہے۔ (مہر منیر ص ۲۶۴)

مؤلف مہر منیر کی مذکورہ عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے طاعون کے بارے میں جو فتویٰ دیا تھا حضرت پیر صاحب نے اس کی تائید فرمائی تھی۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس یہ ہے کہ حضرت پیر صاحب نے اپنے فتویٰ کی تائید میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ پیش کیا تھا۔ چنانچہ اسی مسئلہ طاعون پر حضرت پیر صاحب گولڑوی اور حضرت پیر عبدالعلی صاحب میتالوی مرحوم کی سخت بحث

ہوئی تھی۔ اور فریقین کی طرف سے رسائل شائع ہوئے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالعلی صاحب مستالوی مرحوم نے ایک مطبوعہ رسالہ میں حضرت پیر رحمۃ اللہ صاحب کی عبارت لفظ (قال) کے تحت یہ لکھی ہے:

لہٰذا ہم نے سائلین عن الصورۃ المسطورۃ کو بقصد اجتناب از تعفّن امکنہ متعفنہ وارادہ تبدیل آب وہوا جواز خروج از مقام الطاعون کا فتویٰ دیا ہے۔ جیسا کہ مقتدائے زمان حضرت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم ومولوی شیخ محمد عبدالغفار صاحب نے دربارۂ جواز خروج فتویٰ دیا ہے جس کی نقل ذیل میں موجود ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمھر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود** (رسالہ الطاعون ص ۶۱)

اس سے تو واضح ہوتا ہے کہ حضرت پیر صاحب نے حضرت گنگوہی کا فتویٰ زیر بحث مسئلہ میں اپنی تائید میں پیش فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت پیر صاحب تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ کو مقتدائے زمان لکھتے ہیں لیکن مولانا فیض احمد فیض ''مہر منیر'' میں حضرت گنگوہی کو ایک تحقیر کے انداز میں صرف مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس میں وہ کیوں اپنے حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ صاحب کی عقیدت کو نظر انداز کر دیتے ہیں؟

جھوٹ نمبر ۴

مؤلف ''اصل حقیقت'' لکھتے ہیں: مثلاً چکوالی صاحب اپنے مدرسہ کی سالانہ روئیداد ۱۹۸۰ء/۱۹۸۱ء کے صفحہ ۱۹ پر حضرت مولانا حسین رحمۃ اللہ علی کے شاگرد خصوصی حضرت مولانا غلام اللہ خان اور ان کے رفقاء کے خلاف لکھتے ہوئے یہ اپیل کرتے ہیں کہ: صحیح العقیدہ علمائے دیوبندان علماء سے انقطاع کر لیں'' اب پھر یہی بات ''شہادت حسین'' نامی پمفلٹ کے دیباچہ میں دوہرائی ہے۔'' (اصل حقیقت ص ۱۹)

اس سالانہ رُوداد اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے دیباچہ میں تو حضرت مولانا حسین علی

صاحب کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اور نہ ہی آپ کے شاگردوں میں سے کسی کا نام ہے۔
(ب) اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کی وفات اس سے پہلے ۲۷رمئی ۱۹۸۰ء (۲ر رجب ۱۴۰۰ھ) کو ہوگئی تھی۔ کیا کسی شخص کی وفات کے بعد بھی اس سے انقطاع تعلق کی اپیل زندوں سے کی جاسکتی ہے؟ مؤلف کا یہ جھوٹ کوہ ہمالیہ سے بھی بڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بغض علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ان کو بالکل اندھا کردیا ہے اور خارجی اندھیروں میں یہ لوگ ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ بھی عبرتناک کسی کی حالت ہوسکتی ہے؟ واللہ الہادی

مسئلہ حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید اختلاف

مسئلہ حیات النبی کے انکار کی وجہ سے تمام اکابر دیوبند نے مولوی غلام اللہ خان اور ان کی پارٹی سے انقطاع کرلیا تھا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کی کوشش سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے تمام خلفاء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور نے مولوی غلام اللہ صاحب کے سالانہ جلسہ سے بائیکاٹ کردیا تھا۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے ان کے جلسہ میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب وغیرہ اکابر جمعیت ان کے سخت مخالف ہوگئے تھے۔ مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے علماء وزعماء حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے زورشور سے ان کی مخالفت شروع کردی ابن امیر شریعت مولانا حافظ عطاء المنعم بخاری صاحب ان کے سخت مخالف تھے۔ ان کی زبان سے خود میں نے ملتان میں مولوی عنایت اللہ شاد صاحب بخاری کے خلاف سخت الفاظ سُنے تھے۔ تحریری اور تقریری مناظرات تک نوبت پہنچ گئی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ نے سب سے زیادہ اس پارٹی کے خلاف مہم چلائی۔ مناظر اسلام حضرت مولانا لعل حسین اختر نے ان کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور علامہ خالد محمود صاحب ایم اے پی ایچ ڈی نے علمائے حق کی حمایت میں

بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور شاہ صاحب بخاری کی طرف سے مناظرہ کے چیلنج کے جواب میں بندہ نے ان کے نام کھلی چٹھی میں چیلنج قبول کیا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی صاحب ثالث تجویز ہوئے۔ انہوں نے تحریری مناظرہ شروع کرایا لیکن شاہ صاحب نے تحریری مناظرہ سے انکار کر دیا۔ میری کھلی چٹھی اور شاہ صاحب کا جواب اور ان کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو (ترجمان اسلام لاہور ۲۷/ اپریل ۱۹۶۲ء) مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمہ اللہ نے ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور میں ان کا سخت تعاقب کیا۔ خلاصہ یہ کہ ملک بھر میں اس پارٹی کا دائرہ تنگ ہو گیا۔ یہ حالات فریقین کو معلوم ہیں۔ ترجمان اسلام لاہور اور تعلیم القرآن راولپنڈی کی فائلیں گواہ ہیں۔ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب فاضل دیوبند (سابق امیر تحریک خدام اہل سنت ضلع گجرات) نے بڑا مضبوط کردار ادا کیا۔ آپ نے سالہا سال مولانا عنایت اللہ صاحب کی عقیدت اور نیابت میں گزارے تھے۔ لیکن مسئلہ حق کی غیرت کی وجہ سے وہ شاہ صاحب کے مخالف ہو گئے تھے اور انہوں نے گجرات میں اپنا علیحدہ مرکز قائم کر دیا۔ ایک مسجد کا نام مسجد حیات النبیؐ رکھا۔ پھر اپنا ایک مستقل مرکز جب بنا لیا تو مدرسہ کا نام مدرسہ حیات النبیؐ اور مسجد کا نام مسجد امام اعظم ابوحنیفہ رکھا اور وفات سے پہلے مرحوم نے اپنا سارا ادارہ باضابطہ طور پر حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم کی تحویل میں دے دیا۔...... اب ہم مؤلف اصل حقیقت سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ سارے اکابر دیوبند مولانا غلام اللہ خان اور ان کی جماعت کے اس لیے مخالف ہو گئے تھے کہ ان کو مناظرہ سلانوالی میں مولانا کرم الدین دبیر مرحوم کی شکست کا صدمہ تھا اور اس طرح انہوں نے حضرت مولانا حسین علی صاحب کے شاگردوں سے اس شکست کا انتقام لینے کی کوشش کی تھی؟

مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ کا رجوع

۱۹۶۲ء میں جب حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند پاکستان کے دورہ پر تشریف لائے تو مولانا غلام اللہ خان صاحب نے آپ کو اطمینان دلایا کہ ہم اکابر کے مطابق مسئلہ حیات النبی کو مانتے ہیں۔ اسی دوران حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کی دعوت پر جامعہ حنفیہ جہلم تشریف لائے تو وہاں حضرت قاری رحمۃ اللہ صاحب نے مولانا محمد علی جالندھری۔ مولانا عبدالحنان ہزاروی کی موجودگی میں ایک تحریر بنائی۔ بندہ بھی وہاں حاضر تھا بندہ نے عرض کیا کہ حضرت فریق ثانی کے علماء حیات برزخی سے صرف یہ مراد لیتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کا جسم تو قبر میں محفوظ ہے لیکن روح کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت قاری رحمۃ اللہ صاحب نے یہ عبارت لکھی:

''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

حضرت قاری رحمۃ اللہ صاحب جہلم سے راولپنڈی تشریف لے گئے وہاں جناب مولانا قاری محمد امین صاحب کی جامع مسجد (ورکشاپی محلہ) میں آپ نے قیام فرمایا۔ حضرت قاری رحمۃ اللہ صاحب نے علماء کے سامنے حسب ذیل تحریر پیش کی:

عامۂ مسلمین کو فتنہ نزاع وجدال سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارتِ ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے:

''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا

آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں'' (۱۸رمحرم ۱۳۸۲ھ ۔ ۲۲رجون ۱۹۶۲ء)

اس تحریر پر حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ صاحب کے علاوہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری۔ مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے دستخط کیے۔ راقم (خادم اہل سنت) اور مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی زید مجدہم بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی یہ متفق علیہ تحریر ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اگست ۱۹۶۲ء میں بھی منقول ہے۔ اس اعتقادی مصالحت نامہ کے بعد بڑی خوشیاں منائی گئیں مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا غلام اللہ خاں آپس میں بغلگیر ہوئے اور رات کو اس خوشی میں وہاں جلسہ بھی ہوا۔ لیکن مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نہ اس اجلاس میں آئے اور نہ انہوں نے اس مشترکہ عقیدہ کو آج تک تسلیم کیا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بنیاد ہے اس کے بعد روح مبارک کے جسدِ اطہر سے تعلق کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ لیکن اس اختلاف کی وجہ سے اصل مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجروح نہیں ہوتا۔ البتہ جو عقیدہ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اور ان کی پارٹی کا ہے وہ اہل حق کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے وہ نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر سے روحِ مبارک کا تعلق قبر مبارک میں مانتے ہیں اور نہ قبر شریف کے پاس درود وسلام کے سماع کے قائل ہیں۔

مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کا عقیدہ

۲رربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ کو ملتان میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا ایک اجلاس مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری (صدر جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان) منعقد ہوا جس میں حسب ذیل قرارداد پاس کی گئی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصّلوٰۃ والسلام علٰی من لانبی بعدہ اما بعد۔

ہمارے شیخ حضرت علامہ مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان سے تعلق رکھنے والے

جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کے تمام علما ومشائخ کا کتاب وسنت۔ ارشادات سلف اور اقوال ائمہ متقدمین حنفیہ کی روشنی مین اپنا مسلک تو یہ ہے کہ سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی ﷺ ثابت نہیں لیکن جولوگ قبر شریف کے پاس یعنی عند قبر النبی ﷺ صرف صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں ہم ان کو کافر نہیں کہتے بلکہ ان کو اہل سنت و جماعت سے خارج بھی نہیں قرار دیتے۔ جو شخص ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کافر سمجھے ہماری جماعت اشاعت التوحید والسنّت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح جو لوگ سماع اموات عند القبور کے قائل ہیں ان کا بھی ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔'' اس عقیدہ پر حسب ذیل علماء کے دستخط ہیں۔

۱۔ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری

۲۔ مولوی عبد الرزاق صاحب ابن حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ

۳۔ حکیم نور احمد صاحب ہزاروی

۴۔ مولوی احسان الحق صاحب (جانشین مولانا غلام اللہ خان مرحوم)

۵۔ مولوی محمد حسین صاحب نیلوی مدرس ضیاء العلوم سرگودھا۔

۶۔ مولوی خلیل احمد صاحب

۷۔ مولوی احمد سعید صاحب (ککڑ ہٹہ ضلع ملتان)

۸۔ مولوی محمد حسین صاحب ہزاروی

۹۔ مولوی محمد ضیاء القادری

۱۰۔ مولوی خلیل احمد صاحب خطیب جامع مہاجرین واں بھچراں میانوالی۔

۱۱۔ قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ)

۱۲۔ مولوی عبد الغنی صاحب

۱۳۔ مولوی سجاد بخاری صاحب (ایڈیٹر ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی)

۱۴۔ مولوی ضیاء اللہ شاہ صاحب ابن مولوی عنایت اللہ شاہ بخاری۔

۱۵۔ مولوی عبد الحکیم صاحب۔

۱۶۔ مولوی مشتاق احمد صاحب

۱۷۔ مولوی عبدالستار صاحب توحیدی خطیب جامع مسجد نیا محلّہ راولپنڈی

۱۸۔ قاضی محمد امیر صاحب (میانوالی)

۱۹۔ مولوی نور محمد صاحب (ضلع ملتان)

۲۰۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب (جامع مسجد ماڈل ٹاؤن لاہور)۔

نوٹ:......اس تحریر کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ہمارے پاس موجود ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا عقیدہ

جو عقیدہ مذکورہ اراکین اشاعت التوحید والسنّت نے لکھا ہے یہ ان سے پہلے اکابر علمائے اہل السنّت والجماعت میں سے کسی کا بھی نہیں ہے اور سماع انبیاء علیہم السلام کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت مولانا حسین رحمہ اللہ علی صاحب کے استاذ حدیث قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں'' (فتاوی رشیدیہ کامل مبوب ص ۱۱۲)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا عقیدہ

میرا عقیدہ وہی ہے جو حضرات اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسدِ عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی دنیوی بھی ہے اور باعتبار عالم برزخ برزخی بھی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل السنّت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

(ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۹ر دسمبر ۱۹۶۰ء/ ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ)۔

المہند علی المفند

اکابر علمائے دیوبند کی متفق علیہ اعتقادی دستاویز المہند علی المفند ہے جس کے

مرتب فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ ہیں اس میں بھی انبیاء کرام کی قبور میں حیات برزخی جسمانی کا عقیدہ لکھا گیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

ایک استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ صاحب نے حسب ذیل فتویٰ تحریر فرمایا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں۔ آپ کے مزار پر پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سُنیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدے والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل السنّت والجماعت ہے۔ ۱۳ / جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ۔ مہر دارالعلوم دیوبند (ملاحظہ ہو تسکین الصدور مؤلفہ حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب شیخ الحدیث نصرت العلوم گوجرانوالہ) یہ بھی ملحوظ رہے کہ منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جو نماز پڑھنا مکروہ لکھا ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے جس کی توضیح تسکین الصدور میں موجود ہے۔

مقام حیات (علامہ خالد محمود خان صفدر)

جب منکرین حیات نبوی نے سارے ملک میں فتنہ اٹھایا تو علمائے دیوبند نے تقریری وتحریری طور پر ان کا تعاقب کیا اور سب سے پہلے علامہ خالد محمود صاحب ایم اے پی ایچ ڈی نے کتاب ''مقام حیات'' تالیف کی۔ جس میں مدلل طور پر مسئلہ ''حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کا اثبات کیا۔

تسکین الصدور (شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز)

اس کے بعد لاہور میں بتاریخ ۲ ؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ مطابق ۴ ؍ اگست ۱۹۶۲ء جمعیت علمائے اسلام کا مرکزی اجلاس منعقد ہوا جس میں یہ قرارداد پاس کی گئی کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر شیخ الحدیث نصرت العلوم گوجرانوالہ ایک مدلل جامع کتاب لکھیں۔ اور ضروری مشورہ کے لیے آپ حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ صاحب محدث بنوری اور حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے رجوع کریں اس اجلاس میں بندہ بھی حاضر تھا۔ چنانچہ شیخ الحدیث صاحب موصوف نے اس مسئلہ پر ایک مفصل مدلل کتاب بنام ''تسکین الصدور'' تصنیف فرمائی۔ کتاب مکمل ہونے کے بعد مدرسہ خیرالمدارس ملتان میں ۲۷ ؍ ۲۸ ؍ نومبر ۱۹۶۷ء (۲۴ ؍ ۲۵ ؍ شعبان ۱۳۸۷ھ) دو روزہ اجلاس منعقد ہوا۔ اور حاضرین کو شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب زید فضلہم نے اپنی کتاب سنائی۔ اور حسب ذیل حضرات نے اس پر تصدیقی دستخط کر دیئے۔ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری۔ مولانا مفتی محمود صاحب۔ مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتان۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری۔ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی۔ مولانا نذیر اللہ خان صاحب اور خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ کے بھی اس پر دستخط ہیں۔ (ملاحظہ ہو تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۷)

طبع دوم میں پاک و ہند کے اکابر علمائے دیوبند کی تقاریظ بھی شائع کی گئی ہیں۔

مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب اس اجماع کے پہلے منکر ہیں

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب اس میں لکھتے ہیں کہ:

یہ مسئلہ اجماعی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے اپنے دعویٰ کا ثبوت دے دیا ہے اور بغیر جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری (جو اس اجماع کے پہلے منکر ہیں) اور ان کے چند حواریوں کے اور کسی نے اس اجماع کے خلاف لب کشائی نہیں کی اور سب اس

اجماع پر خاموش رہے ہیں اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی۔ آپ اور آپ کے چند حواری اس اجماع کا انکار کر کے اور اس کے جواب سے بالکل لاجواب ہو کر الٹا ہمیں کوستے ہیں؟ اس کو کہتے ہیں الٹا بانس بریلی کو۔ (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۸۵)

اور یہ معاملہ بہت زیادہ عجیب ہے کہ:

مولانا غلام اللہ خان اور مولانا قاضی نور محمد صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجوزہ عبارت کی تائید وتصویب کر کے اپنے دستخط کر دیئے تھے اور یہ تسلیم کر لیا تھا کہ اپنی قبر شریف میں رسول اللہ ﷺ روح اور جسدِ اطہر کے تعلق سے حیات ہیں اور قبر پر درود وسلام سنتے ہیں۔ لیکن مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب اور ان کی پارٹی نے (جو مولانا غلام اللہ صاحب مرحوم کو شیخ القرآن کہتے نہیں تھکتے اور ان کی یادگار میں ''شیخ القرآن نمبر'' بھی نکالا ہے جس کے مرتب مولانا سجاد صاحب بخاری ہیں)۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کے سابق صدر مولانا قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے تسلیم کردہ عقیدہ کو بھی قرآن وحدیث کے خلاف قرار دے کر ساری امت مسلمہ سے اپنا جداگانہ عقیدہ واضح کر دیا ہے۔ اور ان منکرین حیات وصلوٰۃ عندالقبر النبوی میں مولانا غلام اللہ خان مرحوم کے صاحبزادہ اور جانشین مولوی احسان الحق صاحب بھی ہیں اور ایڈیٹر تعلیم القرآن مولوی سجاد بخاری بھی ہیں۔ اور مولوی عبدالستار صاحب توحیدی بھی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور اس پارٹی کے اہم رکن مولوی احمد سعید صاحب ککڑ ہٹوی بھی ہیں جو قائلین حیات النبی کے خلاف سخت تقریریں کرنے میں مشہور ہیں اور قائلین حیات کو مشرک تک قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن کی معنوی تحریف کر کے اپنا (خلاف حق) مسلک ثابت کرنے کی ناجائز کوشش کرتے رہتے ہیں۔

بہر حال مؤلف ''اصل حقیقت'' ہزار در ہزار پیچ وتاب کھائیں اور جھوٹ بولیں ہم پر اکابر اہل حق کے مسلک حق کا تحفظ لازم ہے اور جو لوگ اکابر دیوبند کی طرف نسبت کرنے کے باوجود حیات النبی ﷺ کے اجماعی عقیدے کے منکر ہیں ہم ان کے

ساتھ کیونکر مسلکی تعلقات وابستہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اکابر دیو بند کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں لیکن یزید کے حامی ہیں اور اس کا دفاع کرتے ہیں حالانکہ محققین اہل السنّت والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ''یزید فاسق تھا'' چنانچہ مقتدائے زماں شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ ''فاسق بے شک تھا'' (فتاویٰ رشیدیہ) اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یزید بے دولت از زمرۂ فسقہ است (مکتوبات جلد اوّل مکتوب نمبر ۲۵۱) (یزید بے دولت فاسقوں کے گروہ میں ہے) تو ان لوگوں کے متعلق میرا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے اور مسلک حق کی غیرت کا یہی تقاضا ہے کہ: موجودہ انتشار کے سدّ باب کا یہی واحد راستہ ہے کہ اکابر دیو بند کی علمی اور اعتقادی دستاویز ''المهند علی المفند'' پر اتفاق کیا جائے اور یزید کے بارے میں حضرات محققین دیو بند اور جمہور اہل سنت کے موقف کی حمایت وحفاظت کی جائے اور جو لوگ (علماء ہوں یا غیر علماء) مسلک اکابر دیو بند کی پیروی نہیں کرتے۔ مثلاً حیات النبی کا انکار کرتے ہیں یا یزید کی حمایت کرتے ہیں تو ان سے انقطاع کر لیا جائے۔ اسی طرح جو افراد یا جماعتیں حضرات خلفائے راشدین۔ امہات المومنین، اہل بیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں (سوائے چند صحابہ کے باقی سب کے ایمان کا انکار کرتے ہیں یا تنقید و جرح سے ان کی دینی عظمتوں کو مجروح کرتے ہیں) اور اہل السنّت والجماعت کے اجماعی مسلک کی پابندی نہیں کرتے۔ ان سے اشتراک واتحاد بھی مسلک حق کے لیے بہت زیادہ مہلک ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو مذہب اہل السنّت والجماعت کی اتباع، خدمت اور نصرت کی ہمیشہ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ امام الانبیاء والمرسلین ﷺ ، ۲۴ ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۲ھ/۲۰/اپریل ۱۹۸۲ء (دیباچہ ''تحقیق واثبات شہادت امام حسین وکردار یزید'' ص ۳۸، ۳۹)

مولانا بنوری رحمہ اللہ کا جامع ارشاد

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محدث بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف و متفقہ مسئلہ تھا۔ شہدا کی حیات نص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیائے کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی اور احادیث نبویہ سے عبارت النص کے ذریعہ ثابت تھی لیکن برا ہوا اختلافات اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آ کر مشتبہ ہوگئی۔ کتنے تاریخی بدیہات کو کج فہمی نے فسخ کر کے رکھ دیا۔ یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ ملاحدہ اور زنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی کیا اس دور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں اور کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی واجب القتل اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین خلیفہ برحق نہیں ثابت کیا گیا (تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۳)

کیا مؤلف ''اصل حقیقت'' اور ان کی پارٹی کے نزدیک حضرت محدث بنوری رحمہ اللہ کا یہ جامع تبصرہ ان کی تبرابازی کی زد میں نہیں آتا۔ یہ وہی حضرت بنوری ہیں جن کے جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں مولوی عظیم الدین مؤلف ''حیات سیدنا امیر المومنین یزید'' نے دورۂ حدیث پڑھا ہے اور جس جامعہ میں مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی مؤلف اظہار حقیقت'' بھی مولانا بنوری کی حیات میں معلم رہے ہیں اور جو تصریح کرتے ہیں کہ یزید صالح اور عادل خلیفہ تھا اور اب محدث بنوری کے جاری کردہ بینات کراچی میں میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اول کی تائید میں مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے مفصل تبصرہ کی اشاعت سے دل گرفتہ ہوکر جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے علیحدہ ہوچکے ہیں۔ تلك الايام نداولها بين الناس (ارشاد خداوندی ہے ''کہ یہ دن ہیں جو ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۰) یہ وہی مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی ہیں جو مولانا سندیلوی کے پیر بھائی اور نیازکیش تھے لیکن ان کے غلط مسلک کی تردید کے لیے مجبور ہوگئے کیونکہ اصل مقصد مسلک حق کی اشاعت وحفاظت ہے نہ کہ ناجائز طور پر شخصی لحاظ و مداہنت۔

فرضی جھوٹ نمبر ۳ کا جواب

میں نے اپنی کتاب: بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسین رضی اللہ عنہ ص ۵۴۲ کے حاشیہ پر لکھا تھا: حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب صدیقی موصوف نے ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے جواب میں ایک محققانہ کتاب بنام: ''اظہار حقیقت بجواب'' خلافت وملوکیت'' لکھی ہے جو پاکستان میں دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ تجدید سبائیت کے نام سے ۱۹۶۵ء میں جمعیت علمائے اسلام کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ مودودی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' میں خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ پر جو مطاعن وارد کئے ہیں حضرت مولانا موصوف نے ''اظہار حقیقت'' میں علمی طور پر مکمل ابطال کر دیا ہے۔''

اس کے بعد جب میں نے اپنے مضمون ''حضرت لاہوری فتنوں کے تعاقب میں'' میں ''اظہار حقیقت'' پر تنقیدی اور پھر دفاع صحابہ میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کے نظریہ پر تنقید کی اور مولانا موصوف کے جوابی پمفلٹ ''قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) کے اعتراضات کا جواب شافی'' کے جواب میں ''مشاجرات صحابہ'' کی بحث میں کتاب خارجی فتنہ حصہ اول شائع کی تو اس گروہ نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ پہلے اسی ''اظہار حقیقت'' کی تعریف کی اور پھر اس کی تردید شروع کر دی۔ یہ پر اسرار انقلاب کیوں ہوا؟ مولانا سندیلوی نے بھی جواب شافی میں یہی شکایت کی۔ اور مؤلف ''اصل حقیقت'' نے بھی پھر یہی اعتراض دوہرایا ہے۔ چنانچہ بعنوان ''مولانا عثمانی رحمہ اللہ کے متعلق، غلط بیانی۔ چکوالی صاحب کا جھوٹ نمبر ۳ کے تحت لکھتے ہیں:

چکوالی صاحب کی یہ قلا بازی کہ پہلے وہ حضرت امام اہل سنت (سندیلوی صاحب) کی جس کتاب ''اظہار حقیقت'' (جلد اول ودوم) کی تحریری تعریف کر چکے تھے اور جس کی اصل عبارت ہم پیچھے کہیں پیش کر چکے ہیں۔ اسی کتاب میں اس وقت

سے انہیں خرابیاں نظر آنے لگی ہیں جب سے حضرت امام اہل سنت ان کی جماعت کے سرپرست نہیں رہے۔ یہ قلا بازی چکوالی صاحب کے لیے وبال جان بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا جب آپ نے اس کتاب کی تعریف کی تھی اس وقت مطالعہ کئے بغیر اس کی تعریف کر دی تھی۔ اگر ایسا کیا تھا تو یہ نہایت بددیانتی کا ثبوت ہے۔ اور اگر اس وقت دیانتداری سے اپنی رائے دی تھی تو کیا وہ نظریات جو آپ کو اس وقت پسند تھے اب ناپسند ہو گئے ہیں؟'' اس کے جواب میں چکوالی صاحب کی کیفیت نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والی ہوئی ہے۔ اب اپنے خارجی فتنہ میں ایک اور غلط بیانی کے ذریعے انہوں نے اس کا جواب دینے کی ناکام کوشش کی ہے فرماتے ہیں کہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی پہلے مولانا غلام اللہ خان مرحوم کی تفسیر جواہر القرآن پر تقریظ لکھ دی تھی مگر بعد میں اس پر تنقید کی۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ حسن ظن کی بنا پر بعض اکابر علماء بھی کسی کتاب کی تعریف لکھ دیتے ہیں اور بعد میں جب اس کتاب کی غلطیوں سے مطلع ہوتے ہیں تو پھر تنقید و اعتراض بھی کر لیتے ہیں۔ لہٰذا بندہ راقم الحروف پر یہ اعتراض کہ پہلے اظہار حقیقت کی تعریف لکھی ہے اور اب تردید کر رہا ہے علمی طور پر غلط ہے'' (خارجی فتنہ ص ۳۹/۴۰)

حالانکہ یہ چکوالی صاحب کا صریح جھوٹ اور دھوکہ دہی کی نازیبا کوشش ہے۔ کیونکہ جس کا جی چاہے آج بھی تفسیر ''جواہر القرآن پر مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ عثمانی کی تقریظ دیکھ سکتا ہے اس میں مولانا عثمانی نے صاف لکھ دیا ہے کہ میں نے اس تفسیر کو ۲۸ صفحات تک دیکھا ہے اور جتنا دیکھا ہے اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔ کہاں مولانا عثمانی کی یہ دیانتدارانہ احتیاط اور کہاں چکوالی صاحب کی اظہار حقیقت کی دونوں جلدوں کی غیر مشروط تعریف۔ عثمانی صاحب کے طرز عمل کو اپنی قلا بازی کی تائید میں پیش کرتے ہوئے چکوالی صاحب کو کچھ تو خوف خدا کرنا چاہیے تھا۔

(اصل حقیقت ص ۴۵)

الجواب

① میں نے اس اعتراض کا جواب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۴ تا ص ۴۱ دیا ہے۔جس میں ص ۳۵ پر بعنوان: ''حقیقت حال'' لکھا ہے کہ: کتاب بشارت الدارین تکمیل پذیر ہونے والی تھی کہ ہمیں اطلاع ملی کہ ''اظہار حقیقت'' حصہ دوم بھی چھپ گئی ہے۔اس کا انتظار بھی رہا۔لیکن بشارت الدارین کی تکمیل تک کتاب نہ پہنچ سکی اس لیے سابقہ حسن ظن کی وجہ سے ''بشارت الدارین'' میں بندہ نے اظہار حقیقت کے دونوں حصوں کی تعریف لکھ دی۔

(ب) اظہار حقیقت جلد اوّل کی اشاعت کے بعد اور جلد دوم کی اشاعت سے پہلے بعض احباب کے نام مولانا موصوف کے خطوط سے ان کے حامی یزید ہونے کا کچھ انکشاف ہو گیا تھا اس لیے یہ احتمال تھا کہ حصہ ثانی میں آپ یزید کے متعلق بحث کریں گے لیکن جب دوسرے حصہ کے طبع ہونے پر کراچی کے بعض احباب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس میں یزید کی بحث نہیں ہے تو میں نے اس گمان پر اس کی بھی تعریف لکھ دی کہ اس میں مسلک اہل السنّت والجماعت کے مطابق ''رد خلافت وملوکیت'' میں دوسرے مضامین ہوں گے۔لیکن جب اظہار حقیقت جلد دوم کا مطالعہ کیا تو سابقہ حسن ظن زائل ہو گیا'' (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۶)

میں نے حقیقت حال کے تحت جو کچھ لکھا ہے یہی حقیقت ہے اس میں نہ جھوٹ ہے نہ بد دیانتی۔ میں تو الحمد للہ سنی ہوں نہ خارجی ہوں نہ رافضی۔ یہ جھوٹ بولنا اور بد دیانتی کرنا تو سبائی گروہ کی ان دو شاخوں کا مشن ہے جیسا کہ مؤلف اصل حقیقت کے بعض جھوٹ پہلے ثابت کر چکا ہوں۔حسنِ ظن کی بنا پر تعریف کرنے کو کوئی شخص جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔اور پھر میں نے مولانا بنوری رحمہ اللہ کے تبصرہ کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اظہار حقیقت کی تائید میں مولانا موصوف نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محدث بنوری رحمہ اللہ کے جو تعریفی الفاظ ان کی کتاب الاستاذ المودودی

حصہ اوّل ص ۳۹ سے نقل کئے ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ نے سابقہ حسنِ ظن کی بنا پر ایک سرسری نگاہ کے تحت اس کی تعریف کی ہے اور پوری کتاب پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ مولانا بنوری رحمہ اللہ نے کتاب کا نام بجائے اظہار حقیقت کے ''حقیقت خلافت وملوکیت'' لکھا ہے (حالانکہ یہ نام محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب کا ہے جو انہوں نے خلافت وملوکیت کے رد میں لکھی ہے)۔ چنانچہ مولانا بنوری رحمہ اللہ کی جو عبارت سندیلوی صاحب نے لکھی ہے وہ حفظہ اللہ تک ہے۔ حالانکہ اس کے بعد یہ الفاظ ہیں: **باسم حقيقة الخلافة والملوكية** (یعنی مولانا سندیلوی نے جو کتاب بنام **حقيقة الخلافة والملوکیت** لکھی ہے) اگر علامہ بنوری اظہار حقیقت کا اچھی طرح مطالعہ کرتے تو نام میں یہ اشتباہ نہیں رہ سکتا تھا اور مولانا سندیلوی نے بھی اس قرینہ کے پیش نظر مابعد کی عبارت ترک کر دی ہے۔ کیا سندیلوی صاحب کی یہی علمی دیانت ہے (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۷)

مؤلف اصل حقیقت نے نہ میری پہلی عبارت نقل کی ہے جو میں نے حقیقت حال کے تحت لکھی ہے اور نہ یہ عبارت نقل کی ہے جو مولانا محدث بنوری رحمہ اللہ کے متعلق لکھی ہے۔ پہلی عبارت سے سوائے عنادی شخص کے میری توجیہ ہر اہل انصاف قبول کر سکتا ہے اور دوسری عبارت سے خود مولانا سندیلوی کی علمی خیانت ثابت ہوتی ہے کیونکہ جو آخری الفاظ انہوں نے ترک کئے ہیں ان کی وجہ سے کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ مولانا بنوری رحمہ اللہ کو تو کتاب کا نام ہی معلوم نہیں ہے۔ پھر وہ کس کتاب کی تقریظ لکھ رہے ہیں۔

(۲) بار بار مؤلف ''اصل حقیقت'' مولانا سندیلوی کے سرپرست ہونے کی دوہائی دے رہے ہیں لیکن اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں۔ جس وقت سرپرست لکھا اس وقت حسن ظن تھا بعد میں جب ان کے نظریات سامنے آئے تو حسن ظن ختم ہو گیا۔

میرے سوال کا جواب دیں

اس سلسلے میں میرا بھی یہ سوال ہے کہ مولانا سندیلوی صاحب نے اظہار حقیقت

حصہ اوّل میرے پاس بھیجی تو اس کے ٹائیٹل پر آپ نے اپنے قلم سے یہ لکھا۔

گرامی خدمت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زیدت فیوضہم از محمد اسحٰق صدیقی عفا اللہ عنہ۔ ۷/ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ۔

علاوہ ازیں مولانا سندیلوی ۲۸/شوال ۱۳۹۳ھ کے مکتوب میں مجھے لکھتے ہیں:

''اسلام اس وقت جس مصیبت میں گھرا ہوا ہے اور آئندہ جن خطرات کا اسے سامنا ہے ان کا احساس رکھنے والے چند گنے چنے لوگ ہیں ان میں ایک نمایاں ہستی آنجناب کی ہے'' اپنے مکتوب ۲۲/ربیع الاوّل ۱۳۹۳ھ لکھتے ہیں: یہ جو کچھ عرض کیا ہے میرا خیال ہے آنجناب خود صاحب بصیرت ہیں اور اپنے طریق کار کے متعلق مجھ سے بہتر فیصلہ فرما سکتے ہیں پھر ۱۲/فروری ۱۹۷۴ء میں لکھا: میری گزارش کا مقصد یہی تھا کہ آپ کا مخاطب ایسا ہی شخص ہونا چاہیے جو ان کے یہاں علم اور مقتدا ہونے کے لحاظ سے وہی حیثیت رکھتا ہو جو آنجناب کی اہل سنت میں ہے''

میرے نام مولانا سندیلوی کے خطوط کے بعض اقتباسات خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۵/۵۶ پر درج کر دیئے ہیں۔ اور اپنے خطوط میں عموماً مولانا سندیلوی میرے لیے دامت برکاتہم اور زیدت فیوضہم کے الفاظ لکھتے رہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی جب میرے حق میں مندرجہ الفاظ لکھ رہے ہیں اور میرے نام کے ساتھ زیدت فیوضہم لکھتے ہیں۔ تو جس چکوالی کے لیے آپ کے امام اہل سنت مولانا سندیلوی ''دامت برکاتہم'' لکھتے رہے ہیں اب آپ اسے جا بجا چکوالی کذاب، گلابی شیعہ۔ جماعت اسلامی کا معنوی شاگرد وغیرہ لکھ رہے ہیں فرمایئے آپ کی پُر اسرار قلا بازی کی کیا وجہ ہے؟

③ مؤلف اصل حقیقت زیر بحث مسائل کا جواب تو نہیں دے سکتے اب زنانہ قسم کے مطاعن اور بہتان تراشیوں کے سہارے اپنے کتابچہ کا پیٹ بھر رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ چکوالی کو مولانا سندیلوی سے حسد ہو گیا۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ سندیلوی صاحب جب میری تعریف کر رہے تھے اور مجھے زیدت فیوضہم سے خطاب

کرتے تھے تو ان سے حسد کیونکر کیا جا سکتا تھا۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اگر بلاوجہ میں نے مولانا سندیلوی کی مخالفت کی ہوتی اور اس کی تہ میں حسد وغیرہ کی بیماری ہوتی تو کتاب خارجی فتنہ حصہ اول میں مسلک حق کی ترجمانی کی توفیق مجھے کیونکر نصیب ہوسکتی تھی اور علماء اہل السنت والجماعت اس کتاب کی تصویب وتعریف کیونکر کر سکتے تھے اور خصوصاً مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی (جو پہلے مولانا سندیلوی کے پیر بھائی اور نیاز مند تھے) میرے متعلق یہ کس طرح لکھ سکتے تھے کہ: جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطاء فرمائیں کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔'' (ماہنامہ بینات کراچی جنوری ۱۹۸۴ ص ۴۸)

(ب) خلاصہ یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ اہل حق کے موقف ومسلک سے ہمیں نہ صرف اتفاق ہے بلکہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے (ایضاً ص ۵۱)

مولانا ظفر احمد عثمانی کی تقریظ

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے مولانا غلام اللہ خاں مرحوم کی تفسیر جواہر القرآن پر جو تقریظ لکھی ہے اور بعد میں اسی تفسیر پر انہوں نے تنقید کی ہے اس کو میں نے اپنی تائید میں پیش کیا تھا کہ حسن ظن کی بنا پر بھی کسی کتاب کی تعریف لکھی جاتی ہے اس کا جو جواب مؤلف اصل حقیقت نے دیا ہے وہ اوپر درج کر دیا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جس کا جی چاہے آج بھی تفسیر جواہر القرآن پر مولانا ظفر احمد عثمانی کی تقریظ دیکھ سکتا ہے اس میں مولانا عثمانی نے صاف لکھ دیا ہے کہ میں نے اس تفسیر کو ۲۸ صفحات تک دیکھا ہے اور جتنا دیکھا ہے اس میں اعتراض کی بات نہیں۔''

الجواب

① ایک ضخیم تفسیر جواہر القرآن کے صرف ۲۸ صفحات کی تقریظ لکھنے کا کیا فائدہ تھا جس کی بنا پر مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ کے مندرجہ الفاظ درج کر دیئے تھے۔ یہاں یہ اعتراض ہر شخص کر سکتا ہے کہ باقی تفسیر میں تو قابل

اعتراض باتیں ہوسکتی ہیں۔ مولف اصل حقیقت اوران کی پارٹی مجھے اس کا علمی فائدہ بتائیں؟

ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مفتی و مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا نے جواہر القرآن کے بعض غلط نظریات کی تردید میں ایک کتاب ''ہدایۃ الحیران'' لکھی ہے۔ (ماشاء اللہ مولانا موصوف زید فضلہم مسلک حق کی تبلیغ ونصرت میں بہت پختہ ہیں اور آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں مجاز طریقت بھی ہیں) آپ نے جب تفسیر جواہر القرآن پر اپنے شیخ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی مندرجہ تقریظ دیکھی تو جواہر القرآن کے غلط نظریات سے حضرت مولانا عثمانی کو مطلع کیا۔ محدث عثمانی نے جواب میں لکھا کہ۔ آپ کی گرفت صحیح ہے مگر عام اشاعت سے پہلے مناسب یہ ہے کہ اس تحریر اور میری اس تحریر کی نقل مولانا غلام اللہ صاحب کو بھیج دیں اگر وہ ان مقاماتِ مذکورہ کی تصحیح کا وعدہ کریں اور ماہنامہ تعلیم القرآن میں اسی وقت شائع کردیں اور تفسیر کے دوسرے ایڈیشن میں آئندہ اصلاح کا وعدہ کریں تو آپ کو اشاعت عامہ کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ پہلو تہی کریں تو آپ اپنی تحریر اور میری اس تحریر کو شائع کردیں۔ اور اس تفسیر پر پوری پوری نظر ڈالیں جہاں جہاں مسلک حق کے خلاف نظر آئے مجھے اطلاع دیں'' (۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ)

مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی نے ہدایۃ الحیران کے دیباچہ ص ۵ پر لکھا ہے کہ: احقر نے حضرت والا کی خدمت اقدس میں ارسال کردہ اپنی مذکورہ تحریر کی نقل اور اس تحریر پر حضرت والا نے جو ارشاد تحریر فرمایا تھا اس کی نقل بھی اپنے ایک عریضہ کے ساتھ مؤلف تفسیر (یعنی مولانا غلام اللہ خان صاحب) کو بھیج دی اور اس کے جواب میں مؤلف صاحب کا ایک خط احقر کے نام آیا جس میں تحریر تھا: آپ کا خط ملفوف ملا ہے مفصل جواب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم کی خدمت میں لکھ

دوں گا۔'' (لاشی غلام اللہ خاں ۹؍جمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ)

لیکن اس ایک خط کے سوا جس میں حضرت والا کی خدمت اقدس میں مفصل جواب لکھنے کا وعدہ تھا آج تک تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ باوجود وعدہ کرنے کے نہ انہوں نے حضرت والا کی خدمت اقدس میں کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ ہی حضرت والا کی ارشاد وایماء کے موافق مقامات مذکورہ کی تصحیح کا وعدہ شائع کیا تو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ حسبِ ارشاد حضرت والا اس تفسیر کے متعلق اپنی تحریر کی عام اشاعت کردی جاوے۔ الخ

مولانا عثمانی کا اپنی تقریظ کے متعلق اعلان

محدث عثمانی لکھتے ہیں ''تفسیر جواہر القرآن مؤلفہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کو احقر نے پہلے صرف ص ۲۸ تک دیکھا تھا (اور اس کا اظہار اصل تقریظ میں بھی کردیا تھا۔ مرتب) اس لیے اس پر کچھ لکھ دیا تھا۔ اب اس تفسیر میں بعض مقامات پر مسلک اہل حق کے خلاف تفسیر ہونے کا علم ہوا ہے۔ اس لیے میری تقریظ کو پوری تفسیر کے متعلق نہ سمجھا جائے۔ صرف ۲۸ صفحات کے متعلق ہی سمجھا جائے۔'' والسلام (۲؍محرم الحرام ۱۳۸۶ھ)

فرمایئے ۲۸ صفحات کی تقریظ سے بھی بطور حسن ظن کے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ شاید پوری تفسیر کی تقریظ ہے اس لیے آپ نے اس شبہ کا ازالہ کردیا۔

② مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ہدایۃ الحیران مؤلفہ مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کی تقریظ میں بھی تحریر فرماتے ہیں:

''بعد الحمد والصلوٰۃ عزیزم مولوی عبدالشکور صاحب کی بعض تحریرات متعلقہ جواہر القرآن بندہ نے دیکھی ہیں۔ امید ہے کہ بقیہ بھی اسی رنگ کی ہوں گی مجھے ان کی تحریرات سے اتفاق ہے اگر قوت وفرصت ہوتی تو سب کو دیکھ لیتا مگر امید ہے کہ جو نہیں دیکھی وہ بھی قابل اعتماد ہیں۔'' (۲۰؍جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ)

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی اس تقریظ نے تو بندہ کی اس توجیہ کی پوری

پوری تائید کردی کہ بغیر ساری کتاب دیکھنے کے بھی مؤلف سے حسن ظن کی وجہ سے ساری کتاب کو قابل اعتماد قرار دیا جاسکتا ہے چنانچہ مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی کی پہلی کتاب ''تجدید سبائیت ردمودودیت'' کی وجہ سے ان سے حسن عقیدت کا تعلق ہوگیا تھا۔ چونکہ اظہار حقیقت جلد اول میں اسی کی تفصیل تھی جس میں آپ نے تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا تھا۔ اس لیے بالاستقصاء نہ مطالعہ کرنے کے باوجود اس کتاب کے مضامین پر اعتماد تھا۔ اس اعتماد کی بنا پر اظہار حقیقت جلد دوم پہنچنے سے پہلے ہی اعتماد کی بنا پر اس کی تعریف ''بشارت الدارین'' میں لکھ دی تھی جس میں یہ لکھا تھا کہ: مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت میں خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ پر جو مطاعن وارد کئے ہیں حضرت مولانا موصوف نے ''اظہار حقیقت'' میں علمی طور پر مکمل ابطال کردیا ہے۔''

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ میں یہی سمجھتا تھا کہ ''اظہار حقیقت'' جلد دوم میں بھی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا جواب ہوگا۔ تو کتاب کی تعریف میں نے اسی بنا پر کی ہے۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ دوسری جلد میں مولانا سندیلوی جمل اور صفین پر بحث کریں گے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنائیں گے۔

③ کتاب ''ہدایت الحیران'' کی تقریظ میں حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مفتی دارالعلوم ٹنڈوالہ یار ضلع حیدرآباد لکھتے ہیں:

احقر نے مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی کی دونوں تحریریں جن میں تفسیر جواہر القرآن کی بعض اغلاط پر متنبہ کیا گیا ہے مطالعہ کیا۔ احقر مولانا موصوف کی تائید کرتا ہے..... خصوص مولف صاحب (یعنی مولانا غلام اللہ خان صاحب) نے انبیاء علیہم السلام کی جسم عنصری کی حیات جو کہ اہل حق کا عقیدہ ہے انکار کر کے انتہائی تفرد اختیار کیا ہے پھر تعجب ہے یہ غیر مختلف فیہ مقامات بعض اکابر کو دکھلا کر تقریظ حاصل کر کے ان کو زیب تفسیر بنا کر لوگوں کو اشتباہ میں ڈالا ہے کہ شاید یہ اکابر بھی ان غلط عقائد کے قائل ہوں گے'' (۱۸؍ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ)

مولانا وجیہ الدین صاحب کی اس تقریظ کی تائید میں مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں: التنقید صحیح والناقد نجیح ''یعنی تنقید صحیح ہے اور تنقید کرنے والا صحیح الرائے ہے۔''

مولانا وجیہ الدین صاحب اور مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی اس تقریظ سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حسن اعتماد کی بنا پر بغیر ساری کتاب کے مطالعہ کے کتاب کی تعریف کی جا سکتی ہے اور مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے بھی اسی فائدہ کے لیے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ سے صرف ۲۸ صفحات کی تقریظ لکھائی تھی۔ اب قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ مولانا سندیلوی صاحب کی کتاب ''اظہار حقیقت'' کی تعریف سابقہ حسن اعتماد کی بنا پر میری طرف سے اگر لکھی گئی ہے تو اس کا جھوٹ اور بددیانتی سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر جب میں نے اظہار حقیقت جلد دوم کا مطالعہ کیا اور اس میں مسلک اہل حق کے خلاف مولانا سندیلوی کے نظریات دیکھے تو تحفظ مسلک حق کے لیے میں نے ''خارجی فتنہ حصہ اول'' میں اس کی مدلل تردید کر دی۔ اور میرے پیش کردہ موقف اہل حق کی ان علمائے کرام نے تصدیق وتصویب بھی کر دی جن کے تبصرے شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ

کتاب ''ہدایت الحیران فی جواہر القرآن'' کی تائید میں مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ صاحب جالندھری بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان نے ایک جامع تقریظ لکھی ہے جس میں فرماتے ہیں: بندہ گنہگار نے کتاب ''ہدایت الحیران فی تفسیر جواہر القرآن'' تالیف منیف مولانا سید عبدالشکور صاحب بن مولانا سید عبدالکریم صاحب مہتمم ترمذی رحمۃ اللہ مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا حرفاً حرفاً من اولہ الی آخرہ سنا۔ اہل السنت والجماعت کے موافق پایا اور مؤلف جواہر القرآن (یعنی مولانا غلام اللہ خان) نے اکثر جگہ فرق ضالہ کی موافقت کی اور جمہور اہل السنت

والجماعت کی مخالفت کی ہے۔ لہٰذا مؤلف جواہر القرآن جب تک اس اعتزال وشذوذ عقیدے سے رجوع نہ کریں تب تک کسی شخص کو جواہر القرآن کا مطالعہ کرنا جائز نہیں۔ (۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ)

مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور زید فیضہم تحریر کرتے ہیں:

ماشاءاللہ حق وتحقیق اور بزرگان اہل دیوبند کی بالغ نظری کے نکات کے اظہار میں اس کو بہت اچھے پیمانہ پر پایا۔ اور جو کم نظری یا غلط فہمی مؤلف جواہر القرآن (یعنی مولانا غلام اللہ خان) سے ہوگئی تھی مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے اس کی نشاندہی بہت عمدہ طریقہ پر کی گئی ہے۔ جو عالم دین ان راجح وقوی مفتی بہ مسائل کا علم وعمل رکھتا ہے وہ ہندوستان و پاکستان میں علمائے دیوبند میں شمار ہوتا ہے۔ جو مرجوح یا ضعیف غیر مفتی بہ اختیار کر لیتا ہے وہ ان سے الگ ہے (محرم الحرام ۱۳۸۶ھ)

یہ ہیں تفسیر جواہر القرآن مولفہ مولانا غلام اللہ خان مرحوم کے خلاف چند اکابر علمائے دیوبند کی عبارتیں...... اب مؤلف اصل حقیقت سے ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ حضرات بھی حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ سے بغض وعناد رکھتے تھے (یا کہ وہ بھی مناظرہ سلانوالی کی شکست کا انتقام لینا چاہتے تھے) جس کی بنا پر حضرت مولانا رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص مولانا غلام اللہ خان کے نظریات کی واضح تردید کر رہے ہیں۔

اقامۃ البرہان بجواب ہدایۃ الحیران (سجاد بخاری)

مولانا سید سجاد بخاری صاحب ایڈیٹر ماہنامہ تعلیم القرآن نے ہدایۃ الحیران کے جواب میں اقامۃ البرہان لکھی۔ مولانا سجاد صاحب مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کا قلم تھے چونکہ مولانا غلام اللہ خان کی اردو تحریر اچھی نہ تھی۔ اس لیے عموماً ان کی تصانیف کی عبارت سجاد بخاری صاحب موصوف کی رہین منت ہے۔ "تفسیر جواہر

القرآن" میں بھی زیادہ ان کا قلم کارفرما ہے چنانچہ مولانا سجاد بخاری لکھتے ہیں:

بلغۃ الحیران کی اشاعت کو عرصہ ہو چکا ہے لیکن اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ اس کو تصحیح و ترتیب کے بعد دوبارہ شائع کیا جائے۔ چنانچہ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے آخر اس کا تہیہ کر لیا اور بمصداق "قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند" اس کار خیر میں مولانا موصوف سے معاونت کی سعادت راقم الحروف کے حصے میں آئی فالحمد للہ علی ذلك (اقامۃ البرہان علی ابطال وساوس ہدایۃ الحیران ص۱۴)

مولانا تھانوی کی کتابوں میں گمراہ کن کرامتیں مذکور ہیں (سجاد بخاری)

یہاں اقامۃ البرہان پر تنقید و تبصرہ لکھنا مقصود نہیں ہے۔ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مولانا سجاد بخاری حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتابوں کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ بخاری صاحب موصوف لکھتے ہیں:

ترمذی صاحب اور ان کے حضرت والا (یعنی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ) اگر واقعی مخلصانہ اصلاحی کوششوں کا جذبہ رکھتے ہیں تو اس خدمت اسلام کا آغاز تو انہیں اوپر سے کرنا چاہیے تھا۔ جواہر القرآن کا نمبر تو بہت بعد میں تھا۔ سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پھر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور پھر حضرت علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح کی جاتی جن کے تفردات کا نمونہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے اور پھر خاص طور سے پہلے انہیں اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے تھی۔ ان کا فرض تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان کتابوں کی اصلاح و تطہیر فرماتے جن میں ایسا مواد موجود ہے (مثلاً ضعیف، شاذ، منکر بلکہ موضوع حدیث بلا انکار و تنبیہ۔ بے سروپا حکایتیں۔ بے سند اور گمراہ کن کرامتیں وغیرہ) جن کو اہل بدعت اپنے عقائد زائغہ اور اپنی بدعات مخترعہ کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے تبلیغ توحید کے مشن کو بعض اوقات کافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ حالانکہ موضوع حدیثوں سے استدلال تو

در کنار ان کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں الا یہ کہ ان کا وضعی ہونا ظاہر کرنا مقصود ہو''

(اقامۃ البرہان ص ۲۴)

یہ ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے بارے میں سجاد صاحب بخاری کا نظریہ۔ جواہر القرآن پر تنقید کے غصہ میں وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تک جا پہنچے۔ مؤلف ''اصل حقیقت'' کی اصطلاح میں کیا سجاد بخاری کی طرف سے اکابر دیو بند کے خلاف یہ تبرا بازی نہیں ہے۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔..... کیا ان حضرات اکابر کو بھی مناظرہ سلانوالی کی شکست کے نتیجہ میں طعن و تشنیع کا ہدف بنایا جا رہا ہے؟ یہ بھی ملحوظ رہے کہ مولانا سجاد بخاری صاحب کی یہ تحریر ۲۵/شعبان ۱۳۹۱ھ کی ہے جبکہ مولانا غلام اللہ خاں صاحب زندہ تھے۔ اور ان کے دفاع میں ہی یہ کتاب لکھی گئی تھی اور انہوں نے اس پر کوئی تنقید نہیں کی گویا کہ اقامۃ البرہان مولانا غلام اللہ خاں مرحوم کی بھی مصدقہ کتاب ہے جس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی کتابوں کے خلاف مذکورہ تبصرہ لکھا گیا ہے۔ ع

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا غلام اللہ خان کی دو (۲) متضاد تحریریں

پہلے عرض کر دیا ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند کی حسب ذیل مجوزہ تحریر پر مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم نے ہمارے سامنے دستخط کئے تھے:

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔'' (۱۸/محرم ۱۳۸۲ھ۔ ۲۲/جون ۱۹۶۲ء)

یہ تحریر ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ماہ اگست ۱۹۶۲ء ص ۲۴ پر مولانا سجاد بخاری شائع کر چکے ہیں۔

تفسیر جواہر القرآن کی تحریر

پارہ ۴ سورۃ آل عمران ع ۱۷ کی آیت۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ o فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (ترجمہ) اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے۔ خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے (جواہر القرآن جلد اول ص ۱۹۱)

اس کی تفسیر میں بعنوان: ''حیات انبیاء علیہم السلام'' تفصیلی بحث کرتے ہوئے مولانا غلام اللہ خان مرحوم لکھتے ہیں:

باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات واقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً واثباتاً ذکر واذکار ہے۔ برزخ میں حیات انبیاء علیہم السلام اور حیات شہدائے کرام کی جو کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے وہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ قرون ثلثہ میں یہ اسی طرح منقول ہو کر نیچے تک چلی آئی ہے۔ لیکن تعلق کا قصہ کسی نے نہیں چھیڑا۔ البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اتصال معنوی سے۔ کسی نے اشراق سے کسی نے اشراف سے اور کسی نے مثل تعلق صاحب خانہ بخانہ وعاشق معشوق وغیرہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ حیات دنیا میں تھا بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت وکیفیت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اس لیے عالم برزخ میں تعلق روح بابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے۔ (ص ۱۹۴)

ہمارا سوال

اگر چوتھی صدی تک ابدان عنصریہ کے ساتھ ارواحِ انبیاء کرام علیہم السلام کے تعلق کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو مولانا غلام اللہ خان نے اس تفسیر سے پہلے حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ صاحب کی حسب ذیل مجوزہ تحریر کی کس دلیل کی بنا پر تصدیق کر دی تھی کہ: وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''...... یہاں یہ ملحوظ رہے کہ یہ تحریر ۲۲/جون ۱۹۶۲ء کی ہے۔ اور تفسیر کی مندرجہ تحریر اس کے بعد کی ہے۔ چنانچہ تفسیر جواہر القرآن جلد اوّل جدید ترتیب وتہذیب کے ساتھ ۱۵/جون ۱۹۶۳ء مطابق ۲۲/محرم الحرام ۱۳۸۳ھ کو مکمل ہوئی ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۵۶)...... معلوم نہیں کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کی مذکورہ دونوں تحریروں کے تضاد کے متعلق مؤلف ''اصل حقیقت'' اور ان کی پارٹی کیا جواب دیں گے؟

تفسیر جواہر القرآن میں حیات انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق جو عقیدہ بیان کیا گیا ہے یہ جمہور اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہے۔ جس کے رد میں علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی نے مقام حیات اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ نے تسکین الصدور لکھی ہے اور یہ دونوں کتابیں ماشاء اللہ مدلل ہیں۔

(ب) اس امر پر تو اہل السنّت والجماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کا تعلق وفات کے بعد بھی انہی اجسام مطہرہ کے ساتھ ہے جو اس دنیا میں تھے۔ البتہ اس تعلق کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ اور اجساد مثالیہ سے بھی ارواحِ انبیاء کا تعلق اس کے منافی نہیں ہے۔

(ج) زیر بحث آیت قرآنی لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ سے بھی انہی ابدانِ دنیویہ کی حیات ثابت ہوتی ہے کیونکہ جو چیز

قتل کی گئی ہے وہ جسم ہے نہ کہ روح۔ اور روح تو سب کی (موت کے بعد) زندہ رہتی ہے خواہ کوئی مومن ہو یا کافر اور اسی جسم مقتول کو مردہ نہ سمجھنے اور زندہ ماننے کا آیت میں حکم دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد شہدائے اسلام کے ابدان میں ہی حیات ہوتی ہے۔ برزخی احوال کے مطابق۔ اور بطریق اولی انبیائے کرام علیہم السلام کے ابدان دنیویہ میں ہی ارواح کے تعلق سے حیات ہوتی ہے جو شہداء کی حیات سے اقوی ہے اور اسی بنا پر اہل حق میں سے اس سے پہلے کسی نے بھی وفات کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کے دنیوی اجسام مبارکہ میں ارواح کے تعلق سے حیات کا انکار نہیں کیا۔ واللہ الہادی

کتاب عدالت صحابہ کرام (تقریظ مولانا سندیلوی)

جناب مولانا حافظ مہر محمد صاحب فاضل جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن (حال مقیم گوجرانوالہ) نے ایک کتاب ''عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' لکھی ہے جس پر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم کے علاوہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کی حسب ذیل تقریظ بھی درج ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے دفاع اور ان کی عظمت کا اظہار دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولوی مہر محمد صاحب کو اس کی توفیق عنایت فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو ''عدالت صحابہ کرام'' کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ میں نے پوری تو نہیں دیکھی لیکن بعض مقامات دیکھے ہیں جو لائق تحسین ہیں توقع ہے کہ پوری کتاب ایسی ہی ہوگی۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ حسن ظن کی بنا پر مولانا سندیلوی کے نزدیک بھی بغیر ساری کتاب کے مطالعہ کے اس کی تعریف جائز ہے۔'' حالانکہ کتاب ''عدالت صحابہ کرام'' میں مولانا مہر محمد صاحب موصوف نے یزید کے متعلق لکھا ہے کہ: الغرض اپنے دور حکومت میں یزید نے جو برے کام کئے تو وہ بلاشبہ مذموم ہیں ہم ان کی حمایت نہیں کرتے اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں مگر ان کی ذمہ داری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

پر ہرگز نہیں ڈالی جا سکتی۔ کیونکہ انہوں نے نہ ایسے کام کی وصیت کی نہ ان کو یہ علم غیب تھا کہ یزید ایسے گل کھلائے گا۔ انہوں نے تو نیک نیتی سے امت کے مفاد اور اتحاد کے لیے یہ اقدام کیا۔ (ص ۳۴۴)

مولانا مہر محمد صاحب تو صراحتاً یزید کے بُرے کاموں کی مذمت کر رہے ہیں حالانکہ مولانا سندیلوی یزید کو صالح اور عادل قرار دیتے ہیں۔

(ب) مولانا سندیلوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی اجتہادی خطاء تسلیم نہیں کرتے حالانکہ مولانا مہر محمد صاحب ان کی اجتہادی خطاء کے قائل ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

اکثر اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اس نظریاتی اختلاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے اصوب اور بہتر تھی اور دوسرے حضرات کی رائے بھی اگرچہ حق تھی مگر خلاف اولیٰ اور مرجوح تھی اور یہ جو کچھ ان کے مابین ہوا وہ اجتہادی خطا ہے کہ انہوں نے اس کام کو نیک نیتی سے کیا تھا مگر نتیجہ میں خطاء ظاہر ہوئی اس خطائے اجتہادی میں ان کو کوئی گناہ نہیں ہوا بلکہ وہ ایک گونہ عند اللہ ماجور تھے (ص ۲۱۷)

اس کے بعد مولانا مہر محمد صاحب موصوف نے ص ۲۱۸ پر خطائے اجتہادی کی چند مثالیں ذکر کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ: اسی طرح صحابہ کرام کے معاملے میں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اجتہادی لغزشوں کو بالکل معاف فرمادیا۔ (ص ۲۲۱)

مولانا مہر محمد صاحب نے یہاں جو کچھ لکھا ہے مولانا سندیلوی کے نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ سندیلوی صاحب بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو اصح کہتے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کو تسلیم نہیں کرتے۔

ہمارا سوال

یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ مولانا مہر محمد صاحب نے یزید اور مشاجرات صحابہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا سندیلوی کے ان نظریات کے خلاف ہے جو انہوں نے اپنی کتاب اظہار حقیقت جلد دوم اور ''جواب شافی'' میں بیان کئے ہیں لیکن باوجود

اس کے محض حسن ظن کی بنا پر سندیلوی صاحب نے ''عدالت صحابہ کرام'' کی تعریف لکھ دی ہے۔ اور آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ: ''توقع ہے کہ ساری کتاب ایسی ہی ہوگی۔'' تو اگر میں نے مولانا سندیلوی صاحب کی کتاب کی تعریف حسن ظن کی بنا پر اجمالی طور پر کر دی تو کس جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر یہ جرم اور بد دیانتی ہے تو مؤلف اصل حقیقت کے امام اہل سنت مولانا سندیلوی بھی اسی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اب اگر ان پر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب مولانا سندیلوی نے کتاب ''عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' کی تحسین و تعریف کی ہے (حالانکہ اس میں یزید کو بُرے کاموں کا مرتکب قرار دیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بعض صحابہ کی اجتہادی خطاء تسلیم کی ہے) تو پھر آپ نے ''اظہار حقیقت'' میں اس کے خلاف اپنے نظریات کیوں پیش کئے ہیں تو اس کا مؤلف ''اصل حقیقت'' اور اس کی پارٹی کے پاس کیا جواب ہوگا؟ بندہ نے ان کے اس الزام کا جواب تفصیل سے اس لیے دیا ہے کہ انہوں نے ''اصل حقیقت'' میں بار بار یہی رٹ لگائی ہے کہ چکوالی نے پہلے ''اظہار حقیقت'' کی تائید کی اور پھر اس نے اس پر تنقید کی۔ یہ یزیدی گروہ تو کسی صحیح بات کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ امید ہے کہ قارئین کریم مطمئن ہو جائیں گے۔

مؤلف اصل حقیقت کا جھوٹ نمبر ۵

مؤلف اصل حقیقت بعنوان: ''مولانا مہر محمد میانوالی کی تحریر'' کے تحت لکھتے ہیں: مولانا مہر محمد کی کتاب ''عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم مطبوعہ کراچی کے ص ۲۲۳ پر ہے ''اہل سنت و جماعت کے بہت سے محتاطین علماء کا مسلک یہ ہے کہ ان کے تنازعات میں فیصلہ دینے سے کفِ لسان واجب اور کسی کو ترجیح نہیں دینی چاہیے دونوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے ہمیں دونوں کو حق پر سمجھ کر حسنِ ظن رکھنا چاہیے۔ کیونکہ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص۔ حضرت سعید بن زید اور عبداللہ بن عمر ایسے فضلاء و اکابر صحابہ بھی ہیں۔ ان تنازعات سے الگ تھلگ رہے دیکھئے مقدمہ ابن خلدون

ص۴۷۸ فصل ولاية العهد...... بہرحال عدالت صحابہ کی یہ تحریر بھی حضرت امام اہل سنت کے مسلک کو محتاط ترین مسلک بتا رہی ہے...... غالبًا پنجاب کے ان رافضیوں کے اسی پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر چکوالی صاحب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین پر فتویٰ بازی کے اس جنون میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور اسی لیے متقدمین ومتاخرین تمام اہل سنت کے مسلک سے ہٹ کر انہوں نے یہ نیا گمراہانہ مسلک نکالا ہے کہ جو حضرت معاویہ کو خطا کار نہ مانے وہ دائرہ اہل سنت سے باہر اور خارجی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ (اصل حقیقت ص۶۴)

الجواب

① مؤلف ''اصل حقیقت'' کی یہ علمی خیانت ہے کہ انہوں نے وہ عبارت نہیں لکھی جس میں مولانا مہر محمد صاحب نے یہ لکھا ہے کہ:

اکثر اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اس نظریاتی اختلاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے اصوب اور بہتر تھی اور دوسرے حضرات کی رائے بھی اگرچہ حق تھی مگر خلافِ اولیٰ اور مرجوح تھی اور جو کچھ ان کے مابین ہوا وہ اجتہادی خطا ہے (ص۳۱۷)

یہ عبارت پہلے میں نے درج کردی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا مہر محمد صاحب لکھتے ہیں: ہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کتب عقائد اہل سنت میں لکھا ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور دیگر حضرات خاطی تھے (تحفہ امامیہ ص۲۹۸)

فرمایئے اگر اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے فریق ثانی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) سے اجتہادی خطا صادر ہوئی ہے تو آپ جب اسی عقیدہ کی بنا پر مجھ پر تبرا بازی کی مشق کرتے ہیں تو حافظ مہر محمد صاحب پر بھی تبرا بازی کریں۔

② مؤلف ''اصل حقیقت'' کئی جگہ خطائے اجتہادی کی نسبت کو حضرت معاویہ کا خطا کار ہونا قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی کو مجتہد مخطی کہنا یا خطا کار کہنا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ان مشاجرات ومقاتلات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد مخطی تو جمہور اہل

السنّت والجماعت کہتے ہیں اور خود مولانا سندیلوی کے نزدیک بھی تمام متاخرین کا مسلک یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہوگئی تھی جس کی تفصیلی بحث میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں کردی ہے) تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ تمام متاخرین محققین اہل السنّت والجماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار کہتے تھے۔ کیا جھوٹ اور بددیانتی آپ کے مذہب کا تانا بانا ہے؟

③ مولانا مہر محمد صاحب خود بھی لکھ رہے ہیں کہ: اسی طرح صحابہ کرام کے معاملے میں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اجتہادی لغزشوں کو بالکل معاف کردیا۔'' (ص۲۲۱)

حضرت آدم کی خطائے اجتہادی (مولانا مہر محمد)

بلکہ مولانا مہر محمد صاحب تو بعض انبیاءِ کرام کی بھی اجتہادی خطا کا اقرار کررہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام نے منہی عنہ درخت کے متعلق یہ سمجھا کہ خاص درخت مراد ہے حالانکہ عنداللہ پورے نوع سے نہی تھے چنانچہ ''خطائے اجتہادی'' سے کھا بیٹھے پھر استغفار کیا تو اللہ نے معاف فرمادیا۔'' (ص۲۲۰)

یہاں تو مولانا مہر محمد صاحب نے واضح طور پر حضرت آدم علیہ السلام کو خطائے اجتہادی کا مرتکب قرار دیا۔ گویا کہ مؤلف اصل حقیقت کے نزدیک حضرت آدم کو خطا کار کہہ دیا۔ فرمایئے! مولانا مہر محمد صاحب پر کتنی مدت تبرا بازی کرتے رہیں گے؟

(ب) کیا اب بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ:

عدالت صحابہ کی یہ تحریر بھی حضرت امام اہل سنت (یعنی مولانا سندیلوی) کے مسلک کو محتاط ترین مسلک قرار دے رہی ہے۔ کیا محتاط مسلک یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اجتہادی خطا کرنے والا کہا جائے۔

(ج) میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں بھی یہ لکھا ہے کہ مولانا سندیلوی کا مسلک توقف نہیں ہے۔ کیونکہ توقف کا مطلب تو یہ ہے کہ فریقین (صحابہ) کے بارے میں کوئی

رائے نہ دی جائے۔

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۶ سندیلوی صاحب کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید

حالانکہ قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مولانا سندیلوی اپنی رائے یوں ظاہر کرتے ہیں کہ (۱) جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہ نسبت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اقرب الی الحق تھے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۵)

مگر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اس کے برعکس جمہور اہل السنّت والجماعت کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ہم کو یہی کہنا چاہیے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں حق پر تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حق کے زیادہ قریب تھے۔

(براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص ۶۴)

اب تو محدث عثمانی بھی اس یزیدی گروہ کی تبرا بازی کے مستحق بن جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر ترجیح دے دی۔

② مولانا سندیلوی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

آں محترم نے جو اصحاب جمل وصفین سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا یہ موصوف کی اجتہادی غلطی تھی (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۸۸)

یہ عبارت میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۶۲ پر پوری درج کر دی ہے۔ اس سے قارئین حضرات اندازہ لگائیں کہ مؤلف اصل حقیقت کا یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کا مسلک محتاط ترین مسلک ہے حالانکہ وہ حضرت علی کی طرف اجتہادی غلطی منسوب کرتے ہیں۔ گویا کہ بقول مؤلف ''اصل حقیقت'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطا کار کہتے ہیں۔

③ اپنے غیر مطبوعہ مکتوب میں سندیلوی صاحب لکھتے ہیں: حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ہیں؟ (۲) یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی کوئی گناہ نہ تھا بلکہ مجتہد کو اجتہادی غلطی ہونے کی

صورت میں ثواب ملتا ہے (مکتوب محررہ ۱۸ / ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ)۔

میں نے سندیلوی صاحب کے مکتوب کی یہ عبارت ''خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۱۰'' پر نقل کردی ہے۔ بہرحال سندیلوی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اجتہادی خطا کرنے والا مان لیا۔ گویا کہ بقول ''مولف اصل حقیقت'' انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی خطا کار قرار دیا۔ کیا یہی سندیلوی صاحب کا محتاط ترین مسلک ہے جس کا ڈھنڈورا مؤلف ''اصل حقیقت'' جھوٹ کے پرچم تلے پیٹ رہے ہیں؟

مؤلف اصل حقیقت کی یہاں ایک اور بددیانتی یہ ہے کہ انہوں نے مولانا مہر محمد صاحب موصوف کی کتاب عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم ص ۲۲۳ سے نمبر ۸ کی عبارت تو نقل کردی جو اوپر منقول ہوچکی ہے لیکن نمبر ۹ کی عبارت ترک کردی جو مولانا سندیلوی کے موقف کے خلاف تھی۔ چنانچہ مولانا مہر محمد صاحب لکھتے ہیں:

تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خلافت علوی کے زمانے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ خلافت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی البتہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دستبردار ہونے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق سمجھ کر ان سے صلح کرنے اور بیعت کر لینے کے بعد سے وہ خلیفہ برحق ہوگئے جن کی اطاعت واجب ہوگئی اور خلفائے ثلٰثہ کے بعد یہ سعادت صرف انہی کے حصہ میں آئی کہ تمام امت مسلمہ ان کے جھنڈے تلے جمع ہوگئی۔ اس سن کا نام عام الجماعۃ رکھا گیا (ص ۲۲۳)۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ تھے۔ لیکن مولانا سندیلوی حکمین کے فیصلہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

(ب) مولانا مہر محمد صاحب کی یہ بات صحیح نہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ نہ کیا۔ کیونکہ حکمین کے فیصلہ کے بعد آپ نے خلافت کا دعویٰ کردیا تھا سندیلوی صاحب نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ اور

اس پر میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۷۳ پر بحث کی ہے۔

مولانا مہر محمد صاحب کی فروگزاشتیں

مولانا حافظ مہر محمد صاحب ردشیعیت میں بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں لیکن کتاب عدالت صحابہ کرام ان کی پہلی تصنیف ہے۔ جس میں انہوں نے غلطیاں کی ہیں۔ وہ پاکستان کی خارجیت سے بھی پورے واقف نہیں ہیں۔ اب ان کو اس فتنہ کا احساس ہو رہا ہے۔ خلافت راشدہ اور مشاجرات صحابہ کی بحث میں ان سے عدالت صحابہ کرام اور تحفہ امامیہ (مؤلفہ ۱۴۰۱ھ) میں تسامحات واقع ہوئے ہیں جن پر میں نے ان کو توجہ دلائی تھی جس کے جواب میں کچھ تاویل کرنے کے بعد آخر یہ تحریر فرمایا کہ: تاہم آپ کے ارشاد کے مطابق آئندہ ایڈیشنوں میں ضرور ترمیم کروں گا۔ مجھے آپ کی دیانت علم پر اعتماد کامل ہے۔''

کیا مجتہد صحابی خطا کار ہوتا ہے

میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا تو منسوب کی ہے لیکن کسی جگہ ان کو خطا کار نہیں لکھا۔ حالانکہ مولانا حافظ مہر محمد صاحب موصوف خطائے اجتہادی والے مجتہد کو خطا کار قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ مشاجرات صحابہ کی بحث میں لکھتے ہیں: ''جو کچھ ان کے مابین ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا اور ہر شخص راست روی کی کوشش کرنے والا تھا۔ راست رو تو ٹھیک تھا جسے ثواب ملا اور خطا کار کو بھی ثواب ملا البتہ خطا کار کو معذور سمجھا جائے گا۔ (عدالت صحابہ کرام ص ۲۱۲)

علاوہ ازیں مولانا مہر محمد صاحب تحفہ امامیہ میں بھی لکھتے ہیں انسان صرف حسن نیت کا مکلّف ہے فکر و عمل میں بھول چوک سے پاک دامن رہنے کا مکلف نہیں۔ ہاں درست کار کو دوہرا اجر ملتا ہے اور خطا کار کو ایک گنا ملتا ہے (ص ۳۰۰)

دیکھیے مؤلف ''اصل حقیقت'' اور ان کی پارٹی مولانا مہر محمد صاحب پر کب تبرا بازی شروع کرتے ہیں۔ بہر حال مولانا مہر محمد صاحب کا جو سہارا لیا تھا وہ بھی تار عنکبوت

ہی ثابت ہوا ہے۔

مولانا مہر محمد عباسی کے مخالف ہیں

مولانا حافظ مہر محمد صاحب لکھتے ہیں: یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام اپنے والد کا تخت حاصل کرنے کے لیے مناسب موقع جان کر کیا جو سقیفہ کے موقع پر آپ کے والد سے غصب کیا گیا تھا جیسے شیعہ کا باطل نظریہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت حسین سقیفہ کے دن ہی شہید ہو گئے تھے اور نہ اس کو محض سیاسی اور دنیوی حکومت کے حصول اک ذریعہ سمجھنا چاہیے جیسے محمود احمد عباسی کا غلط نظریہ ہے۔ دراصل رفض وخروج کے یہ خیال ایک ہی ہیں صرف تعبیر کا فرق ہے (تحفہ امامیہ ص ۱۰۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا مہر محمد صاحب عباسی نظریہ کو خارجیت ہی سمجھتے ہیں۔

مفتی محمود رحمۃ اللہ بھی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں

مولانا مہر محمد صاحب نے مودودی صاحب کی خلافت وملوکیت کی بعض تحریرات کے جواب میں کتاب ''عدالت صحابہ کرامؓ'' لکھی ہے۔ جس میں مودودی صاحب نے مشاجرات صحابہ کو حق وباطل کا اختلاف قرار دیا ہے۔ اس کتاب کی تقریظ میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ: '' کچھ نامسعود لوگ ہیں جو صحابہ کرام کے آپس کے مشاجرات۔ زلات اور اجتہادی قسم کے خطایا کی آڑ میں اپنی بد باطنی اور بغض صحابہ کے خفیہ جذبات کو آشکارا کرنے کا بہانہ تراشتے ہیں اور اجماعِ امت کے برعکس ان نفوس قدسیہ کی عدالت کو کج استدلالی سے قابل بحث اور محل نزاع بنا کر پیش کرتے ہیں (عدالت صحابہ کرام ص ۱۴)...... لیجیے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ نے بھی بندہ کے پیش کردہ موقف کی تائید کردی ہے۔ کیونکہ میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں مشاجرات صحابہ کی بحث میں جمہور اہل السنّت والجماعت کا یہی مسلک پیش کیا ہے کہ قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ وقتال کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہوگئی تھی (اور اس پر بھی ان کو ایک گونہ ثواب ملے گا) اس

موقف کی بنا پر مولف ''اصل حقیقت'' نے سارے کتابچہ میں مجھ پر تبرا بازی کی ہے۔ اگر میرا یہی جرم ہے تو مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم بھی اسی جرم کے مرتکب ہیں۔ پھر ان کے بارے میں اس پارٹی کا کیا طرزِ عمل ہوگا؟

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۷ جمعیت علمائے اسلام سے اختلاف

مؤلف ''اصل حقیقت'' لکھتے ہیں: نفسانیت اور حبِ جاہ انسان سے کیا کیا حرکتیں کراتی ہے۔اس کی بڑی دلچسپ مثال چکوال کے قاضی مظہر حسین صاحب ہیں۔ ان کے پرانے جاننے والے کہتے ہیں کہ جمعیت علمائے اسلام میں جب ان کی انانیت کو غذا نہ ملی تو یہ ناراض ہوکر اس سے مستعفی ہوگئے اور ایک جدا تنظیم قائم کر کے اس کے امیر بن گئے اسکے بعد بھی غصہ ختم نہیں ہوا تو قائد اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم کے خلاف ایک کتابچہ ''مفتی محمود کے نام کھلا خط'' کے عنوان سے شائع کر کے اپنے غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔اس کے جواب میں تبصرہ کرتے ہوئے حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ نے (بروایت حضرت مولانا ابومغیرہ نور حسین عبداللہ صاحب عم فیوضہ۔ واہ کینٹ) چکوالی صاحب کے متعلق فرمایا کہ: ''حق چار یار کی آڑ میں پیری مریدی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے'' (اصل حقیقت ص ۱۷)

مؤلف ''اصل حقیقت'' کا اوڑھنا بچھونا سب جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ بحث تو مشاجرات صحابہ کی چل رہی ہے۔لیکن درمیان میں وہ اپنے باطل نظریات پر پردہ ڈالنے کے لیے ذاتیات اور جماعتی اختلافات کو لے آتے ہیں۔ حالانکہ جمعیت علمائے اسلام سے میرا اختلاف نہ ذاتی ہے اور نہ مسلکی۔ حضرت مولانا درخواستی ہوں یا حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم، نہ منکرین حیات النبی ہیں اور نہ حامیان یزید اور نہ ہی مشاجرات صحابہ میں وہ اکابر دیوبند کے مسلک کے مخالف ہیں اور مولانا مفتی محمود مرحوم کا عقیدہ تو ان کی تحریر سے پہلے پیش کر دیا گیا ہے کہ وہ بھی مشاجرات صحابہ میں خطائے اجتہادی کے قائل ہیں تو پھر یہاں جمعیت علماء اسلام کا اختلاف چھیڑنے سے مؤلف کی

خارجیت اور یزیدیت کو کیا حاصل ہوگا یہ تو اصل مبحث میں ان کی بے بسی اور لاجوابی کی دلیل ہے کہ ناواقف لوگوں کی توجہ اصل بحث سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

اختلاف کی ابتدا

شیخ التفسیر قطب زماں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ نے جمعیت علماء اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے بعد منصب امارت پر فائز ہوکر بندہ کو ضلع جہلم کا امیر نامزد کیا تھا۔ مولانا غلام اللہ خاں صاحب مرحوم کو راولپنڈی کا اور پھر ان کے اصرار پر (جیسا کہ حضرت لاہوری نے خود فرمایا تھا) مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کو ضلع گجرات کا امیر نامزد کیا تھا۔ اس کے بعد ملک بھر میں جمعیت کا کام شروع ہوگیا اسی دوران مولانا غلام اللہ صاحب کی جماعت نے جمعیت اشاعت التوحید والسنّت کی بنیاد رکھ دی جس کا صدر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب مرحوم کو بنایا گیا۔ قاضی صاحب مرحوم نے مجھے بھی اپنی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی لیکن میں نے معذرت پیش کردی کہ میں جمعیت علمائے اسلام میں شامل ہوں۔ کسی دوسری جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا۔ چونکہ ان حضرات سے ہمارے روابط تھے اور ہم ان حضرات کو اپنے جلسوں میں بلاتے تھے اس امید پر انہوں نے مجھے اپنی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ لیکن ضلع راولپنڈی اور ضلع گجرات میں انہوں نے جمعیت کا کام نہ کیا۔ چنانچہ حضرت لاہوری نے خود ہم سے اس کی شکایت کی تھی۔ ہم نے دوسرے اضلاع میں بھی متعدد مقامات پر علماء کو جمعیت میں کام کرنے پر آمادہ کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ صاحب بانی سراج العلوم سرگودھا کی قیادت میں سیالکوٹ کا بھی دورہ کیا جبکہ وہ جمعیت علمائے اسلام شمالی پنجاب کے امیر اور بندہ ناظم اعلیٰ تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اکابر جمعیت نے بندہ کو ان کے منصب پر مامور فرمایا۔ علاوہ ازیں بندہ کو آل پاکستان جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کا رکن بھی نامزد کیا گیا جبکہ موجودہ بنگلہ دیش پاکستان کا حصہ تھا۔

۸ جماعتوں کا اجلاس ڈھاکہ

سابق صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان کی طرف سے نافذ کردہ عائلی قوانین کے خلاف جمعیت علمائے اسلام نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ حکومت کے خلاف سخت اقدام کرنے کے لیے متعدد ڈکٹیٹر تجویز کئے گئے تھے جن میں بندہ کا نام بھی تھا لیکن بعد میں اکابر نے یہ تجویز ملتوی کردی۔ اسی دوران پی ڈی ایم (پاکستان تحریک جمہوریت) نے ڈھاکہ میں حزب اختلاف کی دوسری پارٹیوں کے علاوہ جمعیت علمائے اسلام کو بھی دعوت دی اور جمعیت نے ان کی دعوت کو قبول کرلیا۔ آٹھ پارٹیوں کا یہ مشترکہ اجلاس ڈھاکہ میں آٹھ جنوری ۱۹۶۹ء کو منعقد ہوا تھا۔ جمعیت کے وفد میں میرا نام بھی تھا۔ لیکن اس مشترکہ محاذ میں چونکہ مودودی جماعت بھی شریک تھی اس لیے میں نے اس سے اختلاف کیا۔ امیر جمعیت حضرت درخواستی نے میرے ٹکٹ کا بندوبست کر لیا تھا۔ لیکن اچانک بیمار ہو جانے کی وجہ سے بندہ نہ جا سکا۔ اور حضرت مولانا شمس الدین صاحب قاسمی جنرل سکرٹری جمعیت علمائے اسلام مشرقی پاکستان کو اپنی چٹھی ارسال کردی جس میں اپنے اختلاف کا اظہار کردیا۔ چنانچہ اس چٹھی میں بندہ نے ...... تحریک جمہوریت کے ساتھ عدم اشتراک کی مختلف وجوہ ذکر کرنے کے بعد نمبرے کے تحت یہ لکھا تھا کہ:

دوسرا پہلو جس کی وجہ سے بندہ کسی صورت میں تحریک جمہوریت سے علمائے حق کا اشتراک برداشت نہیں کرسکتا وہ مودودی جماعت کی اس میں شمولیت ہے۔ بندہ دینی اعتبار سے مودودی کو صدر ایوب اور دیگر ملاحدہ سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی قدس سرہٗ اور مفسر قرآن حضرت لاہوری قدس سرہٗ جیسے اکابر نے اپنی خداداد بصیرت کی بنا پر مودودی کی جو مخالفت کی ہے اور اس کے نتیجے میں مذہبی طبقے مودودیت سے متنفر ہوئے ہیں اور پھر مودودی کی خلافت وملوکیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف نوجوان طبقہ پر جو برے اثرات ڈالے ہیں اس بنا پر بھی متعدد

۸ جماعتوں کا اجلاس ڈھاکہ

سابق صدر پاکستان فیلڈ مارشل ایوب خان کی طرف سے نافذ کردہ عائلی قوانین کے خلاف جمعیت علمائے اسلام نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ حکومت کے خلاف سخت اقدام کرنے کے لیے متعدد ڈکیٹیٹر تجویز کئے گئے تھے جن میں بندہ کا نام بھی تھا لیکن بعد میں اکابر نے یہ تجویز ملتوی کردی۔ اسی دوران پی ڈی ایم (پاکستان تحریک جمہوریت) نے ڈھاکہ میں حزب اختلاف کی دوسری پارٹیوں کے علاوہ جمعیت علمائے اسلام کو بھی دعوت دی اور جمعیت نے ان کی دعوت کو قبول کرلیا۔ آٹھ پارٹیوں کا یہ مشترکہ اجلاس ڈھاکہ میں آٹھ جنوری ۱۹۶۹ء کو منعقد ہوا تھا۔ جمعیت کے وفد میں میرا نام بھی تھا۔ لیکن اس مشترکہ محاذ میں چونکہ مودودی جماعت بھی شریک تھی اس لیے میں نے اس سے اختلاف کیا۔ امیر جمعیت حضرت درخواستی نے میرے ٹکٹ کا بندوبست کر لیا تھا۔ لیکن اچانک بیمار ہو جانے کی وجہ سے بندہ نہ جا سکا۔ اور حضرت مولانا شمس الدین صاحب قاسمی جنرل سکرٹری جمعیت علمائے اسلام مشرقی پاکستان کو اپنی چٹھی ارسال کردی جس میں اپنے اختلاف کا اظہار کردیا۔ چنانچہ اس چٹھی میں بندہ نے...... تحریک جمہوریت کے ساتھ عدم اشتراک کی مختلف وجوہ ذکر کرنے کے بعد نمبر ۲ کے تحت یہ لکھا تھا کہ:

دوسرا پہلو جس کی وجہ سے بندہ کسی صورت میں تحریک جمہوریت سے علمائے حق کا اشتراک برداشت نہیں کرسکتا وہ مودودی جماعت کی اس میں شمولیت ہے۔ بندہ دینی اعتبار سے مودودی کو صدر ایوب اور دیگر ملاحدہ سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی قدس سرہٗ اور مفسر قرآن حضرت لاہوری قدس سرہٗ جیسے اکابر نے اپنی خداداد بصیرت کی بنا پر مودودی کی جو مخالفت کی ہے اور اس کے نتیجے میں مذہبی طبقے مودودیت سے متنفر ہوئے ہیں اور پھر مودودی کی خلافت وملوکیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف نوجوان طبقہ پر جو برے اثرات ڈالے ہیں اس بنا پر بھی متعدد

علماء اس سے بدظن ہوئے ہیں۔ اور اس پارٹی کو علمائے حق کے ساتھ جو بہت زیادہ قلبی عداوت ہے اور مودودی اپنا مفروضہ جدید اسلام ہی لانا چاہتا ہے علمائے حق کے اس اشتراک سے ہی عوام کی نظر میں وہ باہمی نظریاتی کشمکش زائل ہو جائیں گی۔ اور اب تک تحریری اور تقریری طور پر خود اکابر جمعیت کی طرف سے جو مخالفت کی گئی ہے اس کا اثر بالکل زائل ہو جائے گا بلکہ من وجہ علمائے حق کے خلاف ہی اثر پڑے گا کیونکہ عوام اس گہرائی میں نہیں جا سکتے کہ یہ اشتراک صرف جمہوریت کی حد تک ہے......

(۸) تحریک جمہوریت میں بعض جگہ صدر یا سکرٹری مودودی ہیں بلکہ شیعہ اور دیگر ملحد بھی ہیں۔ اس اشتراک کے بعد علماء کو بعض مقامات پر ان کی قیادت ضرور تسلیم کرنی ہو گی اور کم از کم بندہ کے لیے تو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ ہمیں روافض کے فتنہ سے بھی پالا پڑا ہوا ہے۔ پہلے ہی عوام اہل سنت کی مذہبی پوزیشن ملک میں بالکل ختم ہے۔ اس اشتراک کے بعد تو کوئی روافض کے خلاف نہیں کر سکے گا اور نہ مودودی کے خلاف کاروائی ہو سکے گی اور اگر ہم بدستور مخالفت کرتے رہے تو جمعیت کا مرکزی فیصلہ مجروح ہوگا یا ہمیں جمعیت کے فیصلہ کے تحت بے ضمیر ہو کر وقت گزارنا ہوگا اور یا جمعیت کی خدمت سے محروم ہونا پڑے گا۔ تو ان دینی اور سیاسی وجوہ کی بنا پر بندہ اس اشتراک میں نفع کم اور نقصان زیادہ سمجھتا ہے گویا فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا کا مصداق ہے۔ علاوہ ازیں مودودی پارٹی امریکن بلاک کی ہے جس کے ہم سخت مخالف ہیں۔ وہ بہ نسبت یہود صدر ناصر کی زیادہ مخالف ہے۔ تو اشتراک کے بعد ان تضادات کا کیا علاج ہوگا؟ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ملکی سیاست کے اس نازک موڑ پر جمعیت علماء اسلام کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔ (۹ رشوال المکرم ۱۳۸۸ھ)۔

میرے اس خط سے قائین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میرا اختلاف انانیت پر مبنی تھا یا حقائق پر؟

مکہ مکرمہ میں مولانا شمس الدین صاحب کی ملاقات

گزشتہ سال ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ میں بندہ کو بھی حج بیت اللہ اور زیارت مقدسہ روضہ رسول اللہ ﷺ نصیب ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران جب حضرت مولانا شمس الدین صاحب قاسمی دام مجدہم کو علم ہوا تو بندہ کے ہاں تشریف لائے۔ میں نے اپنے نئے رسالہ ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ اور ''مسئلہ عصمت انبیاء اور مودودی'' پیش خدمت کیے تو مولانا موصوف نے اس سابقہ اختلاف کے بارے میں فرمایا کہ مودودیت سے عدم اشتراک کے بارے میں آپ کی رائے صحیح تھی۔ ہمیں مودودی جماعت کے اشتراک کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم نے بھی آخر میں یہی فرمایا تھا کہ آئندہ مودودی جماعت سے اشتراک نہیں کرنا چاہیے بلکہ مولانا قاسمی نے تو حضرت مفتی صاحب کی ایک تحریر کا بھی حوالہ دیا تھا۔ مولانا شمس الدین صاحب قاسمی اب بھی بنگلہ دیش جمعیت علمائے اسلام کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اب ہم نے جمعیت کو غیر سیاسی قرار دے دیا ہے۔ اس سیاست سے ہمیں بڑا نقصان پہنچا ہے۔

میری تصانیف کے بنگلہ تراجم

حضرت مولانا شمس الدین صاحب قاسمی نے فرمایا کہ رد شیعیت اور رد مودودیت میں آپ کی جتنی تصانیف ہیں ہم بنگلہ زبان میں ان کا ترجمہ شائع کرنا چاہتے ہیں ہمیں اس کی اجازت دیں۔ میں نے عرض کیا کہ واپس جا کر تحریری اجازت نامہ ارسال کر دوں گا۔ چنانچہ حج بیت اللہ سے واپسی پر میں نے اپنے عریضہ میں بلا معاوضہ ان کو ان کتابوں کے تراجم شائع کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اور بندہ کی جتنی تصانیف یہاں شائع ہوتی ہیں وہ بھی سب جماعتی ہوتی ہیں نہ کہ ذاتی۔

مولانا ہزاروی رحمہ اللہ کی ڈھاکہ سے واپسی

حضرت مولانا غلام غوث صاب ہزاروی رحمہ اللہ بھی جمعیت علماء اسلام اور مودودی جماعت کے اشتراک کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ ڈھاکہ کے اجلاس میں مولانا ہزاروی نے اپنے اس اختلاف کا کھلم اظہار کردیا تھا لیکن آپ کی رائے نہ تسلیم کی گئی۔ اور جب ان کی واپسی پر مولانا سے ملاقات ہوئی تو فرمایا۔ قاضی صاحب میں اکیلا تھا آپ ہوتے تو دو ہو جاتے وغیرہ۔

جمعیت علماء اسلام سے میرا استعفاء

مودودی جماعت سے اشتراک کے بعد جمعیت علمائے اسلام سے وہ قلبی وابستگی نہ رہی اور قریباً دو سال کے بعد جب ۶ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۳ مئی ۱۹۷۰ء کو لاہور میں جمعیت علمائے اسلام کی کوشش سے ۱۹ دینی جماعتوں کا ایک ''متحدہ دینی محاذ'' قائم ہوا۔ جس میں خاکسار تحریک کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ تو میں نے جمعیت سے مستعفی ہونے کا اعلان کردیا اور اپنا مفصل استعفاء (محررہ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۷۰ء) حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی امیر جمعیت علمائے اسلام پاکستان کی خدمت میں ارسال کردیا جس میں بندہ نے خاکسار تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی کے عقائد لکھے اور اکابر علماء دیوبند کے فتاویٰ کا بھی حوالہ دیا۔ چنانچہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کا حسب ذیل فتویٰ بھی لکھا کہ:

''جن لوگوں کے عقائد وہی ہیں جو تذکرہ اور دیگر تصانیف مشرقی میں خلاف اسلام درج ہیں تو بے شک ان کے نکاح ٹوٹ گئے۔ اور وہ مرتد ہو گئے ان کو توبہ کرنا اور تجدید نکاح کرنا ضروری ...... اور نہ مقابر مسلمین میں ان کو دفن کرنا چاہیے۔'' (شعبان ۱۳۵۵ھ)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے اس فتویٰ کا

بھی حوالہ دیا کہ: ''اس جماعت کے اقوال وافعال مجموعی طور پر کفر ہیں ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو قطع تعلق کر دینا واجب ہے۔'' (۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ) اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کا یہ فتویٰ بھی لکھا کہ: اس جدید فرقہ (تحریک خاکساری) کا فتنہ قادیانی فتنے سے بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔'' شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے رسالہ: علمائے اسلام اور علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی گورنمنٹ پنشنر بانی تحریک خاکساراں کا بھی حوالہ دیا جس میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ''اب مسلمان خود ہی فیصلہ کرلیں کہ خدا تعالیٰ کو سچا مانیں اور اس کے قرآن کے اعلانات کو صحیح جانیں یا عنایت اللہ صاحب مشرقی کی حمایت کریں۔ اور انہیں سچا جانیں؟ (ص ۱۸) ۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ نے کتاب تذکرہ کے عقائد کی شرط اس لیے لگائی تھی کہ خاکسار تحریک میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کو بانی تحریک کے عقائد کا علم نہ تھا۔ وہ صرف مجاہدانہ جذبہ سے اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور اس کی ظاہری شکل کو دیکھ کر کئی جرأت مند نوجوان اس میں شامل ہو گئے تھے۔ عوام میں خاکسار تحریک ''بیلچہ پارٹی'' کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن خاکسار رہنماؤں کو اس ''متحدہ محاذ'' میں شامل کیا گیا تھا اور خاکسار تحریک کے ہفت روزہ ''الاصلاح'' لاہور کے ایڈیٹر صفدر سلیمی صاحب کو ''متحدہ دینی محاذ'' کا نائب صدر مقرر کیا گیا تھا وہ عقیدۃً علامہ مشرقی کے تابع تھے۔ اور میں نے اپنے استعفاء میں ''الاصلاح'' کے مضامین سے ہی ثابت کیا تھا کہ صفدر سلیمی صاحب کے بھی وہی عقائد ہیں جو علامہ مشرقی کے تھے۔

امر سوم

اس استعفاء نامہ میں بندہ نے (امر سوم) کے تحت یہ لکھا تھا کہ: جمعیت علمائے اسلام کی پالیسی سے اختلاف کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اسلامی سوشلزم کے داعی ذوالفقار علی بھٹو کے ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور میں متعدد ایسی عبارتیں ہیں جن میں صراحتاً بعض

جلیل القدر صحابہ کی توہین پائی جاتی ہے۔ بعض میں لاہوری مرزائی فرقہ کے سربراہ اور منکرین حدیث کو قرآن کا خادم تسلیم کیا گیا ہے اور بعض سے اسلامی سوشلزم کی تشریحات کے سلسلہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسلامی سوشلزم دراصل چینی سوشلزم ہے الخ۔ توہین صحابہ کے سلسلے میں بندہ نے ''نصرت'' کے ایڈیٹر حنیف رامے صاحب (موجودہ صدر مساوات پارٹی) پارٹی پاکستان) کی یہ عبارت پیش کی تھی کہ:

کیا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھاگتی ہوئی فوج کو سنبھالا دینے کے لیے قرآن کو نیزوں پر نہیں چڑھادیا تھا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بعد ازاں حنیف رامے صاحب نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے متعلق مذکورہ عبارت کے سلسلے میں مجھ کو معذرت کا خط بھی لکھا تھا۔ لیکن میرے نزدیک یہ معذرت ناکافی تھی۔

علاوہ ازیں نصرت ۲۱ ستمبر ۱۹۶۹ء میں یہ بھی لکھا تھا کہ:

اس حقیقت سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کی لاش پر جس ''ملوکیت'' کی عمارت قائم کی تھی اور اس عمارت کے گارے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون پاک سے پانی دیا تھا تو انہوں نے بھی اپنی اس مہم کو اسلام کے ماسوا کوئی دوسرا نام نہ دیا تھا (ص ۱۴)

چونکہ جمعیت علمائے اسلام کا اب بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی سے اشتراک ہو رہا تھا (اور مودودی جماعت سے مخالفت ہوگئی تھی) اس لیے بندہ نے اکابر جمعیت کو بھٹو پارٹی کے نظریات وعزائم کی طرف توجہ دلائی کہ توہین صحابہ میں نصرت کے مضامین ''خلافت وملوکیت'' سے کم نہیں ہیں۔ اپنے استعفاء کے آخر میں بندہ نے لکھا تھا کہ: ''کاش کہ جمعیت علمائے اسلام کے اکابر حضرات جن کا شائع کردہ ''اسلامی منشور'' لادینی سیاست کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے سیاسی میدان میں بھی عملاً اس پر ثابت قدم رہتے اور اسلام وقرآن کے نام پر جو نئے نئے کافرانہ نظریات ملک میں پھیلائے جارہے ہیں ان سب کا یکساں طور پر مقابلہ کرتے تو یہ ان کا ایک شاندار تاریخی کارنامہ ہوتا اور اس

سے برسوں کی مروجہ لادینی سیاست کو اصولی طور پر شکست کا منہ دیکھنا پڑتا۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ بہر حال مذکورہ وجوہات کی بنا پر بندہ چونکہ جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی سیاسی پالیسی سے کسی طرح بھی مطمئن نہیں ہے اور جمعیت کے اسٹیج پر اہل اسلام کو خالص دینی سیاست کی دعوت دینا کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا اس لیے جمعیت علماء اسلام کی بنیادی رکنیت سے مستعفی ہو کر اپنی عرض داشت پیش کر دی ہے۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص واستقامت عطاء فرمائیں۔ آمین والسلام (۱۸/ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۳/جون ۱۹۷۰ء)

جمعیت علمائے اسلام کا اسلامی منشور

۱۹۷۰ء کے مجوزہ عمومی انتخابات میں حصہ لینے کے لیے کل پاکستان جمعیت علمائے اسلام کی طرف سے جب اسلامی منشور (مرتبہ رجب ۱۳۸۹ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۹ء) شائع ہوا تو جمعیت علمائے اسلام ضلع جہلم نے اس کو خوبصورت پلاسٹک کور کے ساتھ چار ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔ جس میں بندہ نے عرض حال کے تحت یہ لکھا تھا کہ:

جمعیت علمائے اسلام کے پیش کردہ اسلامی منشور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد سرور کائنات رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن وسنت کو دین حق تسلیم کرنے کے باوجود اس میں تصریح کر دی گئی ہے کہ: اسلامی نظام حکومت کی جزئیات متعین کرنے کے لیے خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان ذوالنورین۔ حضرت علی المرتضیٰ) اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار حکومت وآثار کو معیار قرار دیا جائے گا۔''

علاوہ ازیں اس امر کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ صدر مملکت کے لیے پاکستان کی عظیم اکثریت مسلمانان اہل السنت والجماعت کا ہم مسلک ہونا ضروری ہوگا۔''

عرض حال کے آخر میں بندہ نے لکھا تھا۔ ہم تمام اہل اسلام سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ اس اسلامی منشور کی بنیاد پر علمائے حق کے تعاون سے پاکستان میں ''اسلامی نظام حکومت'' کے قیام کی جدوجہد کریں۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(۲۷ر شوال ۱۳۸۹ھ)

مسلمان کی تعریف

جمعیت علمائے اسلام کے اس اسلامی منشور میں مسلمان کی قانونی تعریف یہ لکھی گئی تھی کہ:

''وہ قرآن وحدیث پر ایمان رکھتے ہوئے ان کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین واسلاف رحمہم اللہ اجمعین کی تشریحات کی روشنی میں حجت سمجھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کسی نبوت کا اور نہ کسی (نئی) شریعت کا قائل ہو۔''

مسلمان کی اس قانونی تعریف کی بنا پر تو شیعہ مسلمان قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ کیونکہ وہ قرآن وحدیث کی تشریح کے لیے صحابہ کرام کو حجت نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بوجہ معصوم ہونے کے اس بارے میں حجت ہیں۔ اور وہ تو سوائے چند گنتی کے صحابہ کے باقی سب کو غیر مومن منافق بلکہ مرتد تک قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس قانونی تعریف کی زد میں تو مودودی صاحبان بھی آجاتے ہیں کیونکہ وہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیار حق نہیں مانتے اور ان پر تنقید کرتے ہیں العیاذ باللہ اور اسی اسلامی منشور کی بنا پر جمعیت علمائے اسلام نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں مودودی جماعت سے اشتراک نہیں کیا تھا۔ لیکن بعد میں سیاست میں ایسا انقلاب آیا کہ جمعیت علمائے اسلام نے ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں مودودی جماعت سے مکمل اشتراک کرلیا۔ اور ۹ پارٹیاں ۹ ستاروں کی روشنی میں

میدان سیاست میں کود پڑیں۔

احتجاجی مکتوب کیوں لکھا گیا؟

حضرت مولانا مفتی صاحب مرحوم قومی اتحاد پاکستان کے صدر منتخب کئے گئے تھے۔اور سیاسی طور پر یہ ایک بلند مقام تھا جس پر آپ فائز ہوئے۔شیعہ مطالبات کمیٹی پاکستان کے صدر اس وقت جمیل حسین رضوی، سابق ریٹائرڈ جج آف ہائیکورٹ لاہور) تھے۔انہوں نے قومی اتحاد کے سامنے اپنے تین مطالبات پیش کئے۔

(۱) تعلیمی اداروں میں شیعہ اور سنی طلبہ کو اپنی اپنی دینیات پڑھائی جائیں گی۔

(۲) عزاداری سے متعلق مروجہ قانونی کے تحت جو حقوق شیعہ حضرات کو حاصل ہیں ان میں کسی طرح کمی وبیشی نہیں کی جائے گی۔

(۳) شیعہ سنی اوقاف بورڈ الگ الگ بنائے جائیں گے۔'' (نوائے وقت راولپنڈی ۱۴راگست ۱۹۷۷ء۔شیعہ ہفت روزہ رضا کار ۲۴راگست ۱۹۷۷ء)

شیعوں کے مندرجہ مطالبات (بلاتوقف) جب مولانا مفتی محمود صاحب اور قومی اتحاد نے تسلیم کر لیئے تو شیعہ مطالبات کمیٹی پاکستان نے قومی اتحاد کی حمایت کا اعلان کردیا۔جس کی تفصیل ''احتجاجی مکتوب'' میں مذکور ہے۔

سُنی مطالبات اور بندہ کا احتجاجی مکتوب

سواد اعظم اہل السنّت والجماعت کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ شیعہ ماتمی جلوسوں پر مکمل پابندی لگائی جائے اور سرکاری تعلیمی اداروں میں نصاب دینیات صرف اہل السنّت والجماعت کا ہونا چاہیے۔چنانچہ ۱۴راگست ۱۹۷۳ء مطابق ۱۴ررجب ۱۳۹۳ھ کو ہم نے پانچ سنی مطالبات مرتب کر کے اس وقت کے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی صاحب بھٹو کو ارسال کر دیئے تھے۔ان سنی مطالبات پر چاروں صوبوں کے ایک ہزار سے زائد سنی علماء کرام نے تائیدی دستخط کئے تھے۔جن میں حسب ذیل سات ایم این اے حضرات بھی تھے۔

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب (اکوڑہ خٹک)۔ (۲) مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی (۳) مولانا شاہ احمد نورانی صاحب صدر جمعیت علمائے پاکستان (۴) مولانا عبدالحکیم صاحب راولپنڈی)۔ (۵) مولانا صدر الشہید صاحب جمعیت علمائے اسلام (بنوں)۔ (۶) مولانا نعمت اللہ صاحب جمعیت علمائے اسلام (کوہاٹ)۔ (۷) مولانا عبدالحق صاحب جمعیت علمائے اسلام (بلوچستان)۔

سنی مطالبات کا یہ کتابچہ تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب کی طرف سے سارے ملک میں تقسیم کیا گیا۔ جس کا نام تھا۔

سواد اعظم کے ملکی وملی حقوق کے تحفظ کے لیے اہم سنی مطالبات

ان سُنی مطالبات کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) سواد اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ اسلامی اور جمہوری حق ہے کہ نصابِ تعلیم میں صرف ان کی دینیات نافذ کی جائے اور شیعہ اقلیتی فرقہ کے اس مطالبہ کو مسترد کردیا جائے کہ: شیعہ دینیات سرکاری تعلیمی ادارہ میں نافذ کیا جائے۔

② شیعہ فرقہ کے ماتمی جلوسوں کے لائسنس بالکل منسوخ کر دیئے جائیں کیونکہ یہ سنی شیعہ فرقہ وارانہ فسادات کا مبنی ہیں اور شیعہ فرقہ کو ان کی مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لیے ان کی مساجد اور امام باڑوں میں پابند کر دیا جائے۔

③ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ان نشریات پر پابندی لگادی جائے جو سواد اعظم اہل سنت کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والی ہیں۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ دیگر خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محامد وکمالات کو بھی نشر کرنے کا انتظام کیا جائے۔

④ اہل سنت کے لیے سنی اوقاف بورڈ قائم کیا جائے جس کا انتظام بھی سنی حکام کے ماتحت ہو۔

⑤ کتاب اللہ۔ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تعامل خلفائے راشدین اور اجماع

امت کے تحت چونکہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی امت مرزائیہ کافر ہے اس لیے پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

چونکہ قومی اتحاد نے سواد اعظم اہل السنّت والجماعت کے متفقہ مطالبات کے خلاف نصاب دینیات اور ماتمی جلوسوں کے شیعہ مطالبات کو منظور کر لیا تھا اور اس وقت قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود صاحب شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان تھے اس لیے بندہ نے اپنا احتجاجی مراسلہ بذریعہ ڈاک مفتی صاحب موصوف کی خدمت میں بھیج دیا اور جب صدر قومی اتحاد کی طرف سے اس کا جواب نہ آیا تو ''احتجاجی مکتوب'' کے نام سے اس کو شائع کر دیا گیا۔ اس مکتوب میں بندہ نے شیعہ کلمہ اسلام۔ امامت۔ تقیہ اور متعہ۔ ماتم وغیرہ عقائد پر بحث کی۔ اور اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ خلافت راشدہ مدلل طور پر پیش کر کے یہ لکھا تھا کہ: شیعوں کا عقیدہ امامت اور سواد اعظم اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ خلافتِ راشدہ اسلام کے نام پر جمع نہیں ہو سکتے لامحالہ ان میں سے کسی ایک کو ہی اختیار کرنا پڑے گا۔ اگر آپ کے نزدیک خلافت راشدہ کا عقیدہ برحق ہے تو امامت کا عقیدہ خلافِ اسلام ہوگا۔ اور قومی اتحاد کے سابق قومی منشور میں آپ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ: قانون سازی کی بنیاد قرآن وسنت پر ہوگی۔ تمام ایسے قوانین کو جو قرآن وسنت کے خلاف ہیں ایک سال کے اندر تبدیل کر کے قرآن وسنت کے مطابق بنایا جائے گا۔ اور اسلامی شریعت نافذ کی جائے گی۔'' اور ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جمعیت علمائے اسلام کے اسلامی منشور میں بھی آپ نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ: اسلام اور اس کے کسی بھی حکم وعقیدہ کے خلاف کسی قسم کی تبلیغ وتنقید کی نہ تقریری اجازت ہوگی نہ تحریری۔''

لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ملکی اقتدار ملنے سے پہلے ہی آپ نے اسلامی منشور کے خلاف شیعہ نصابِ دینیات کی منظوری دے دی ہے جس کا عقیدۂ امامت کلمہ اور اذان اسلامی عقائد واحکام اور کتاب وسنت کے خلاف ہے الخ (ص ۵۳)۔ یہ احتجاجی مکتوب بندہ نے ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۷۷ء کو مکمل کیا تھا۔

یہ ہے میرا قصور جس کی بنا پر مؤلف ''اصل حقیقت'' حضرت مفتی صاحب کی شخصیت کی دہائی دے کر اپنی خارجیت چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میرے اس احتجاجی مکتوب کا جواب حضرت مفتی صاحب مرحوم نے آخر تک نہیں دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا ورنہ اگر میری معروضات شرعاً ناجائز ہوتیں تو آپ اس کا ضرور جواب دیتے۔

مولانا مفتی محمود اور سندیلوی صاحب

جمعیت علمائے اسلام کی سیاسی پالیسی سے مولانا سندیلوی کو بھی اختلاف تھا۔ چنانچہ بندہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

مکرم ومحترم زیدت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والا نامہ سے مشرف ہوا۔ آنجناب نے فلم کے خلاف اور مطالبات اہل سنت کی اشاعت وتقویت کے لیے جو کوشش فرمائی اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور ان مساعی کا اجر جزیل دنیا وآخرت میں آپ کو عطا فرمائیں...... اسی وجہ سے میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ مطالبات کے سلسلے میں مفتی صاحب کی تائید بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے مگر معلوم ہوا کہ الاٰن کما کان۔ درحقیقت حمیت دینی مردہ ہو چکی ہو تو کوئی چیز آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ فالی اللہ المشتکی۔ محترما۔ سبائی جال اتنا وسیع ہے کہ پاکستان کی کوئی سیاسی جماعت ایسی نہیں ہے جس پر شیعوں کا پورا پورا اثر نہ ہو۔ جمعیت العلماء بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔'' (۲۸/شوال ۱۳۹۳ھ)

② اپنے مکتوب محررہ ۳۰/جولائی ۱۹۷۳ء میں مولانا سندیلوی لکھتے ہیں: اگر توقع تاثیر ہو تو مفتی محمود صاحب کو بھی اس طرف متوجہ فرمائیں کہ اس موقع پر تو وہ لب کشائی فرمائیں۔ ایسے امور کے متعلق انہیں جب لکھا تو جواب ہی نہ ملا۔ زبانی گفتگو میں بھی کسی ایسے موضوع پر جس کا تعلق کسی طرح شیعوں سے ہو انہوں نے میری گفتگو کے جواب میں سکوت ہی فرمایا۔ ممکن ہے کہ آپ کے لکھنے کا کچھ اثر ہو''

(ب) اسی مکتوب میں موصوف لکھتے ہیں: میری ناچیز رائے میں اس موقع پر ''خدام اہل سنت'' کی جانب سے ایک احتجاجی تجویز حکومت کو ضرور بھیجنا چاہیے۔ چونکہ انجمن مذکور نمائندہ حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کا احتجاج شاید موثر ہو''

③ مرزائیت کے خلاف مجلس عمل ختم نبوت پاکستان میں شیعوں کے اشتراک کے بارے میں مولانا سندیلوی ماسٹر محمد یوسف صاحب بھیں (چکوال) کے جواب میں لکھتے ہیں:

گرامی نامہ موصول ہوا۔ میرے نزدیک بھی تحریک میں شیعوں کو شریک کرنا سخت غلطی ہے جس کے اثرات دینی اعتبار سے بہت مضر ہو رہے ہیں اور ہوں گے۔ خود تحریک کو بھی اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ یہ ایک اشتراک عمل ایسا ہی ہے جیسے ایک مہلک بیماری کے زائل کرنے کے لیے جسم میں زہر داخل کر کے کوئی دوسری مہلک بیماری پیدا کر لی جائے۔ لیکن کسی سے کیا کہا جائے کوئی سننے والا نہیں الخ (۲۹ر جمادی الاخری ۱۳۹۴ھ۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۷۴ء)

مولانا سندیلوی نے مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم اور جمعیت علمائے اسلام اور مجلس عمل ختم نبوت پاکستان کے ساتھ شیعوں کے اشتراک کے بارے میں جو نظریہ پیش کیا ہے اسی بنا پر میں نے بھی جمعیت علمائے اسلام اور مجلس عمل ختم نبوت پاکستان کے ساتھ شیعوں کے اشتراک کے بارے میں جمعیت علمائے اسلام سے اختلاف کیا تھا۔ چنانچہ احتجاجی مکتوب سے ظاہر ہے۔ اور موجودہ مجلس عمل ختم نبوت پاکستان میں بھی شیعوں کے اشتراک کو بندہ مضر سمجھتا ہے۔ تو کیا مؤلف اصل حقیقت اس اختلاف کی وجہ سے اپنے امام اہل سنت سندیلوی صاحب پر بھی روایتی تبرابازی کی مشق کریں گے؟ یا اس کا ہدف صرف ''خارجی فتنہ'' کا مصنف ہی ہے۔

(ب) مؤلف صاحب تو تحریک خدام اہل سنت کو ڈیڑھ اینٹ کی جداگانہ تعمیر قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کے امام اہل سنت خدام کی نمائندہ حیثیت تسلیم کر رہے ہیں۔ کوئی بات تو مولانا سندیلوی کی مان لیا کریں۔ واللہ الہادی۔

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۸ مولانا نور الحسن بخاری

مؤلف ''اصل حقیقت'' مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری کی بھی دہائی دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ہمیں یاد ہے کہ جس زمانے میں پاکستان کی سب سے قدیم ''تنظیم اہل سنت'' ملتان کے رہنما حضرت مولانا نور الحسن بخاری کو بھٹو حکومت نے سنی دینیات کی نگرانی کے لیے کہا تو ان صاحب نے جوش رقابت میں مولانا بخاری کے خلاف بھٹو کے ہاتھوں بکنے کا چاروں طرف پروپیگنڈا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں اپنے مریدوں سے حضرت امام اہل سنت (یعنی سندیلوی صاحب) کے پاس بھی بخاری صاحب کے خلاف شکایتیں لکھوا کر بھیجیں۔ اگرچہ حضرت امام اہل سنت پر ان کے پروپیگنڈے کا کچھ اثر نہیں ہوا لیکن ضروری نہیں کہ تمام حضرات اس طرح غیر متاثر رہے ہوں اسی طرح یہ صاحب الزام تراشیاں کرنے اور غلط فہمیاں پھیلانے کے ماہر خصوصی ہیں'' (ص ۲۱)

حقیقتِ حال

حقیقت یہ ہے کہ مولانا ضیاء القاسمی صاحب (فیصل آباد) نے پہلے مجھے یہ لکھا تھا کہ ہم نے مڈل کلاسوں تک سنی شیعہ مشترکہ دینیات مرتب کر لی ہیں۔ آپ ان پر نظر ثانی کر لیں۔ اس وقت مولانا قاسمی صاحب موصوف سنی۔ شیعہ مشترکہ نصاب کمیٹی کے رکن تھے۔ جس میں ان کے علاوہ اہل سنت میں سے مولانا محمد حنیف ندوی۔ مولانا محمد بخش مسلم۔ ڈاکٹر عبد الواحد ہالے پوتا۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن (پشاور یونیورسٹی) قاضی محمد احمد پرنسپل لاء کالج حیدر آباد اور شیعوں کی طرف سے مرزا یوسف حسین۔ مولوی محمد بشیر انصاری ٹیکسلا) مولوی نجم الحسن کراروی، مولوی شبیہ الحسنین اور مولوی مرتضٰی حسین لکھنوی نصاب کمیٹی کے ارکان تھے۔ میں نے مولانا قاسمی موصوف کو جواباً لکھا کہ میں تو سنی شیعہ مشترکہ نصاب دینیات کا بھی مخالف ہوں اور سواد اعظم کے ''سُنی مطالبات'' میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ نصاب تعلیم صرف سوادِ اعظم اہل السنّت والجماعت کی دینیات کا نافذ کیا جائے اور شیعہ اقلیتی فرقے کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا جائے کہ:

''شیعہ دینیات سرکاری تعلیمی ادارہ میں نافذ کیا جائے۔''

اور میں نے یہ بھی لکھا کہ آپ تو ان سنی مطالبات پر پہلے دستخط کر چکے ہیں لیکن یہی دعوت جب مولانا ضیاء القاسمی وغیرہ کی طرف سے مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری مرحوم کو دی گئی تو آپ نے اسلام آباد جا کر اس مشترکہ نصاب کی تائید کر دی۔

مکتوبِ مرغوب

سواد اعظم اہل سنت کے عمومی مطالبہ کو نظر انداز کرتے ہوئے مولانا بخاری مرحوم سنی شیعہ مشترکہ نصاب دینیات کے حامی بن چکے تھے اور مشترک سرکاری اجلاسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ آپ نے ایک خطبہ صدارت بھی شائع کیا تھا اس لیے بندہ نے اپنے مراسلہ میں ان سے شدید احتجاج کیا تھا اور یہی مراسلہ بنام ''مکتوب مرغوب'' شائع کر دیا گیا۔ کیونکہ مسئلہ سواد اعظم کے حقوق کے تحفظ کا تھا نہ کہ کسی شخصیت کے احترام کا۔ چنانچہ میں نے شاہ صاحب بخاری مرحوم کو لکھا تھا کہ:

''آپ نے شیعہ اقلیتی فرقہ کے لیے مذہبی نصاب کا حق تسلیم کر کے اہل سنت کی عظیم اکثریت کے حقوق کو پامال کر دیا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آج کل دوسرے ممالک میں بھی عموماً اکثریت کے نظریات کے مطابق نصاب تعلیم رائج ہے۔ اور اقلیتی پارٹیاں اپنے نظریات کی تعلیم کے لیے پرائیویٹ انتظام کرتی ہیں۔ صحیح اور صاف بات یہ تھی کہ آپ نصاب دینیات کمیٹی کے اجلاس میں سنی اکثریت کے اس حق کے تحفظ کے لیے ڈٹ جاتے اور کسی طرح بھی اقلیتی فرقہ کے عقائد و عبادات کا نصاب تعلیم میں شامل ہونا قبول نہ کرتے (ص ۸)۔ (محررہ ۲۲ مئی ۱۹۷۳ء مطابق ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۳)

باقی تفصیلات مکتوب مرغوب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس وقت تنظیم اہل سنت پاکستان کے صدر مناظر اہل سنت حضرت مولانا عبد الستار صاحب تونسوی تھے۔ اور مولانا نور الحسن بخاری صرف سرپرست تھے۔ اور حضرت مولانا تونسوی بھی ان کے اس اقدام سے متفق نہ تھے۔ اب قارئین حضرات مؤلف اصل

حقیقت کے جھوٹ اور اتہام کا اندازہ لگائیں کہ وہ اس اختلاف میں مجھ پر جوش رقابت کا اتہام لگا رہے ہیں۔ حالانکہ میں نے تو سرے سے اس سرکاری تجویز کو ٹھکرا دیا تھا۔ اور جب وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے کوئٹہ میں ۱۲؍اکتوبر ۱۹۷۳ء کو منظوری دے دی جس کی اطلاع اخبارات میں شائع ہوگئی تھی (ملاحظہ ہونوائے وقت ۱۵؍اکتوبر ۱۹۷۳ء) تو تحریک خدام اہل سنت کی طرف سے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا اور ایک پمفلٹ بنام:

''شیعہ دینیات کے مسئلہ میں سواد اعظم اہل سنت کے خلاف ایک غیر منصفانہ فیصلہ'' سارے ملک میں تقسیم کیا گیا۔ اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے بھی نفاذ نصاب شیعہ کے خلاف ایک پمفلٹ ''سرکاری مدارس میں شیعہ مذہب کی تعلیم'' شائع کیا۔ ماہنامہ بینات اور الحق وغیرہ نے بھی اس کے خلاف اداریئے لکھے۔ تو مولانا بخاری مرحوم کے فیصلہ کے خلاف یہ سارے احتجاجات کیا کسی جوش رقابت کا ہی نتیجہ تھے؟ مؤلف اصل حقیقت نے یہ بھی صریح جھوٹ بولا ہے کہ میں نے جوش رقابت میں مولانا بخاری کے خلاف بھٹو کے ہاتھوں بکنے کا چاروں طرف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ میں نے نہ یہ بات کسی شخص سے کہی اور نہ ہی میرے دل میں تھا کہ مولانا بخاری بک گئے ہیں۔ البتہ میں ان کی اس غلطی کو شدید تاریخی غلطی قرار دیتا تھا۔ اور مولانا سندیلوی کو ایک خط کے ذریعے میں نے بخاری مرحوم کی اس غلطی سے مطلع کیا تھا جس کے جواب میں مولانا سندیلوی نے مجھے لکھا تھا کہ:

''آپ کا گرامی نامہ موصول ہونے سے کئی دن قبل مولانا بخاری صاحب کا کتابچہ موصول ہوگیا تھا اور اسے دیکھتے ہی میں نے انہیں ایک مفصل عریضہ لکھ کر ان کے موقف کی غلطی سے انہیں آگاہ کیا تھا۔ ان کا جواب امید افزا تھا جس سے اندازہ ہوا کہ ان کا موقف ہم لوگوں کے موقف سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ مگر کسی وقتی جذبہ کی وجہ سے ان سے یہ تسامح ہوگیا (۸؍اپریل ۱۹۷۵ء)

اور اس سے قبل مولانا سندیلوی اپنے مکتوب محررہ ۱۸؍جون ۱۹۷۳ء میں میرے

''مکتوب مرغوب'' کی تحسین کر چکے تھے چنانچہ لکھا کہ:

''مطبوعہ خط بنام مولانا نور الحسن صاحب بخاری موصول ہوا۔ بہت خوب اور مناسب ہے اللہ تعالیٰ نافع فرمائیں۔ الخ

فرمائیے! اس اختلاف میں مولانا سندیلوی نے میرے پیش کردہ موقف کی تائید وتصویب کر دی اور مولانا بخاری مرحوم کے موقف کو غلط قرار دیا۔ لیکن بُرا ہو خارجیت کا کہ اپنے امام اہل سنت مولانا سندیلوی کی طرف سے میری واضح تائید کے باوجود مؤلف صاحب اسی سلسلہ میں مجھ پر تبرا بازی کر رہے ہیں۔ واللہ الہادی۔

تنظیم اہل سنت اور تحفظ اہل سنت کا اختلاف

مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری مرحوم کی طرف سے سرکاری تعلیمی اداروں میں مڈل تک سنی شیعہ مشترکہ نصاب دینیات کی تصدیق کے بعد تنظیم اہل سنت میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور مولانا عبد الشکور صاحب دین پوری اور مولانا عبد المجید صاحب ندیم وغیرہ تنظیم سے علیحدہ ہو گئے۔ (حالانکہ ندیم صاحب اس وقت تنظیم اہل سنت پاکستان کے جنرل سیکرٹری تھے)۔ اور انہوں نے ''تحفظ حقوق اہل سنت'' کے نام سے اپنی مستقل جماعت قائم کر دی جس کے صدر مولانا دین پوری اور جنرل سیکرٹری ندیم صاحب قرار پائے۔ انہوں نے مولانا بخاری مرحوم کے خلاف پمفلٹ شائع کئے اور لکھا کہ (۱) نصاب کے سلسلے میں تنظیم اہل سنت کے موقف سے ہم نے شدید اختلاف کیا۔ چونکہ مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری نے جماعتی مشورہ کے بغیر اچانک پنڈی جا کر نصاب کے مسودہ پر دستخط کر کے حکومت کو مبارک باد دی اور ''مطالبہ منظور کر لیا گیا'' کے عنوان سے پمفلٹ شائع کر کے پوری سنی قوم کو مضطرب کر دیا حالانکہ علیحدگی کا مطالبہ اہل سنت کی طرف سے نہیں تھا بلکہ شیعہ حضرات کی طرف سے تھا۔ اہل سنت علیحدگی کے مطالبہ کو ملکی سالمیت اور ملکی یکجہتی کے منافی سمجھتے ہیں چنانچہ ہم نو احباب نے تنظیم سے استعفیٰ دے کر تحفظ ناموس صحابہ کے دینی اور ملی فرض کو ادا کرنے کے لیے

۱۲/ جون ۱۹۷۵ء کو ملتان میں اکابرین کے مشورہ سے تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان کا وجود عمل میں لایا گیا۔ مولانا عبدالشکور دین پوری صاحب صدر۔ سید شمس الزماں صاحب آف کالا باغ نائب صدر اور مولانا محمد حسین صاحب حیدری نائب صدر مولانا سید عبدالمجید شاہ صاحب ندیم ناظم اعلیٰ۔ حافظ سلطان احمد صاحب نائب ناظم اور حاجی محمد لقمان مغل صاحب خزانچی منتخب ہوئے (مجلس تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان کا قیام اور اس کی ضرورت ص ۵/۶)

② لکھتے ہیں: مئی ۱۹۷۵ء میں جب نصاب دینیات کے ضمن میں مولانا نور الحسن شاہ صاحب کی پالیسی اور ان کے غیر جماعتی طرز عمل پر اختلاف واحتجاج کرتے ہوئے ہم مستعفی ہو کر تنظیم اہل سنت سے علیحدہ ہو گئے۔ تو اس اصولی اختلاف کو ذاتیات کا رنگ دے کر جو کچھ کہا گیا اور کہا جا رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ کہا گیا کہ باغی ہیں عہدوں کی ہوس تھی۔ مفسد تھے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے جماعتی اخلاص کو مدنظر نہ کر کے ہماری کردار کشی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی گئی۔ یہاں تک کہ تبلیغی بائیکاٹ کیا گیا۔

(جدید نصاب دینیات کا منصفانہ جائزہ۔ سواد اعظم اہل سنت پر ظلم عظیم ص ۵)۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم نے ان کے مابین اتحاد کی بڑی کوشش فرمائی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

فرمائیے! جس بنیاد پر میں نے بخاری صاحب مرحوم سے اختلاف کیا اسی بنیاد پر مولانا دین پوری اور ندیم صاحب نے سخت اختلاف کیا۔ حتیٰ کہ جماعت کو بھی چھوڑ دیا لیکن مجھ پر تبرا بازی ہو رہی ہے اور تحفظ حقوق اہل سنت کے رہنماؤں کو ممدوح قرار دیا جا رہا ہے۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست۔

مقامِ تأسف

جماعتی پالیسی میں اختلافات ہوتے رہتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ ندیم صاحب فسق یزید کے بارے میں اکابر دیوبند اور جمہور اہل سنت کے مسلک کے تابع نہیں ہیں

اس بنا پر ہمارا ان سے مسلکی اختلاف ہے۔لیکن تنظیم اہل السنّت والجماعت پاکستان (جس کے صدر مناظر اہل سنت حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی ہیں) ماشاءاللہ مسئلہ یزیدیت اور مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیو بند اور جمہور اہل السنّت والجماعت کے پابند ہیں۔

مکتوب محمود رحمہ اللہ نمبرا

ڈھاکہ میں ۸ پارٹیوں کی جمہوری مجلس عمل کی تشکیل کے خلاف میں نے مودودی جماعت کے اشتراک پر اعتراض کیا تھا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔اسی سلسلہ میں بندہ نے ''جمہوری مجلس عمل'' کی قرارداد پر تنقید کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب مرحوم کو خط لکھا تھا۔جس کا جواب مفتی صاحب نے آل پاکستان جمعیت علمائے اسلام کے پیڈ پر حسبِ ذیل تحریر فرمایا:

مخدوم محترم حضرت قاضی صاحب دام مجدکم العالی۔سلام مسنون مزاج گرامی۔ گزارش ہے کہ جناب کا گرامی نامہ ملا۔آپ نے جس جذبۂ ایمانی کے تحت جماعتی فیصلہ پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اس سے بہت خوشی ہوئی۔علماء کی باوقار اور مقدس جماعت میں ایسے افراد کی ضرورت ہے کہ وہ سختی سے جماعت کو اس کے مقصد کی پابند رکھے جس کے حصول کے لیے جماعت کا وجود عمل میں آیا ہے۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی جماعت کی مرکزی مجلس عمومی نے اسلامی نظام حیات کو جمہوری مجلس عمل کے مقاصد میں اولین حیثیت دے کر شامل کر دیا ہے۔اور تین چار یوم تک مختلف کل جماعتی مجالس میں اسی موضوع پر ہی ہم نے سخت لڑائی کی ہے اور آخر کامیاب ہو کر رہے۔اخبارات نے بالکل ناقص کر کے چھاپا ہے۔اصل قرارداد کے الفاظ آپ کو لف کر کے بھیج رہا ہوں۔باقی قرارداد کے الفاظ ترجمان میں بھی صحیح ترجمہ کے ساتھ شائع نہیں ہوئے۔اصل قرارداد انگریزی میں تھی۔ہم نے اس کا لفظی ترجمہ کرالیا اور وہی آپ کو بھیج رہا ہوں۔میں ایک ہفتہ سے بیمار صاحب فراش ہوں۔میرے محترم۔اس

قرارداد کی ترتیب وتدوین کے سلسلہ میں آپ اگر مولانا عبداللطیف صاحب (یعنی مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم وامیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب) کو لے کر ملتان تشریف لے آویں۔ تو میں اندر کی تمام باتیں اور پورا نشیب وفراز آپ کے سامنے رکھ دوں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ مکمل طور پر مطمئن ہو جائیں گے۔ یا حضرت مولانا غلام غوث صاحب سے ملاقات فرمالیں وہ پوری طرح حالات سے باخبر ہیں یا مولانا محمد اکرم صاحب سے اطمینان حاصل فرمالیں۔ مجھے تو خوشی ہوگی کہ آپ ملتان تشریف لے آویں۔ آخر میں ایک گلہ بھی پیش کرتا ہوں کہ آپ کا اولین فرض تھا کہ اخباری اطلاعات اور سُنی سنائی باتوں پر عمل کر کے آپ نے میٹنگ بلا کر چکوال جمعیت سے آپ نے قرارداد پاس کرالی اور ہم سے پہلے گفتگو اور بات چیت نہ کی۔ گفتگو اور پورے تفصیلی حالات کے بعد بھی آپ مطمئن نہ ہوں تو پھر آپ اختلاف کا اظہار فرماتے۔'' دعاؤں میں یاد فرمائیں۔''

مفتی صاحب کے اس مکتوب گرامی پر تاریخ درج نہیں ہے۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ یہ اختلاف ''جمہوری مجلس عمل'' کی قرارداد کی بنا پر تھا اور یہ اعتراض بندہ نے ترجمان اسلام میں شائع شدہ قرارداد کی وجہ سے کیا تھا۔ یہ احتمال ہی نہ تھا کہ ترجمان نے ترجمہ صحیح نہیں شائع کیا ہوگا۔ لیکن علاوہ ازیں اصل اختلاف مجھ کو مودودی جماعت کے اشتراک کی بنا پر تھا۔ جس کے نتیجہ میں بندہ کو مستعفی ہونا پڑا۔ اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی بھی بعد میں علیحدہ ہو گئے تھے اور جمعیت علمائے اسلام کے نام سے ہی اپنا مستقل کام شروع کر دیا تھا۔

مکتوب محمود نمبر۲

جمعیت سے میرے مستعفی ہونے کے بعد (جس کی وجوہات پہلے عرض کر دی گئی ہیں) حافظ عبدالوحید صاحب حنفی (ناظم دفتر تحریک خدام اہل سنت چکوال) نے ازخود ہی ایک عریضہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کے جواب میں

حضرت مفتی صاحب نے بعد سلام مسنون تحریر فرمایا:

''گزارش ہے کہ محترم قاضی صاحب ہمارے بھی بزرگ ہیں۔ ہم نے الحمد للہ اختلاف رائے کے باوجود ہمیشہ احترام سے ان کا ذکر کیا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہ سکتا کہ جماعتی اختلاف پیدا ہو جانے کے بعد ہم نے کوئی کلمہ ان کے خلاف زبان سے نکالا ہو۔ لیکن جماعتی سلسلہ میں ہمیں بھی شکایت ہے۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ ہم سب کے ہیں اور ان کی مقدس روحانیت سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے۔ خاکساروں سے ہمیں بھی اختلاف ہے لیکن ہم نے اس خیال سے کہ شاید پسماندگان کے وہ عقائد نہ ہوں جو خود رئیس الطائفہ (یعنی علامہ مشرقی) کے تھے۔ ایک عظیم مصلحت کے تحت دو تین ماہ کے لیے محاذ میں ان کو شامل کر لیا تھا اگر یہ ان کی رائے میں غلطی تھی تو آخر کوئی بھی معصوم تو نہیں ہوتا۔ ایسی غلطی کو نباہنا پڑے گا۔ بہت سے دوسرے حضرات کو اعتراض پیدا ہوا لیکن شامل کرنے کے بعد فوراً ان کے علیحدہ کرنے کے اعلان سے جماعتی وقار جس بُری طرح مجروح ہوتا اس سے اس دینی تحریک کو نقصان پہنچتا۔ ہم نے ایک دو ماہ تک خاموشی اختیار کی پھر ان کو بلایا نہیں۔ خود بخود وہ تعلق ختم ہو گیا لیکن حضرت قاضی صاحب جیسے بزرگ نے جس انتہا پسندی کا ثبوت دے کر اتنی بڑی دینی جماعت کو اس کے دینی مقاصد کو اس کے تمام خیر کے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے جو علیحدگی کا اعلان فرمایا اس سے جماعت کے سب بزرگوں کو نیاز مندانہ شکایت پیدا ہوئی۔ آخر سب اپنے ہی تو لوگ ہیں۔ اس طرح کی سزا دینا ان کی بزرگی اور شفقت کے شایان شان نہ تھا۔ بہرحال ہم اب بھی ان کے نیاز مند ہیں۔ خدا وہ وقت نہ لائے جب ہم میں اور ان میں کدورت پیدا ہو۔ والعیاذ باللہ۔ والسلام۔ میرا سلام قاضی صاحب سے عرض کر دیں۔'' (محمود عفا اللہ عنہ از ملتان مدرسہ قاسم العلوم)

قارئین حضرات! حضرت مفتی صاحب مرحوم کے ان دونوں گرامی ناموں سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ میرے اختلاف کی حقیقت کیا تھی؟ مولانا مفتی صاحب رحمہ اللہ میرے اس اختلاف کو خلوص اور اختلاف رائے پر مبنی قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس

مولف ''اصل حقیقت'' کچھ اور ہی راگ الاپ رہے ہیں۔ واللہ الہادی۔

(۱) مکتوب مولانا ہزاروی رحمہ اللہ

حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اپنی علیحدہ جمعیت علمائے اسلام قائم کرنے کے بعد چکوال تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ مولانا عبدالحکیم صاحب (راولپنڈی) بھی تھے۔ مولانا ہزاروی نے مجھ کو اپنی جمعیت میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ جس پر میں نے عرض کیا کہ ہماری جماعت خدام اہل سنت غیر سیاسی ہے اور ہم نے ایک راستہ متعین کرلیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے مودودی جماعت سے اشتراک کرلیا ہے اور آپ بھٹو صاحب کے قریب ہو گئے ہیں۔ حالانکہ علماء کو ثالث بننا چاہیے۔ اگر آپ بھٹو کے قریب نہ ہوتے تو ہم اپنے اسٹیج پر آپ کی تائید کرتے۔ بعد میں بھی دو دفعہ تشریف لائے۔ ایک دفعہ تو ان کے ہمراہ مولانا ضیاء القاسمی صاحب بھی تھے۔ اشتراک کے لیے مولانا ہزاروی مرحوم خطوط بھی لکھتے رہے۔

چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

محترم المقام حضرت مولانا قاضی صاحب زید کرمہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ گرامی نامہ پڑھا۔ آپ کی پرانی رائے ہے مگر مجھے اس میں تھوڑی ترمیم کرنا ہے۔ جو زبانی عرض کروں گا خیال ہے اترسوں تین دسمبر کو چکوال آنے کا، اگر حالات نے اجازت دی اور خدا تعالیٰ نے ملایا تو عرض کر دوں گا۔ آگے رب کا اختیار مضمون اخبار کا پڑھا آپ کے مضمون سے اختلاف اُسی کو ہو سکتا ہے جو دین کا حامی نہ ہو۔ (یہ میرا مضمون اخبار میں خلافت راشدہ کے موضوع پر شائع ہوا تھا۔)

مکتوب نمبر۲

ایک دوسرے گرامی نامہ میں حضرت مولانا ہزاروی رحمہ اللہ نے لکھا کہ: حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (مہتمم جامعہ حنفیہ جہلم) کا گرامی نامہ آیا تھا۔ اس کے ساتھ آپ کا گرامی نامہ بھی منسلک تھا۔ عرض ہے کہ آپ کی اور میری ملاقات جلد ضروری ہے

جیسے مناسب سمجھیں۔ آپ کے اغراض سے آپ خود جانتے ہیں مجھے اتفاق ہے۔ طریق کار کے بارے میں مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ باقی یہ عریضہ اس لیے ارسال خدمت ہے کہ ایک عدد کتاب ''مودودی مذہب'' مرسلہ پتہ پر روانہ فرماویں اس کی قیمت میرے ذمے ہے بلکہ ان کو ارسال کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے بھی دس عدد کتابیں بذریعہ وی پی ارسال فرماویں تو مہربانی ہوگی۔'' (۱۷ ستمبر ۱۹۷۳ء)

یہ گرامی نامہ بندہ کے اس عریضہ کے جواب میں مولانا ہزاروی مرحوم نے تحریر فرمایا تھا جس میں عرض کیا تھا کہ: آپ نے مولانا عبداللطیف صاحب کے نام اپنے جوابی مکتوب میں جماعتی لائحہ عمل کے متعلق میری رائے بھی دریافت فرمائی ہے۔ سو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ میرے نزدیک اس وقت سب سے اہم دینی کام عوام اہل سنت کو مذہبی نام وعنوان کی بنیاد پر منظم کرنا ہے۔ کیونکہ سنی عوام کا بظاہر کوئی پرسان حال نہیں۔ روافض نے باوجود اقلیت کے بڑی طاقت بنالی ہے اور ربوہ کے سربراہ ناصر نے اپنے ۲۵ لاکھ مسلم رضا کاروں کے حوالہ سے جو چیلنج دیا ہے وہ بہت زیادہ عبرتناک ہے۔ جمعیت علمائے اسلام کے اکابر سے پہلے بھی میرا سیاسی اختلاف اسی بنا پر رہا ہے۔ میرے نزدیک علمائے حق کے لیے ضروری ہے کہ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے وقتی چکر سے نکل کر ایک تیسری مذہبی طاقت بنائی جائے ورنہ ان حالات میں دین کا تحفظ مشکل ہے۔ اب حال یہ ہے کہ جمعیت کی پہلے بھی کوئی خاص تنظیم نہیں تھی لیکن حالیہ شدید اختلاف سے وہ سابقہ حیثیت بھی باقی نہیں رہی۔ ایک فریق جمہوریت کے نام پر ولی اور مودودی کی تائید میں ہے۔ اور دوسرا فریق بھٹو کی حمایت کر رہا ہے۔ کاش کہ اغیار کو سہارا نہ بنایا جاتا۔ گو جمہوری متحدہ محاذ میں مودودی جماعت کی شمولیت وغیرہ کے بارے میں بندہ آپ کے موقف کا حامی ہے۔ لیکن وزیراعظم کے انتخاب میں آپ کی طرف سے جو بھٹو کی حمایت کی گئی ہے اس سے اختلاف ہے۔ کاش کہ آپ اس معاملہ میں غیر جانبدار رہتے۔ ردِ مودودیت کے لیے آپ جو کام کرنا چاہتے تھے یہ اقدام آپ کی راہ میں زبردست رکاوٹ بن جائے گا۔ عموماً لوگ یہی قیاس کریں گے

کہ رد مودودیت مقصود نہیں بلکہ حمایت حکومت مقصود ہے اور جمعیت کے دوسرے فریق کو بھی آپ نے اعتراض کا خاصہ موقعہ دے دیا ہے۔ اہل اقتدار کی وقتی حمایت سے علمائے کرام کو فائدہ کے بجائے نقصان ہی پہنچ سکتا ہے۔ ان حالات میں بندہ کی رائے یہ ہے کہ فریقین باہمی مصالحت کے لیے مزید کوشش کریں کہ شاید علماء کا وقار بچ جائے۔ علاوہ ازیں یہ عرض ہے کہ اگر آپ اپنی جداگانہ تنظیم قائم کرنا چاہتے ہیں تو مفاد پرستوں سے بچنے کی کوشش کریں یہ دور فتنے کا ہے۔ پہلے بھی جمعیت کو اس سے نقصان پہنچا ہے آپ پوری طرح غور وفکر کر کے اپنی جماعتی پالیسی بنائیں وقتی حصول اقتدار کو نظرانداز کردیں۔

بغیر جماعتی تنظیم واستحکام کے مشترکہ محاذوں میں کسی جماعت کی شمولیت انجام کار اس کے لیے تنزل کا سبب بنتی ہے واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے علمائے حق کی نصرت فرمائیں۔ اور مرزائیت۔ شیعیت۔ مودودیت وغیرہ فتنوں سے ملک وملت کو محفوظ رکھیں۔ آمین۔ (۲۰ ررجب ۱۳۹۳ھ)

مکتوب ہزاروی ۳

ایک دوسرے گرامی نامہ میں حضرت مولانا ہزاروی نے تحریر فرمایا:

خدا جانے کیا بات ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ اس غلط فہمی میں نہیں ہوں کہ کسی سے اچھا ہوں اور آپ کو تو ہر طرح مطاع ومقتدیٰ تصور کرتا ہوں مگر حیران ہوں کہ دل یہی کہتا ہے کہ آپ ہماری سرپرستی فرمائیں۔ اپنا کام علیحدہ رکھیں اور جاری رکھیں مگر منکرین حدیث النبیؐ۔ حامیانِ مودودیت اور مخالفین سلیت مجتمع ہوں اور ہم منتشر۔ آگے آپ کا اختیار ہے اور حقیقی مختار تو وہی رب مختار ہے۔ حالات اچھے ہیں دعا کی ضرورت ہے۔''

اس مکتوب میں بھی تاریخ درج نہیں۔

قارئین کرام بندہ کے مذکورہ عریضہ اور حضرت مولانا ہزاروی رحمہ اللہ کے گرامی

ناموں سے معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اکابر علماء سے میرا اختلاف کس بنا پر تھا اور میرا مقصود جماعتی تنظیم سے کیا تھا۔ اور مولانا ہزاروی رحمہ اللہ بندہ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے۔ اس کے باوجود مؤلف ''اصل حقیقت'' مجھ پر بہتان تراشیاں کریں تو وہ اپنی خارجی ذہنیت کی بنا پر مجبور ہیں۔

مفتی صاحب اور مولانا ہزاروی رَحِمهما الله

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رَحِمهما الله دونوں نے جمعیت علمائے اسلام کے لیے بڑی جدوجہد کی ہے مولانا ہزاروی مجسم ایثار وقربانی تھے وہ ایک درویش صفت بزرگ تھے۔ فتنوں سے مصالحت نہیں کرتے تھے۔ حزبِ اختلاف کے سیاسی لیڈروں سے عموماً بدظن رہتے تھے۔ اور مودودیت کو تو دورِ حاضر کا بہت بڑا فتنہ سمجھتے تھے۔ ردِ مودودیت میں ان کی اہم خدمات ہیں۔ بندہ مولانا ہزاروی کے ان نظریات سے متفق تھا۔ مگر بھٹو کی حمایت کی پالیسی سے اتفاق نہ کرسکا۔ اور آخر میں خود مولانا مرحوم کو اس کا احساس ہوگیا تھا۔ ان کے برعکس حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم سیاسی پارٹیوں سے مصالحت ومشارکت کے حامی تھے اسی بنا پر انہوں نے مودودی جماعت سے اشتراک کرلیا تھا اور مفتی صاحب اس راستے سے دینی اقتدار چاہتے تھے مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ آپ ایک علمی اور باہمت شخصیت تھے مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے شیخ الحدیث تھے۔ آپ کے زیرِ تعلیم دورہ حدیث کو بہت فروغ حاصل ہوا لیکن جب میدان سیاست میں آگے بڑھے تو پھر دورۂ حدیث بھی نہ پڑھا سکے۔ آپ سیاسی پارٹیوں سے حسن ظن رکھتے تھے بلکہ مودودیوں کے علاوہ شیعوں سے بھی اشتراک کیا حتیٰ کہ بعض شیعہ کو جمعیت علمائے اسلام کا رکن بھی بنالیا تھا (ملاحظہ ہو، ترجمان اسلام لاہور ۲۱ را کتوبر [1] ۱۹۷۷ء ص ۲۱) ایک شیعہ عالم مرتضیٰ پویا صاحب کو آپ نے اپنے سیاسی دورے میں ساتھ رکھا لیکن جب حضرت مفتی صاحب نے مطالبہ

---

[1] بعنوان ممتاز شیعہ رہنما (جواد حسین انصاری) اور ان کے ساتھیوں کی جمعیت میں شمولیت۔

فقہ جعفریہ کے خلاف بیان دیا تو یہی پویا صاحب مشتعل ہو گئے اور اخبارات میں مفتی صاحب کے خلاف ان کا حسبِ ذیل بیان شائع ہوا۔

مفتی صاحب کے خلاف مرتضٰی پویا کا بیان

کوئٹہ ۱۰؍جون۔ (پی پی آئی) ممتاز شیعہ رہنما اور مرکز مسلمین کے سربراہ جناب مرتضٰی پویا نے قومی اتحاد کے صدر مفتی محمود کے استعفاء کا مطالبہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں پی این اے کے سربراہ کے استعفاء کا مطالبہ ان کے اس مبینہ بیان کے پیش نظر کر رہا ہوں جس میں انہوں نے کہا تھا کہ صرف فقہ حنفی ملک میں نافذ کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ مفتی محمود کو اس بیان کے بعد پی این اے کا صدر رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جناب مرتضٰی پویا نے مفتی محمود کے بیان کو موجودہ حکومت اور نظریہ پاکستان کے خلاف سازش قرار دیا۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ مفتی محمود حکومت سے بدلہ لینے کی کوشش رہے ہیں کیونکہ پی این اے کو کابینہ سے نکال دیا گیا ہے۔

(روزنامہ حریت کراچی ۱۱؍جون ۱۹۷۹ء)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم شیعیت اور اس کے مقاصد کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ اور مودودیت بھی ایک خطرناک تحریک ہے لیکن حضرت مفتی صاحب نے اس کو بھی ابتداء میں معمولی سمجھا مگر معلوم ہوا کہ آخر میں آپ کی یہ رائے ہوگئی تھی کہ مودودی جماعت سے اشتراک نہ کیا جائے۔ اور بندہ تو مودودی جماعت سے اشتراک کو ہر اسٹیج پر نقصان دہ سمجھتا ہے۔

مولانا حامد میاں صاحب کا جائزہ

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور بندہ کی کتاب ''دفاع صحابہ'' کی تقریظ میں بعد حمد وصلوٰۃ لکھتے ہیں: محترم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم کی تحریرات بہت مفید ہوتی ہیں۔ مسلک اکابر اہل السنت والجماعت (دیوبند) میں انہیں بحمد اللہ تصلب حاصل ہے۔ جماعت مودودی اور شیعوں سے انہیں

اس درجہ بُعد ہے کہ وہ مصلحتاً عارضی طور پر ان سے سیاسی گٹھ جوڑ اور اتحاد کے بھی قائل نہیں ہیں۔ مسلک اکابر پر مضبوطی سے قیام ہی کی وجہ سے وہ شیعوں کی طرح خوارج کو بھی غلط گردانتے ہیں۔ ان کے نظریات کی تردید کرتے ہیں۔ میں نے ان کی تحریر: ''دفاع صحابہ'' کا متعدد جگہ سے مطالعہ کیا اس میں ان سب مسالک پر تھوڑی تھوڑی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور فرقہ خوارج یزیدیہ پر بھی رد کیا ہے۔ (۳ر جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ) ۲۸ر فروری ۱۹۸۲ء یکشنبہ۔

حضرت مولانا موصوف میرے پیر بھائی ہیں اور حضرت شیخ المدنی قدس سرہ کے مجاز طریقت ہیں۔ سالہا سال جمعیت علمائے اسلام میں ہماری رفاقت رہی ہے اور جمعیت سے میرے استعفیٰ کے باوجود آپ اس بات کا اعتراف کررہے ہیں کہ بندہ شیعیت اور مودودیت سے سیاسی گٹھ جوڑ اور اشتراک کو بھی جائز نہیں قرار دیتا اس وقت حضرت مولانا موصوف سیاسی طور پر ایم آر ڈی کے حامی ہیں لیکن مجھے ان سے بھی اس بارے میں اختلاف ہے کیونکہ باطل قوتوں سے اتحاد و اشتراک اہل حق کے لیے انجام کار نقصان دہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علمائے کرام کو مسلک حق کی بنیاد پر متحد و منظم ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

مذکورہ حضرات کی تحریرات یہاں اس لیے پیش کی گئی ہیں کہ ناواقف قارئین کے سامنے حقائق و واقعات آ جائیں۔ تاکہ وہ پاکستان کے اس خارجی گروہ کی چالبازیوں سے محفوظ رہ سکیں اور مؤلف ''اصل حقیقت'' تو جا بجا مجھ کو گلابی شیعہ وغیرہ قرار دے کر اپنی خارجی ذہنیت کو ہر طرح بے نقاب کررہے ہیں۔

مولانا عطاء المنعم صاحب بخاری کا اختلاف

مؤلف ''اصل حقیقت'' لکھتے ہیں: امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے فرزند اکبر شیر صحابہ حضرت مولانا سید ابوذر بخاری صاحب عرصہ دراز سے خلیفہ سادس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدافعت کا کام کررہے ہیں۔ چکوالی صاحب نے اپنی

تنظیم کے نام میں انہیں کی خوشہ چینی کی ہے کیونکہ ان کی تنظیم کا نام خدام صحابہ ہے اور چکوالی صاحب کی تنظیم کا نام خدام اہل سنت ہے۔ لیکن چونکہ چکوالی صاحب کو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کے لیے کچھ ایسی چیزیں بھی چاہیے تھیں جن کی بنا پر وہ ان کی مخالفت کر سکیں۔ اس کے لیے چکوالی صاحب کے فتنہ پرداز ذہن نے دو طریقے سوچے۔ اوّل تو یہ کہ حبِ علی رضی اللہ عنہ کی آڑ میں بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کا کام شروع کیا اور تمام صحابہ کرام کے برحق ہونے کا نعرہ لگانے کے بجائے ''حق چار یار'' کے نعرے کو اپنا نشان بنایا۔

یہ نعرہ کلمة حق ارید بها الباطل کی ایک مثال ہے۔ کیونکہ چکوالی صاحب کا مقصد اس سے خلفائے اربعہ کی حقانیت بتانا اتنا نہیں جتنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے برحق کی فہرست سے خارج کر کے انہیں اوّل الملوک (پہلا بادشاہ) بتانا مقصد ہے اس لیے وہ ہر جگہ ان لوگوں کی پر جوش تردید کرتے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق وراشد کہتے اور مانتے ہیں۔ یہی چالا کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گرانے کے لیے چکوالی صاحب کے معنوی استاد لعل شاہ بخاری اور جماعت اسلامی کے حضرات بھی کرتے ہیں۔ (حاشیہ میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں: مدرسہ خیر المدارس ملتان میں پچھلے سال جو سالانہ جلسہ ہوا۔ اس میں چکوالی صاحب بھی مدعو تھے حسبِ عادت وہاں بھی چکوالی صاحب نے مشاجرات صحابہ کی بحث چھیڑ دی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تبرا کیا۔ اس کے جواب میں ان کی تقریر کے فوراً بعد شیر صحابہ مولانا سید ابو ذر بخاری نے چکوالی صاحب کے جو چیتھڑے اڑائے ہیں وہ سننے کے قابل ہیں۔ شاہ جی کی تقریر ٹیپ شدہ ہے اور بازار میں مل سکتی ہے۔ ہمارے پاس بھی اس تقریر کی کیسٹ موجود ہے (شاہ جی کے بعض خدام) اسے پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کرنے والے ہیں)۔ (ص ۱۹)

مؤلف ''اصل حقیقت'' کا جھوٹ نمبر ۹

(۱) جس وقت اپنی جماعت کا نام خدام اہل سنت رکھا اس وقت تو مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مولانا عطاء المنعم صاحب کی جماعت کا نام ''خدام صحابہ'' ہے۔ کیونکہ ان

کی جماعت مجلس احرار اسلام کے نام سے مشہور ہے۔

(ب) قیام پاکستان سے پہلے حضرت والد صاحب مرحوم کی سرپرستی میں میرے مجاہد برادر بزرگ مولوی منظور حسین صاحب شہید (۱۹۴۲ء) نے خاکساروں کی عسکری تنظیم کے مقابلہ میں خدام اسلام کے نام سے ۱۳۵۷ھ میں جماعت قائم کی۔

جبکہ میں دارالعلوم دیو بند میں پہلے سال زیر تعلیم تھا۔ یہ نام حضرت والد صاحب مرحوم نے تجویز کیا تھا۔ لائحہ عمل خدام اسلام کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا پیش لفظ بندہ نے لکھا تھا اور والد صاحب نے بعنوان ''خدام اسلام میدان عمل میں'' حسب ذیل نظم لکھی تھی۔

خدام اسلام میدان عمل میں

اسلام کے خدام ہیں میدان میں آئے
سب کفر کے بت توڑ کے مٹی میں ملائے

لا ریب ہیں اسلام کے جانباز سپاہی
ہر فرقہ باطل سے کریں گے یہ لڑائی

حجت سے دلائل سے کریں گے انہیں پامال
اور ملت اسلام کا کروائیں گے اقبال

توحید کو منوائیں گے سب اہل جہاں سے
اور شرک کو بدعت کو مٹائیں گے زماں سے

الحق ہے اسلام کا یہ لشکر جرار
بخشی انہیں اللہ نے صداقت کی ہے تلوار

باطل کو ہے کیا تاب کہ ہو ان کے مقابل
جو سامنے آئے گا وہ ہو جائے گا گھائل

اَللّٰہُ ھُوْ اَللّٰہُ کا نعرہ ہیں لگاتے

چپ راست کی بدعت کو ہیں دنیا سے مٹاتے
ہر فردِ بشر ان کا ہے پنج وقتہ نمازی
مردان مجاہد ہیں یہ اسلام کے غازی
حامل ہیں شریعت کے یہ الحاد سے بیزار
بندے ہیں یہ اللہ کے شیطاں سے ہے پیکار
لے نام خدا نکلے ہیں میدان عمل میں
پہنچائیں گے پیغام خدا دشت وجبل میں
تکبیر کا نعرہ جو لگائیں گے زمیں پر
آواز پہنچ جائے گی یہ عرشِ بریں پر
اس فوج ظفر موج کو نصرت ہے خدا کی
یہ دل سے ابوالفضلؒ نے اللہ سے دعا کی

اور بندہ نے جب ۲؍ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹؍مئی ۱۹۶۹ء نئی جماعت قائم کی تو اس کا نام بھائی صاحب مرحوم کی جماعت ''خدام اسلام'' کے پیش نظر ''خدام اہل سنت'' تجویز کیا۔ اس نام میں بجائے اسلام کے خدام کی نسبت اہل سنت کی طرف کی گئی کیونکہ دور حاضر کا شدید تقاضا تھا اور اہل حق کا امتیازی نام ونشان ''اہل السنّت والجماعت'' ہی ہے اور بندہ نے والد صاحب مرحوم کی نظم کے عنوان ''خدام اسلام میدان عمل میں'' کے پیش نظر اپنی نظم کا عنوان ''خدام اہل سنت میدان عمل'' میں رکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میرے پیش نظر ''خدام اسلام'' کی جماعت تھی نہ کہ ''خدام صحابہ'' کی۔ اس سے مؤلف صاحب کا جماعتی نام کے متعلق جھوٹ واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس کے بعد حضرت مولانا محمد امین شاہ صاحب کے سالانہ جلسہ بمقام مخدوم پور پہوڑاں ضلع ملتان میں مخدوم العلماء حضرت مولانا پیر خورشید احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ خلیفہ ارشد حضرت مدنی قدس سرہ کی خدمت میں اپنی جماعت کا نام اور مقصد پیش کیا تو حضرت نے بلا تامل بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور جو علماء جلسہ میں تشریف

لائے تھے ان سے بھی فرمایا کہ ''خدام اہل سنت'' میں کام کرو۔ اور حضرت پیر صاحب آخر تک خدام کی تائید اور سرپرستی فرماتے رہے۔

جھوٹ نمبر ۱۰

مؤلف نے یہ بھی کھلا جھوٹ بولا ہے کہ میں نے تمام صحابہ کرام کے برحق ہونے کا نعرہ لگانے کے بجائے ''حق چار یار'' کے نعرے کو اپنا نشان بنایا ہے کیونکہ میرا اور سنی مسلمان کا ایمان ہے کہ تمام صحابہ برحق اور رضی اللہ عنہم کا مصداق ہیں۔ لیکن یہاں خلافت راشدہ کے جواب میں ''حق چار یار'' کا نعرہ لگایا جاتا ہے کیونکہ تمام صحابہ تو خلیفہ نہ تھے۔ یہ عنوان قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کی بنیاد پر صدیوں سے مشہور ہے اور خارجیوں کے اس سے بدکنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان ''چار یار'' میں حضرت علی المرتضیٰ بھی آجاتے ہیں۔ رافضی پہلے تین خلفاء کی وجہ سے اور خارجی چوتھے خلیفہ راشد کی وجہ سے اس کے مخالف ہیں۔

جھوٹ نمبر ۱۱

یہ بھی مؤلف کا سفید جھوٹ ہے کہ میرا مقصد حضرت معاویہ کو خلفائے برحق کی فہرست سے خارج کر کے انہیں اوّل الملوک (پہلا بادشاہ) بنانا مقصود ہے۔ بندہ جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق خلیفہ برحق مانتا ہے۔ چنانچہ بندہ نے ''حضرت معاویہ اور مودودی'' کے عنوان کے تحت اپنی کتاب ''مودودی مذہب'' مؤلفہ ۴ر ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۴ر فروری ۱۹۶۸ء میں لکھا ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے ہیں۔ نبی کریم نے ان کے لیے یہ دعاء فرمائی ہے اللھم اجعله هادیا ومهدیاً

(ترمذی شریف) ''اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا دے۔'' اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت پائی جاتی ہے کیونکہ اول تو آپ صحابی ہیں اور پھر آپ کے لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی جامع دعا فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا آپ سے صلح کر لینا اور آپ کو اس وقت کی وسیع مملکت اسلامیہ کا خلیفہ تسلیم کر لینا اور پھر امام کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ۱۹ یا ۲۰ سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کئے رکھنا اور آپ کی طرف سے سالانہ وظیفہ قبول کر لینا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقانیت اور خلافت حقہ کی ایک زبردست شہادت ہے❶ (مودودی مذہب پاکٹ سائز ص ۷۴)

② شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کی کتاب ''مودودی عقائد اور دستور کی حقیقت'' کے مقدمہ (محررہ ۲۴ر مارچ ۱۹۴۶ء) میں بندہ نے مودودی کی جرح و تنقید کے جواب میں لکھا ہے: اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار یہی ہوتا تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ سے مصالحت نہ کرتے اور نہ ہی اس وقت کی ساری امت اسلامیہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پرچم تلے جمع ہوتی نہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دس ماہ تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنائے رکھتے۔ اور نہ ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۱۹ یا ۲۰ سال تک بیت المال سے وظیفہ لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سائے میں اتنا طویل وقت گزارتے۔'' (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ ہرنولی ضلع میانوالی ص ۲۴)۔

③ میں نے خارجی فتنہ حصہ اول میں (جس کے جواب میں ''اصل حقیقت'' لکھی گئی ہے) یہ تصریح کر دی ہے کہ: بے شک تمام اصحاب و یاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں لیکن ہم ''حق چار یار رضی اللہ عنہم'' تو خلافت راشدہ کے جواب میں کہتے ہیں۔ اور ہر صحابی کو

---

❶ اسی صفحہ کے حاشیہ میں بندہ نے لکھا ہے: غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پا جانے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت کے ترک کر دینے کے بعد معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پر خلافت کا مقرر ہونا درست اور ثابت ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول سے بھی ثابت ہے۔ (غنیۃ الطالبین مترجم ص ۱۱۸، ۱۱۹)

خلافت نہیں ملی۔ اور گو حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی برحق خلیفہ ہیں اور ان کی صلح کے بعد بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی برحق خلیفہ ہیں۔ مگر یہ دونوں حضرات مہاجرین صحابہ میں سے نہیں ہیں اور قرآن حکیم کی آیت تمکین اور آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین صحابہ میں سے خلافت عطاء کرنے کا وعدہ فرمایا اور مہاجرین صحابہ میں سے صرف چار یار کو ہی خلافت ملی ہے۔ (ص ۵۴۰)

سوال:...... ① اگر خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار کہنے سے میری مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے برحق سے نکالنا ہے تو اس سے تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی میرے نزدیک خلیفہ برحق نہیں ہیں کیونکہ وہ بھی تو ''چار یار'' میں شامل نہیں ہیں حالانکہ میں تمام اہل السنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی برحق خلیفہ مانتا ہوں۔

② مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کی حسب ذیل عبارت میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۳۷ پر درج کر دی ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بنائے گئے اس لیے یہ خلیفہ اوّل ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہوئے۔ ان چاروں کو خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین اور ''چار یار'' کہتے ہیں۔'' (تعلیم الاسلام حصہ سوم ص ۱۸)

حضرت مفتی صاحب نے بھی خلفائے اربعہ کے لیے چار یار کی اصطلاح کا ذکر فرما دیا۔ اب ان پر بھی تبرا ڈال دیجیے۔

③ میں نے سکندر نامہ (حضرت نظامی گنجوی) بدائع منظوم فارسی نام حق۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کے اشعار وغیرہ سے چار یار کا ثبوت پیش کیا ہے (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۳۸) ان کو بھی تبرا کا مصداق بنالیں۔

④ تحریک مدح صحابہ لکھنؤ کے جلوسوں میں احرار رضا کار یہ شعر پڑھتے تھے۔

جن کا ڈنکا بج رہا ہے چار سو لیل ونہار
وہ ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ چار یار

بحوالہ کاروان احرار ج ۲ ص ۴۱۳ مرتبہ جانباز مرزا۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۴۳)...... جس جرم کا الزام مؤلف اصل حقیقت مجھ پر لگا رہے ہیں اس کا تو زور شور سے احرار رضا کار ارتکاب کر چکے ہیں۔ جن کے قائد امیر شریعت حضرت مولانا السید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ تھے۔ اب ان سب حضرات کو بھی اپنا تبرا پہنچا دیں۔ آخر ڈھیٹ پن کی بھی کوئی حد ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۲

مؤلف اصل حقیقت لکھتے ہیں: یہی چالاکی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گرانے کے لیے چکوالی صاحب کے معنوی استاد لعل شاہ بخاری اور جماعت اسلامی کے حضرات بھی کرتے ہیں۔''

یہ بھی ان کا کھلا جھوٹ ہے حالانکہ میں نے مولانا لعل شاہ صاحب بخاری کے اس نظریہ کی تردید کی ہے جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنی کتاب ''استخلاف یزید'' میں پیش کیا ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پورا پورا دفاع کیا ہے۔ چنانچہ میں نے لکھا ہے کہ: یزید کی تکفیر میں اہل السنت والجماعت میں اختلاف پایا جاتا ہے البتہ اس کے فسق پر اتفاق ہے۔ لیکن اس سلسلے میں مولانا لعل شاہ بخاری نے جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدفِ طعن بنایا ہے ان کے جن فضائل کے اکابر اہل سنت قائل ہیں ان پر بھی جرح کی ہے اور ترتیب وار ان کے منکرات کو تفصیلاً پیش کیا ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی تنقیص و توہین کا پہلو ہی نمایاں ہوتا ہے (خارجی فتنہ حصہ اوّل حاشیہ ص ۴۲۸)

علاوہ ازیں بندہ کی ایک کتاب حال ہی میں ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' شائع ہو چکی ہے جو بخاری صاحب موصوف کے ایک شاگرد مولوی مہر حسین شاہ صاحب

بخاری کی میرے نام کھلی چٹھی کے جواب میں ہے اس میں میں نے مولانا بخاری کے افکار ونظریات پر سخت تنقید کی ہے۔

جھوٹ نمبر۱۳

مؤلف ''اصل حقیقت'' کا مجھ کو جماعت اسلامی کے حضرات کا معنوی شاگرد قرار دینا بھی ان کا پہاڑ سے بھی بڑا جھوٹ ہے۔ کیونکہ میں نے اپنی تصانیف ''مودودی مذہب''۔ علمی محاسبہ وغیرہ میں مودودی نظریات کا مدلل ابطال کیا ہے۔ حتی کہ جمعیت علماء اسلام سے استعفا کی سب سے بڑی وجہ ان کا مودودی جماعت سے اشتراک واتحاد تھا۔

جھوٹ نمبر۱۴

مؤلف مذکور کا یہ لکھنا بھی بہت بڑا جھوٹ ہے کہ جلسہ خیر المدارس کی تقریر میں چکوالی صاحب نے مشاجرات صحابہ کی بحث چھیڑ دی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تبرا کیا۔'' (ص۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ بندہ نے اس تقریر میں قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا بیان کیا تھا جس کا مصداق چار یار ہیں اور اکابر کی عبارتوں سے یزید کا فاسق ہونا ثابت کیا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق میری تقریر کے اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

① جب تک سب صحابہ پر یقین اور اعتماد نہیں کرو گے سارے دین اور ساری شریعت پر اعتماد قائم نہیں ہوسکتا جس کو صحابی مان لو اس پر تنقید نہ کرو۔ اس پر اعتراض نہ کرو۔ اس پر طعن وتشنیع نہ کرو۔ اس کے ایمان پر حملہ نہ کرو۔ اس لیے کہ وہ تو جنتی بن گئے۔ ہم تو والجماعت۔ ساری جماعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جنتی کہتے ہیں۔ جنتی پر بھی کوئی اعتراض کرسکتا ہے؟

②۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ برحق ہیں پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ برحق ہیں۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی خلیفہ برحق ہیں اور بھی ہوئے ہیں لیکن ہم حق چار یار کیوں کہتے ہیں خلافت راشدہ کے جواب میں۔ یہ ذرا سمجھانا ہے۔

خلافت کی قسمیں ہیں۔ حضور ﷺ کی جانشینی کی قسمیں ہیں۔ یہ چار خلفائے راشدینؓ جو ہیں یہ قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین ہیں۔

③ ہر صحابی کو جنتی مان لو۔ کسی کے متعلق کوئی دل میں غبار نہ رہے میل کچیل نہ رہے سنی بن گئے۔ اور اگر تم دل میں کھوٹ رکھتے ہو خواہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے رکھتے ہو خواہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رکھتے ہو خواہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے رکھتے ہو تو تم سنی نہیں ہو۔ تمہارا راستہ جدا ہو گیا اکابر دیو بند نے جو اعتقادات لکھے ہیں ان کو مان لو تو صحیح دیو بندی ہو۔ عمل کی رب توفیق دے۔ اب ان کا نام لو عقیدہ جدا بتاؤ تو کیسے اتحاد ہو سکتا ہے؟

④ آج خلافت راشدہ کا تحفظ بہت اہم ہے ضروری ہے۔ بچ نہیں سکو گے رافضیوں سے خارجیوں سے۔ ہمارے اکابر مودودی اور مودودی جماعت سے اختلاف کیوں رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر وہ جرح اور طعن کی ہے کہ اس کے بعد وہ خلافت راشدہ کے منصب پر تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف اجتہادی تھا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد بالا تفاق خلیفہ برحق ہیں ان پر طعن و تشنیع کرنے والا جو ہے وہ عذاب کی گرفت میں ہے۔ کسی پر طعن نہ کرو۔ کسی پر طعن نہ کرو تو سنی ہو''

⑤ سارے اصحاب جنتی سارے حضور ﷺ کے فیض یافتہ۔ ان کے مراتب و مدارج ہیں جس طرح انبیاء کے ہیں۔ یہ چار جو ہیں انبیائے کرام کے بعد بالترتیب ان کو افضلیت حاصل ہے۔

یہ ہیں صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے متعلق میری تقریری کے اہم اقتباسات۔ میں نے سب صحابہ کو جنتی قرار دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کی تصریح کر دی۔ شیعیت اور مودودیت کے حملوں سے آپ کا دفاع کیا۔ اور آپ پر طعن و تشنیع کرنے والے کو اہل سنت سے خارج قرار دیا۔ لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' اس کو حضرت معاویہ پر تبرا قرار دے رہے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ

مؤلف مذکور اور اس کی پارٹی کا اصل مشن حبّ صحابہ اور حبّ معاویہ نہیں بلکہ اصحاب دشمنی اور اسلام دشمنی ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں خیر المدارس کے مہتمم حضرت مولانا محمد شریف صاحب رحمہ اللہ اور اساتذہ کی موجودگی میں ہزارہا سامعین کے سامنے لاؤڈ اسپیکر پر حضرت معاویہ اور تمام صحابہ کو اپنے عقیدہ کے مطابق جنتی قرار دیا ہے لیکن اس کو وہ تبرا قرار دے رہے ہیں۔ یہ کونسا مذہب ہے منکر خدا یعنی کمیونسٹ اور دہری بھی اتنا جھوٹ نہیں بولتا جتنا جھوٹ ...... مؤلف اصل حقیقت بولتے ہیں۔ العیاذ باللہ..... میں نے اس تقریر میں محمود احمد عباسی۔ مولوی عظیم الدین وغیرہ کی کتب سے وہ عبارتیں پیش کی تھیں جن میں واضح طور پر قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد کی توہین ہوتی ہے۔ میں نے عباسی پارٹی کے اس نظریہ کی بھی تردید کی تھی کہ یزید خلیفہ راشد اور صالح و متقی تھا۔ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا تھا کہ یزید فاسق ہے۔ چونکہ مؤلف ''اصل حقیقت'' عباسی پارٹی اور اس کے مشن کے ہی کوئی اہم رکن ہیں۔ اس لیے اصل دکھ تو ان کو یہ ہے کہ میں نے عباسی نظریہ یزید کی تردید کردی لیکن اپنے اس زیر بحث کتابچہ میں میری اس تردید یزیدیت کا ذکر تک نہیں کیا۔ اور میرے اس عقیدہ کو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، بغض معاویہ رضی اللہ عنہ قرار دیا۔ کیا اس جھوٹ فریب اور بددیانتی کا بھی حبِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تعلق ہوسکتا ہے؟

مولانا عطاء المنعم صاحب کا سابقہ حسنِ ظن

① میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب یعنی ابوذر بخاری نے اپنے مکتوب کے ذریعہ میرے مضمون (مقدمہ آفتاب ہدایت) کی تعریف کی تھی۔ بعدازاں بھکر اور ملتان میں غالباً تین چار مرتبہ مختصر ملاقات کا موقع ملا۔

② چند سال ہوئے انہوں نے میرے پاس چکوال میں صوفی حاجی عبدالرحیم

صاحب ساکن موسیٰ خیل ضلع میانوالی اور چودھری ثناء اللہ صاحب بھٹہ (مقیم لاہور)
کو بھیجا کہ خدام اور ان کی جماعت مشترکہ طور پر کام کریں۔ لیکن بندہ نے معذرت پیش
کر دی تھی کہ میں تو بمشکل اپنی چھوٹی سی جماعت خدام اہل سنت کو چلا رہا ہوں۔
اشتراک سے آج کل فائدہ کم ہوتا ہے۔

جانشین امیر شریعت کا مکتوب گرامی

اس کے کچھ عرصہ بعد حافظ صاحب موصوف نے مجھے ایک کارڈ (محررہ
۲۸ رذوالحجہ ۱۳۹۸ھ۔ ۳۰ رنومبر ۱۹۷۸ء) ارسال کیا جس میں بندہ کے نام کے ساتھ
مجاہدِ اہل سنت لکھا۔ سلام مسنون کے بعد آپ کا مکتوب حسب ذیل ہے:
قریباً دو ماہ ہوئے ہیں کہ آپ کے شناسا اور میرے محترم جناب مولوی غلام یٰسین
صاحب جہلمی (موصوف بھون تحصیل چکوال کے رہنے والے ہیں اور اب ملتان میں مقیم
ہیں) نے میری خصوصی فرمائش پر جناب کی تالیف لطیف ''بشارۃ الدارین'' آپ کے
مکتبہ سے قیمتاً حاصل کرنا چاہی تو میرا نام معلوم ہونے پر آپ نے اس کی واجبی قیمت
وصول کئے بغیر ہی ہدیۃً عنایت فرما دی جو موصوف کی سفر سے واپسی پر مجھے مل چکی ہے۔
آپ نے قیمت نہیں لی یہ حسنِ سلوک ہے۔ فجزاک اللہ تعالیٰ۔ باقی ہدیہ تو یوں بھی بے
بہا ہوتا ہے از روئے حساب دینا بجز توجہ قلب از دیادِ محبت اور جوابی خدمت کے سوا اس
کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ سو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی توقع ہے اور عملاً بھی یہ حق ادا
کرنے کی سعی کی جائے گی واللہ المستعان۔ البتہ مکتوب تشکر میں تاخیر میرے جیسے سراپا
قصور کی غفلت اور کوتاہی کا نتیجہ ہے ورنہ وصول ہدیہ کے بعد از خود پیدا ہونے والے
احساس جواب اور قاصد ہدیہ کی یاد دہانی کے سامنے میں کوئی قصور حائل نہیں ہوا۔ گو اس
کے علاوہ قریباً ڈیڑھ برس کی مسلسل بیماری اور ذاتی اور جماعتی مصروفیات کا شرعی عذر
بھی موجود ہے تاہم معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے محسوس نہ فرمائیں گے۔
کئی برس سے پندرہ روزہ ''الاحرار'' کی ادارت کا کام گھسیٹ رہا ہوں میرے

نقطہ نگاہ سے علمی اور تبلیغی طور پر اب اس کا رخ حسب منشا ہو رہا ہے چند روز تک اس کے سابقہ شماروں میں سے چند پرچے بطور نمونہ اور ہدیۃ بھجواؤں گا۔ بعد مطالعہ اگر طبیعت آمادہ ہو تو عقیدہ و مسلک اہل السنت والجماعت کے مطابق کبھی کبھی کوئی چھوٹا بڑا مضمون اور مکتوب و مراسلہ چھپنے کے لیے بھیج دیا کریں تو شکرگزار رہوں گا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اخلاقی۔ قانونی یا کسی اور قسم کی مصلحت مانع نہ ہو تو کیا آپ اس کی اجازت دیتے ہیں کہ ''بشارت الدارین'' حسب موقع اور گنجائش ''الاحرار'' میں بالاقساط شائع کر دی جائے؟ یہ میری دلی خواہش ہے اور مولانا غلام یٰسین صاحب مذکور جو حسن اتفاق سے اس وقت میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور دوسرے کئی احباب بھی اس بارہ میں میرے ہمنوا ہیں۔ اس کے متعلق پہلی فرصت میں آپ کی تحریری رضامندی اور اجازت کا بے چینی سے منتظر رہوں گا۔ امید ہے کہ مناسب اور حسب ضرورت جواب باصواب سے خورسند فرمائیں گے۔ واللہ الموفق۔

جماعت اسلامی اور مودودی صاحب سے متعلق آپ کا پرانا اور مشہور و مقبول مضمون جس میں اکابر دیوبند کا بالعموم اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کا بالخصوص دفاع کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا کتابی نام فی الوقت یاد نہیں آ رہا۔ نیز حضرت مدنی رحمہ اللہ کا مرتب کردہ شجرہ روحانیہ جس میں حضرت کے خودنوشت حالات بھی شامل ہیں اور چند برس ہوئے آپ نے اس کو بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا اور اگر کوئی مزید اس سلسلہ میں نئی مطبوعہ چیز ہو تو سب کے دو دو نسخہ پر مشتمل وی پی میرے نام کر دی جائے۔ ان شاء اللہ وصول کر لی جائے گی۔ اور یہ مجھوں سب سے بڑی اور آخری فرمائش اپنی اور اماں جی مدظلہا اور اپنی بیوی بچوں کی صحت و عافیت حصول علم دین و توفیق عمل خیر نیز عزیمت و استقامت اور حسن خاتمہ کے لیے مسلسل دعا کا التماس ہے امید ہے کہ اس سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ والسلام۔ مخلص وفقیر ابو معاویہ۔''

جوابی مکتوب

حضرت مولانا عطاء المنعم صاحب موصوف کے جواب میں میرے عزیز نے

عبارت حسب ذیل ہے:

مکرمی حضرت شاہ صاحب زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عنایت نامہ موصول ہوا۔ طالب خیر بخیر ہے۔ جواب میں بہت زیادہ تاخیر ہوگئی ہے جس پر معذرت خواہ ہوں۔ امراض وعوارض مختلفہ کے علاوہ غفلت بھی اس کا سبب ہے۔ مختلف موضوعات پر لکھنا پڑ جاتا ہے۔ ایک شیعہ مولوی نے دس سوالات کسی اور مولوی صاحب کو لکھے تھے انہوں نے جواب کے لیے وہ خط مجھے بھیج دیا جس کا جواب ارسال کیا گیا۔ ان شاء اللہ اس کی [1] اشاعت کا بھی ارادہ ہے۔ شیعہ رسالہ:

''میں شیعہ کیوں ہوا''

ملک میں پھیلایا جارہا ہے۔ اسی رافضی مصنف نے اس رسالہ میں سنی مذہب پر یکصد سوالات وارد کئے ہیں۔ پھر دوسرے رسالے میں اس نے ایک ہزار سوالات پیش کئے ہیں اور آئندہ اس نے اعلان کیا ہے کہ دس ہزار سوالات لکھوں گا۔ ایک طرف اتنی محنت ہو رہی ہے اور ادھر اہل السنّت والجماعت کے ہاں گویا کہ اس محاذ پر خاموشی ہے تو عالم اسباب میں کس کا مشن ترقی پذیر ہوگا۔ خدانخواستہ۔ ایک سنی مولوی نے خلافت راشدہ کے جواب میں ''حق چار یار'' کہنے پر اعتراض کیا ہے اور غیر مطبوعہ رسالہ کی صورت میں میرے پاس بھیجا ہے۔ اس کا موقف یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ راشد ہیں اس لئے ''حق چار یار'' کہنا صحیح نہیں۔ خلافت راشدہ کے جواب میں ''حق پنج یار'' کہا جائے۔ اس کے جواب میں دو قسطیں ارسال کر چکا ہوں۔ آج ہی دوسری قسط روانہ کی ہے۔ ان شاء اللہ اب تیسری قسط لکھوں گا۔ جوابی تحریر زیادہ مفصل ہوگئی ہے اس کی کتابت بھی شروع کرادی ہے ان شاء اللہ چھپوائی جائے گی۔ کئی رافضیوں کے خطوط کا جواب لکھنا پڑتا ہے۔ آپ کو اپنی جگہ روافض کی کاروائیوں کا تجربہ ہوگا۔ ان کے علاوہ خوارج (عباسی پارٹی) نے اہل سنت کے نام سے اپنا مشن

---

[1] یہی جواب ''سنی مذہب حق ہے'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ ۱۲

جاری کیا ہوا ہے ان کا لٹریچر بھی پہنچتا رہتا ہے اور کراچی کے بعض علماء ان کی قیادت کر رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ رجعون۔ بندہ نے ان کی تردید میں بھی کچھ لکھنا شروع کیا تھا لیکن ناتمام رہ گیا۔ اہل سنت اس دور تنزل میں ہر فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں۔ مودودیت نے تو اقتدار میں بھی وافر حصہ ڈال رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک وملت کو سب فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ اور اہل السنّت والجماعت کو ترقی واستحکام نصیب ہو۔ آمین۔ آپ نے اپنے پرچہ ''الاحرار'' میں ''بشارت الدارین'' بالاقساط شائع کرنے کی فرمائش کی ہے۔ سو آپ شائع کر سکتے ہیں۔ اگر کہیں بالفرض کسی بات میں اختلاف ہو تو تحریر فرماویں۔ واللہ اعلم۔ مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب مع احباب تشریف لائے تھے۔ بندہ متعدد پہلوؤں کے پیش نظر اس میں توقف رکھتا ہے۔ یہ فتنوں کا دور ہے تھوڑا کام بھی ہو جائے تو غنیمت ہے۔ چھوٹی سی جماعت کو چلانا اور اس کو متفق رکھنا مشکل نظر آتا ہے واللہ اعلم۔ بزرگان واحباب کی خدمت میں سلام مسنون۔ مولانا محمد یٰسین صاحب کی خدمت میں بھی۔ آپ کا گرامی نامہ حسبِ فرمائش واپس ارسال خدمت کیا جاتا ہے۔ جس کتاب کے متعلق آپ نے فرمایا ہے یاد نہیں کیا نام ہے ایک کتاب تو علمی محاسبہ ہے جو مفتی محمد یوسف مودودی کی کتاب ''جائزہ'' کے رد میں ہے۔ صحابہ کا معیار حق ہونا اور مسئلہ عصمت انبیاء اس کا موضوع ہے۔ والسلام۔ خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ۔''

بندہ کا یہ جوابی مکتوب مؤلف ''اصل حقیقت'' کے ان بہتانات کا جواب ہے جو مجھ پر گلابی شیعہ اور جماعت اسلامی وغیرہ کے معنوی شاگرد ہونے کا لگا رہے ہیں۔ بندہ نے اس خط میں شیعیت۔ مودودیت اور اور خارجیت سب فتنوں کا ذکر کر دیا ہے اور ''حق چار یار'' کی بھی تصریح کر دی ہے۔

② اس مکتوب میں مولانا عطاء المحسن شاہ صاحب کے جس وفد کا ذکر ہے وہ میرے جوابی مکتوب کے لکھنے سے پہلے تشریف لائے تھے جبکہ انہوں نے اپنی جماعت اور خدام کے اشتراک کی فرمائش کی تھی جس پر بندہ نے معذرت کر دی تھی۔ بہرحال مولانا عطاء المنعم صاحب بخاری کے مکتوب اور ان کی طرف سے ان کے چھوٹے بھائی

مولانا عطاء المحسن صاحب بخاری کا میرے پاس تشریف لانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے اور مجھے اہل السنت والجماعت کا خادم قرار دیتے تھے۔

مولانا عطاء المنعم صاحب کی تقریر

خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹، جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ مطابق ۳، ۴، ۵، اپریل ۱۹۸۱ء میں بندہ بھی مدعو تھا۔ بندہ مدرسہ کے ایک حجرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ بعض منتظمین جلسہ ۵، اپریل بروز اتوار ظہر سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ظہر کے بعد دو تقریریں ہوں گی۔ مولانا عطاء المنعم صاحب کی اور آپ کی۔ پہلے کس کی تقریر ہو؟ میں نے عرض کیا۔ جیسا مناسب سمجھیں انہوں نے فرمایا کہ پہلے آپ کی ہوگی اور بعد میں مولانا موصوف کی۔ اس پروگرام کے مطابق میں نے بعد از ظہر تقریر کی جس کے بعض اہم اقتباسات پہلے نقل کر دیئے گئے ہیں۔ میں ان دنوں وقتی تقاضا کے تحت ردشیعیت کے علاوہ رد ❶ خارجیت پر بھی بولتا تھا۔ اور مسئلہ حیات النبی ﷺ بھی اپنے اکابر علمائے دیوبند کی تحقیق کے مطابق بیان کرتا تھا اسی معمول کے مطابق میں نے ان زیر بحث مسائل میں تقریر کی۔ گو میں نے چند سال پہلے یہ بات سنی تھی کہ مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب بخاری محمود عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' سے متاثر ہیں لیکن میرے دل میں اس وقت بخاری صاحب موصوف کے متعلق ایسا کوئی تصور نہیں تھا اور جبکہ مولانا موصوف میری کتاب ''بشارت الدارین'' (جو رد ماتم شیعہ میں ایک مفصل و مدلل ضخیم کتاب ہے) کے ''الاحرار'' میں بالاقساط شائع کرنے کی

---

❶ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ خیر المدارس کے علاوہ ضلع ملتان کے چند مقامات رنگیل پور (ملتان) کبیر والا۔ دنیا پور، منڈی جہانیاں، خانیوال، مخدوم پور (دو روزہ سالانہ) کے لیے جلسوں کا پروگرام حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب امیر تحریک خدام اہل سنت ضلع ملتان نے بذریعہ اشتہار شائع کر دیا تھا اور خیر المدارس کی تقریر سے بعد نماز عصر پڑھ کر ہم نے رات کو کبیر والہ (ملتان) میں جلسہ کیا تھا۔

فرمائش کرچکے تھے اور میں نے ان کو اجازت بھی دے دی تھی اور موصوف جماعتی اشتراک کے لیے دو مرتبہ میرے پاس وفد بھی بھیج چکے تھے اس لیے پہلے مسلکی اختلاف کا احتمال بھی نہ تھا۔ میں نے اپنی تقریر میں جو مسئلہ بھی بیان کیا اکابر دیوبند کی پیروی میں کیا۔ میری تقریر ختم ہونے سے چند منٹ پہلے مولانا بخاری صاحب موصوف بھی اسٹیج پر تشریف لے آئے تھے۔ میں تقریر کرکے واپس حجرہ میں آ گیا اس کے بعد مولانا بخاری نے تقریر کی۔ اور بعض احباب نے بتایا کہ تمہاری تقریر کی تردید کی ہے۔ حالانکہ میری ساری تقریر تو مولانا موصوف نے غالباً سنی نہ ہوگی۔ لوگوں نے انہیں خدا جانے کیا بتایا ہوگا۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ میری تقریر میں کونسی بات مسلک اہل السنت والجماعت کے خلاف تھی۔ میں نے مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب کی تقریر کی کیسٹ بعد میں گھر آ کر سنی ہے۔ جس میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ:

میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ موضوع شروع ہو لیکن میرے ایک محترم بزرگ فاضل نے اس مسئلہ پر بڑی بمبارمنٹ کی ہے اور ان کا بڑا احترام کرتا ہوں جن اکابر کا نام انہوں نے لیا ہے انہیں اکابر میں حضرت قطب الاقطاب مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ بھی شامل ہیں اور فاضل بزرگ کی نظر سے میں تو ان کے مقابلے میں طالب العلم ہوں۔ وہ تمام فتاوی گزر چکے ہوں گے جو اکابر نے دیئے ہیں۔ انہی میں حضرت گنگوہی کا فتوی بھی ہے کہ اگرچہ میں ان بزرگوں کی پیروی میں اس کو فاسق کہہ دیتا ہوں لیکن واضح رہے کہ یہ مسئلہ علم عقائد سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ علم تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی اگر کسی کی تحقیق میں اس کا فسق و فجور تاریخ سے ثابت نہ ہو تو اس کو محبت نہ کرنا سہی۔ اس کو لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے اگر وہ اس کو رضی اللہ عنہ کہہ نہیں سکتا۔ کسی نے کہہ دیا ہے دعائے مغفرت کرکے تو کوئی کفر کا ارتکاب اس نے نہیں کیا۔ یہ بات میرے بزرگوں کو اچھی طرح معلوم ہے اور میں اس مسلک میں حضرت گنگوہی کا پیروکار ہوں۔" الخ

تبصرہ

مولانا عطاء المنعم صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں اس مسلک میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا پیروکار رہوں تو اس میں ان کے ساتھ یزید کے بارے میں اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن تقریر میں جو مولانا موصوف نے حضرت گنگوہی کا مسلک پیش کیا ہے اس میں ان کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے یزید کے متعلق لعن وتکفیر میں اختلاف کا ذکر کیا ہے نہ کہ فسق میں کیونکہ فسق پر تو نہ صرف اکابر دیو بند بلکہ جمہور اہل السنت والجماعت متفق ہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

(ا) بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کفِ لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے کیونکہ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کو حلال جاننا کفر ہے مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا متحقق نہیں لہٰذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بے شک تھا۔ (فتاویٰ رشیدیہ مبوب ص ۴۹)

(ب) فرماتے ہیں: پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا متحقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیے کہ اپنے اوپر عود لعنت کا اندیشہ ہے لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی اور خوش تھا۔ ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اوّل میں وہ مومن تھا۔ اس کے بعد وہ ان افعال مستحل (حلال جاننے والا) تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا۔ تحقیق نہیں ہوا پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ بھی حق ہے پس جواز لعن وعدم لعن کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ محض مباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں۔ فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹)

اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کی یہ دونوں عبارتیں بشارت الدارین ص ۲۰۲ پر بھی منقول ہیں۔ بہر حال حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے یزید کے بارے میں یہ تو واضح فرما دیا مگر فاسق بے شک تھا۔ مگر اس کے کفر اور لعن کے متعلق اختلاف کا ذکر فرمایا۔ اور اس کے متعلق فرمایا کہ ''ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے۔'' اور یہی محتاط مسلک ہے اور بندہ نے فسقِ یزید کے متعلق ''خارجی فتنہ حصہ دوم'' میں مفصل بحث کی ہے اور فاسق کہنے سے بھی ہمارا یہ مطلب نہیں کہ اس کے فاسق ہونے کی گردان کرتے رہیں بلکہ اس دور میں جب عباسی پارٹی نے یزید کو عادل۔ صالح۔ متقی حتیٰ کہ خلیفہ راشد ماننے پر زور دیا اور جمہور اہل السنت والجماعت کے مسلک اعتدال کی تردید کی تو پھر یزید کے بارے میں اہل السنت والجماعت کے تحقیقی مسلک کے اثبات کی ضرورت پڑ گئی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تین شرائط

بحث یزید کے سلسلہ میں ہی جناب مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ:

حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بڑا تھا ٹھیک ہے لیکن جس حسین رضی اللہ عنہ، کہو اونچی آواز سے رضی اللہ عنہ۔ جس حسین نے اس کے مشیروں سے جام شہادت نوش کیا ہے اس حسین رضی اللہ عنہ کی اپنی آواز ہے نو حوالوں سے دنیا میں ثابت ہے اختاروا منی ثلثاً مجھ سے تین باتیں منوالو۔ چوتھی کوئی شرط میں نہیں مانوں گا...... یا مجھے وہاں بھیج دو جہاں سے میں آیا ہوں یعنی مدینہ...... یا وہاں سرحد پر بھیج دو تمہیں اگر میرے وجود سے ڈر ہے کہ میں موومنٹ چلاؤں گا یا تحریک چلاؤں گا کہ یزید کی حکومت متزلزل ہو جائے گی...... اگر یہ بھی نہیں۔ پھر میرا راستہ چھوڑ دو مجھے یزید کے پاس جانے دو۔ میں اس کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے کے لیے بھی تیار ہوں۔ وہ اپنی رائے میرے متعلق سوچے گا جو چاہے گا فیصلہ کرے مجھے قبول ہوگا۔ مجھے اس کے پاس لے چلو وہ مجھ سے گفتگو کرے

میری شکایات دور کردے وہ مجھے منالے گا۔ میں بیعت کرنے کو تیار ہوں۔''

تبصرہ

راجح قول یہی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بیعت یزید کے لیے آمادہ نہیں ہوئے جیسا کہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مدنی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر نے فرمایا ہے۔ لیکن مولانا بخاری صاحب موصوف کے الفاظ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسین غیر مشروط طور پر بیعت کے لیے راضی نہیں ہوئے بلکہ یہ فرمادیا کہ: وہ مجھ سے گفتگو کر کے میری شکایات دور کردے وہ مجھے منوالے میں بیعت کرنے کو تیار ہوں۔''......اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید سے کچھ شکایات ضرور تھیں۔ اس سے محمود احمد صاحب عباسی اور ان کی پارٹی کے اس نظریہ کی تو تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ذاتی اقتدار کے حصول کے لیے خروج کیا تھا یا یہ کہ آخر میں بلا شرط آپ بیعت یزید کے لیے راضی ہو گئے تھے۔ یہاں مزید گنجائش نہیں۔ خارجی فتنہ حصہ دوم میں بندہ نے مذکورہ شرائط پر بھی بحث کردی ہے۔ آخر میں گزارش ہے کہ اگر جناب مولانا عطاء المنعم شاہ صاحب کے خدام آپ کی یہ تقریر شائع کرنا چاہیں تو اس کے ساتھ میری تقریر بھی شائع کرنی چاہیے تاکہ حقائق واضح ہو کر مؤلف ''اصل حقیقت'' کی غلط بیانیاں بے نقاب ہو جائیں۔

چکوال میں مولانا عطاء المنعم بخاری کی تشریف آوری

جناب مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب بخاری سے متعلق مؤلف ''اصل حقیقت'' کا جواب یہاں تک مکمل کر چکا تھا کہ حسن اتفاق سے اس کے بعد ہی اسی دن ۲۳ راکتوبر ۱۹۸۴ء کو بندہ کی ملاقات کے لیے اچانک تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ ملتان کے رفقاء میں سے مولانا غلام یٰسین صاحب (متوطن بھون تحصیل چکوال) وغیرہ اور تلہ گنگ سے رفیق غلام ربانی صاحب وغیرہ تھے۔ مولانا بخاری بڑے تپاک سے ملے۔ باہمی خیر و عافیت پوچھنے کے بعد آپ اپنے مذاق کے مطابق مختلف باتیں کرتے رہے

کوئی اختلافی بات زیر بحث نہ آئی۔ آپ نے کھانا نہیں کھایا البتہ حسب خواہش اپنے اور رفقاء کے لیے سیون اپ کا مشروب قبول فرمالیا مولانا موصوف نے ۲۱/۲۲ اکتوبر تلہ گنگ میں تقریر کی تھی۔ پھر رات کو آپ نے چکوال میں کسی اور جگہ قیام کیا تھا اور دن کو قریباً ۱۲/ بجے میرے ہاں اچانک تشریف لائے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ صاحب موصوف نے تلہ گنگ میں میری کتاب (دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کا مطالعہ کرلیا تھا آپ کی تلہ گنگ کی تقریر کی کیسٹ کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں (جو بعض احباب نے نقل کئے ہیں)۔

مولانا عطاء المنعم صاحب کی تقریر بمقام تلہ گنگ

فرمایا: حسین رضی اللہ عنہ کی داستان مستقل ہے اور شریف انسان اس کا منکر نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے بدنصیب کہ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ ہوا ٹھیک تھا ظلم کوئی کرے ظلم ہے اگر ابن زیاد ظلم کرے تو وہ بھی ظلم ہے۔ بے شک حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر خدا کی لعنت۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر ڈبل لعنت۔ اور جو اس کو نہ مانے اور ان کے قاتلوں کو اچھا کہے اس پر خدا کی ڈبل لعنت حسین رضی اللہ عنہ مظلوم ہے تو ہم کس کے ساتھ ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں کہ ابن زیاد کے ساتھ؟ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ اور یزید کے ساتھ۔ شمر کے ساتھ ہم نہیں جائیں گے۔ انصاف ہے کہ نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد پر ظلم کیا۔ اس کو اچھا سمجھو گے یا برا ان کو بھی ملعون کہنا چاہیے۔ میں اپنے آپ نہیں کہتا۔ حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا یوں ذکر نہیں آیا۔ حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے اندر دھوڑ پڑی ہے۔ پریشان ہیں۔ آتا ہے کتابوں میں۔ کہ ہاتھوں میں شیشی ہے اس میں سرخ رنگ ہے۔ یہ عقیدے کے بارے کتابوں میں آئی ہے۔ ہوگی ہمیں اس میں کوئی انکار نہیں۔ خواب میں انسان خدا کو بھی دیکھ سکتا ہے اگر ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور خواب میں حسین رضی اللہ عنہ کا خون حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ

دیا تو کوئی تعجب ہے؟ اگر حضرت نبی علیہ السلام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذبح شدہ لاش ہی دکھا دیتے تو بھی کوئی تعجب نہیں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو حضور نہ دکھائی دیتے کربلا نقشہ ہی سامنے آجاتا ہوسکتا تھا لیکن علامت تھی یہ ایک نشانی تھی۔ خواب کیا ہوتا ہے علامت تھی قتل حسین رضی اللہ عنہ کی کہ حسین دنیا سے شہید ہوگئے...... نہ عثمان کے قاتل معاف کئے جائیں گے نہ حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو معاف کیا جائے گا۔ ٹھیک ہے دونوں مظلوم ہیں۔ اور عثمان کی مظلومیت کا مسئلہ تو اور بھی زیادہ تیز ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے تو پھر کچھ دل کی بھڑاس نکال لی۔ ان کے سوتیلے بھائیوں نے کچھ دل کی بھڑاس نکال لی۔ کہتے ہیں بہتر ادھر سے گئے اَسّی ادھر سے گئے۔ کوفے کی فوج کے اَسّی آدمی قتل ہوئے۔ اللہ ہمیں علی رضی اللہ عنہ کے غلاموں میں رکھے حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں میں رکھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جوتیوں میں رکھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی چھاؤں میں رکھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوپٹے کی چھاؤں میں رکھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دوپٹے کی چھاؤں میں رکھے۔ ہم تو ان سب کے غلام ہیں۔ ہماری کیا جرأت ہے ان کی شان میں گستاخی کی۔ توبہ توبہ۔ ہم تو ان کا نام لے کر اللہ سے جنت مانگتے ہیں کہ یا اللہ ہمارے پلے کچھ نہیں۔ ان کے صدقے میں ہمارے گناہ معاف فرمادے جو ان کی توہین کرے۔ ان سب کے دشمنوں پر خدا کی لعنت اور ان سب کے دوستوں پر خدا کی رحمت۔ ہم تو ان سب کے نیاز مند اور غلام ہیں۔ الخ

جناب مولانا عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری کی یہ تقریر عباسی نظریات کے خلاف ہے۔ دیکھئے مؤلف ''اصل حقیقت'' اس تقریر کو بھی شائع کرتے ہیں یا نہیں۔ اور اس تقریر کی کے پیش نظر مولانا موصوف کو بھی کچھ سناتے ہیں یا نہیں۔

فرمایئے! مولانا عطاء المنعم صاحب بخاری کی تقریر کا جو سہارا لیا تھا وہ بھی کام نہ آسکا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اب سوائے تبرّا اور ماتم کے مؤلف مذکور کے دل کی تسلی کے لیے اور کونسا راستہ باقی رہ گیا ہے؟

نبراس کی عبارت کی بحث بددیانت کون ہے؟

مؤلف ''اصل حقیقت'' بعنوان: ''چکوالی کی بددیانتی نمبر ۱'' لکھتے ہیں: ''خارجی فتنہ'' کے ص ۲۵۴ پر ایک عنوان: ''نبراس کی عبارت سے سندیلوی صاحب کا غلط استدلال۔''

اس کی یہ بحث ص ۲۷۵ پر چلی گئی ہے پھر ص ۳۵۶ سے ص ۳۵۸ تک یہی بحث ہے۔ اس ساری بحث میں چکوالی صاحب نے مولانا سندیلوی کے ذمہ ایک عبارت منڈھ کر اس مندرجہ بالا عنوان سے لے کر اختتام تک دسیوں مرتبہ مولانا کو خطاب کرکے تبرا کیا ہے مگر آپ کو یہ سن کر حیرانی ہوگی کہ یہ عبارت جو مولانا سندیلوی کے سر چپکائی جارہی ہے اور اس پر تبرا کیا جارہا ہے سرے سے مولانا کی عبارت ہے ہی نہیں یہ صرف چکوالی کذاب کی بددیانتی ہے۔ اس کذاب نے ناشر کی عبارت مولانا کے سر لگا کر اس پہ گولہ باری کی ہے۔ ہم چکوالی صاحب کی یہ بددیانتی دیکھ کر حیران ہیں۔ یہ ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ چکوالی صاحب اتنی گھٹیا سطح پر اتر سکتے ہیں۔ اور جواب شافی جو ایک مختصر سا پمفلٹ ہے اس کے ص ۱۴ کو دیکھ کر ہر شخص بتا سکتا ہے کہ نبراس کی اور مولانا بخاری کے حوالہ سے تہذیب التہذیب کی جو عبارت وہاں دی گئی ہے وہ مولانا سندیلوی کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ اس عبارت کو اوّل تو متن سے بالکل جدا چوکھٹے کی صورت میں لکھا گیا ہے پھر آخر میں بھی صاف لکھا ہوا ہے از ناشر الخ (ص ۴۵/۴۶)

الجواب

① ''جواب شافی'' ص ۱۴ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی دوسرے صفحہ پر شائع کی جارہی ہے۔ اس کو دیکھ کر یہ واضح نہیں ہوتا کہ عبارت ''عقیدہ امام اعظم سے لے کر آخری الفاظ'' اسے سنی کہلانے کا کوئی حق نہیں۔'' مولانا سندیلوی کی نہیں بلکہ ناشر کی ہے کیونکہ اس کے بعد حد فاصل ایک لکیر ہے۔

عقیدۂ امام اعظم رحمۃ اللہ

یکف عن ذکر الصحابة الا بخیر (صحابہ کرام کا سوائے اچھائی کے تذکرہ نہ کیا جائے۔) (نبراس شرح الشرح العقائدص ۴۵۶)

متقدمین کا عقیدہ

بتاتے ہوئے شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ''خیر القرون (اچھے زمانے) کے بزرگوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جو شخص (یا جماعت) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے یا جنگ جمل و صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھنے کے ساتھ آپ کے مخالفین کو خطا کار کہتا ہے وہ بھی شیعہ ہے (تہذیب التہذیب مطبوعہ دکن ج ۱، ص ۹۴) یہ قول نقل کرنے کے بعد تنظیم اہلسنت پاکستان (ملتان) کے حضرت صدر مولانا نور الحسن بخاری اپنی کتاب ''عادلانہ دفاع بجواب خلافت وملوکیت کے ص ۴۱۲ پر لکھتے ہیں'' (اس سے واضح ہے کہ) اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت تو نہیں دیتا، لیکن جنگوں میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا پر سمجھتا ہے تو وہ بھی شیعہ ہے اسے سنی کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے'' ...... اس موضوع پر تائید مزید کے لیے دیکھئے شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی کتاب ''براۃ عثمان رضی اللہ عنہ بجواب خلافت وملوکیت'' شائع کردہ مولانا ابوذر بخاری (ابن امیر شریعت کوٹ تغلق شاہ ملتان شہر) ..... جو پہلے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مشہور عربی ماہنامے البعث الاسلامی میں قسط وار منظر عام پر آیا تھا۔ حضرت امام اہلسنت کا یہ عربی کتابچہ بھی مصر وعرب کے علماء کرام سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ (ناشر)

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علیٰ عثمان، وَاَنَّ عَلیًا کان مصیبًا فی حروبه وان مخالفه مخطی مع تقدیم الشخین وتفضیلهما۔

خلیفہ راشد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور قاضی مظہر حسین

ایک سنی عالم کا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی تحقیقات میں اس بات کی پوری کوشش کرے کہ ہر صحابی کا دامن دشمنوں کے لگائے ہوئے الزامات سے صاف ہو اور سب کو محترم سمجھا جائے حضرت امام اہلسنت مدظلہ نے اپنی کتاب اظہار حقیقت میں یہی کوششیں کی ہیں اور عقل و نقل کی روشنی میں اس بات پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن العاص کا موقف بھی مبنی بر حق تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف بھی صحیح تھا حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کے قاتل نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ بلکہ ان کے قاتل سبائی تھے۔ شریعت کی رو سے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا تھی نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی۔ لیکن قاضی مظہر صاحب کو باوجود سُنی کہلانے کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ صفائی پسند نہیں آئی۔ ان کے نزدیک سُنی ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار مانا جائے چنانچہ وہ حضرت امام اہلسنت مدظلہ پر تنقید کرتے ہوئے ان کے اس خالص اسلامی نقطہ نظر کو خارجیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ ''خارجی فتنہ'' کے اثرات سے بعض علماء بھی محفوظ نہیں رہے اور حضرت علی المرتضٰی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف و نزاع میں وہ بھی محققین اہلسنت کے مسلک اعتدال سے ہٹ کر افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایک منصف عالم کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عقیدت میں اتنا غلو ہو گیا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنے کو بھی برداشت نہیں کرتے۔'' (اس کے بعد حضرت امام اہلسنت مدظلہ کی تحریر پیش کی ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے الزامات کا رد کیا گیا ہے)۔ (دیکھئے قاضی مظہر صاحب کی کتاب ''حضرت لاہوری رحمۃ اللہ فتنوں کے تعاقب ص ۱۰۳ میں'' شائع کردہ خدام اہلسنت چکوال جہلم)۔

اس کے نہیں ہو گئے تھے تو استصوب کرانے کا مطالبہ ان سے کیسے ہو سکتا تھا؟ استصواب کا انتظام تو وہ بحیثیت خلیفہ ہی کر سکتے تھے۔

اعتراض کا جواب شافی تو دیا جا چکا مگر یہ بات کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ اعتراض مجھ پر نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب قاضی صاحب مودودی صاحب کے راستہ کی طرف مائل ہو رہے ہیں ورنہ حضرت معاویہ اور ان کے مؤید دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے کی جسارت نہ کرتے خصوصاً جب کہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی بلکہ جس شخص نے اظہار حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کی بحث غور سے پڑھی ہو اس کے ذہن میں اس طرح کا اشکال ہی نہیں ہو سکتا۔

اب کوئی قاضی مظہر صاحب سے پُوچھے کہ ایک شخص جو کسی بھی صحابی پر الزام تراشی نہیں کر رہا بلکہ سب کے دامن صاف کر رہا ہے اس سے آپ کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟ کیا تمام صحابہ کرام کے بارے میں کف لسان کرنا خارجیت ہے یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار قرار دینے میں اتنی دلچسپی دکھانا رافضیت ہے؟ اس معاملہ میں اسلاف کرام کا فیصلہ ص ۱۴ پر ملاحظہ فرمایئے۔ جس سے واضح ہو جائے گا کہ قاضی صاحب شیعی پروپیگنڈے کا شکار ہیں۔ (ناشر)

بعد تین سطری عبارت کے بعد ''از ناشر'' لکھا ہے۔

(ب) چوکھٹا پورا نہیں ادھورا ہے (البتہ آخر میں عربی عبارت کا چوکھٹا پورا ہے)

''جواب شافی'' کے ص ۲ تا ص ۴ عرض ناشر کے تحت ساری عبارت ناشر کی ہے لیکن باوجود اس کے ص ۴ کی چوتھی سطر سے عنوان:

''خلیفہ راشد سیدنا امیر معاویہ اور قاضی مظہر حسین۔''

پر بھی نیم چوکھٹا ہے۔ چنانچہ اس ص ۴ کا عکس بھی یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں عبارتیں ناشر کی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیم چوکھٹا اس بات کی

دلیل نہیں ہے کہ یہ دونوں تحریریں ایک شخص کی نہیں ہے اور اگر صفحہ ۱۴ کی زیر بحث عبارت مولانا سندیلوی کی نہیں ناشر کی ہے تو اس میں میری غلط فہمی ہے نہ کہ بددیانتی جس پر بندہ معذرت خواہ ہے۔

(ج) اس پر بھی میرا سوال یہ ہے کہ جب ناشر صاحب نے شروع میں تین صفحات لکھ دیئے تھے تو ص ۱۴ پر اپنی ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی؟

② اگر ناشر کی زیر بحث عبارت مولانا سندیلوی کی اجازت سے لکھی گئی ہے تو ان کے نزدیک یہ عبارت صحیح ہے اور اگر مولانا کی اجازت کے بغیر لکھی گئی ہے تو یہ ناشر کی بد دیانتی ہے پھر اس صورت میں سندیلوی صاحب نے اس کی تردید کیوں نہیں کی؟

③ ہم پوچھتے ہیں کہ ناشر نے ص ۱۴ پر ''عقیدہ امام اعظم'' کے تحت جو عبارت نبراس کی پیش کی ہے مولانا سندیلوی اس عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں اگر تسلیم نہیں کرتے تو ان کا عقیدہ امام اعظم رحمہ اللہ کے خلاف ہوا۔ اور اگر تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس بنا پر میرا ان کو مخاطب کرنا کیوں جرم ہے؟

④ مولانا سندیلوی نے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ عقیدہ خود اپنی کتاب اظہار حقیقت جلد دوم پر بھی پیش کیا ہے۔ چنانچہ عقیدہ طحاویہ میں سے صحابہ کرام کے متعلق امام طحاوی رحمہ اللہ کی یہ عبارت لکھی ہے: وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِالْخَيْرِ اور ہم ان کا (صحابہ کرام کا) تذکرہ صرف بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ص ۴۵۹ پر مولانا سندیلوی لکھتے ہیں: اس مقام پر امام طحاوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: هذا ذكر بيان عقيدة اهل السنة والجماعة علىٰ مذهب ابى حنيفة النعمان بن الثابت الكوفى وابى يوسف يعقوب بن ابراهيم الانصارى وابى عبدالله محمد بن الحسن الشيبانى رضوان الله عليهم اجمعين یہ اہل السنّت والجماعت کے عقائد کا بیان ہے وہ عقیدے جو امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری اور ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذہب ہے فرمایئے کہ جب مولانا سندیلوی نے خود نہ صرف امام اعظم بلکہ امام ابو

یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی عقیدہ اپنی تائید میں پیش کر دیا ہے تو اس بنا پر اگر میں نے ان پر تنقید کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ کسی صحابی کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنا ان کے ذکر خیر کے منافی نہیں ہے تو اس میں کونسی بد دیانتی ہے جس کا اتہام مؤلف ''اصل حقیقت'' نمک مرچ لگا کر مجھ پر عائد کر رہے ہیں۔

(ب) عقیدہ طحاوی کی عبارت کا صحیح مطلب میں نے ''خارجی فتنہ'' حصہ اوّل ص۳۸۳ پر بعنوان ''عقیدہ طحاویہ کی بحث'' بیان کر دیا ہے قائین وہاں دیکھ لیں۔ بہرحال امام اعظم کا جو عقیدہ طحاوی شریف میں لکھا ہے وہی نبراس میں ہے۔ تو خواہ طحاوی ہو یا نبراس مولانا سندیلوی پر میری تنقید صحیح ہے۔ ہاں اگر وہ یہ فرما دیں کہ میں امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان کو نہیں مانتا تو پھر میرے اعتراض کی نوعیت دوسری ہوگی۔ کیا مؤلف صاحب کو یہ منظور ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت

ناشر صاحب نے ص۱۴ پر جو عبارت مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری مرحوم کی کتاب ''عادلانہ دفاع'' سے حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری شریف کی پیش کی ہے اس کے متعلق بھی میرا سوال ہے کہ یہ مولانا سندیلوی کے نظریہ کے مخالف ہے یا موافق اگر مخالف ہے تو ناشر نے یہ جسارت اپنے امام اہل سنت کے خلاف کیوں کی ہے؟ اور اگر موافق ہے تو اس بنا پر مولانا سندیلوی کو مخاطب بنانے میں میری کیا غلطی ہے؟

(ب) خود مؤلف ''اصل حقیقت'' نے تہذیب التہذیب کی زیر بحث عبارت ص۵۵ پر درج کی ہے جس کا جواب اپنے مقام پر دیا جائے گا۔ فرمائیے! مؤلف صاحب اپنے امام اہل سنت کی تائید میں کتابچہ ''اصل حقیقت'' لکھ رہے ہیں اور اسی سلسلہ میں وہ تہذیب التہذیب کی عبارت پیش کر رہے ہیں اور اسی عبارت کی بنا پر میں نے مولانا سندیلوی پر تنقید کی ہے۔ تو اب اس عبارت سے آپ کیونکر جان چھڑا سکتے ہیں۔ مؤلف کی مجھ پر الزام تراشی تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے والا معاملہ ہے۔ عبرت۔

عبرت۔عبرت۔

② جو کچھ مولانا نورالحسن شاہ صاحب نے پیش کیا ہے وہی مولانا سندیلوی صاحب کا نظریہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کا قول شیعوں کے پروپیگنڈے کا اثر ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

شیعہ مؤرخین یعنی طبری۔ واقدی۔ ابن اسحٰق وغیرہ نے بکثرت جھوٹی روایتیں وضع اور موضوع روایتیں جمع کیں نیز واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور حضرات اصحاب جمل واصحاب صفین کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا اس قدر قوت اور شدت کے ساتھ کیا کہ ان حضرات کے خلاف ایک فضا بن گئی۔اس مسموم اور مذموم فضا سے بعض علمائے اہل سنت بھی متاثر ہوئے وہ اس حد تک تو نہ جا سکے کہ ان حضرات کی مذمت کرتے لیکن اس قدر متاثر ہوئے کہ ان حضرات کے اقدام کو خطائے اجتہادی کہنے لگے۔تقلیدی مذاق کے غلبہ کی وجہ سے بعد کو آنے والے علماء نے بھی ان کی پیروی کی اس طرح یہ مسلک مشہور و مقبول ہو گیا (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۳)

میں نے مولانا سندیلوی کی مذکورہ عبارت ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' ص ۵۰۳ پر نقل کر کے اس پر بحث کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی شیعی پروپیگنڈے سے متاثر تھے (سندیلوی)

مولانا سندیلوی لکھتے ہیں: علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ باوجود یہ کہ اس فضا سے خاصے متاثر ہیں جسے شیعی پروپیگنڈے نے مسموم بنا دیا تھا اس لیے حضرت مروان سے کچھ کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔الخ (اظہار حقیقت جلد اوّل ص ۲۶۴) گویا کہ مؤلف اصل حقیقت کی اصطلاح میں حافظ ابن حجر عسقلانی محدث شارح صحیح بخاری بھی گلابی شیعہ ہوں گے۔سندیلوی صاحب کا یہ ذہن اتنا خطرناک ہے کہ ان کو قریباً بارہ سو سال کے محققین اہل السنّت والجماعت شیعوں کی مسموم فضا سے متاثر نظر آتے ہیں۔اس تصور کے تحت تو مسلک اہل السنّت والجماعت کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔اسی بنا پر

انہوں نے صدیوں کے محدثین۔ مفسرین۔ مجددین اور متکلمین حضرات کے اس متفقہ موقف کو کہ مشاجرات صحابہ میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اجتہاد صحیح نہ تھا۔ شیعی مسموم فضا سے متاثر ہونے کا نتیجہ قرار دے دیا سندیلوی صاحب کے دماغ میں اتنی بات بھی نہ آسکی کہ اس کا مسلکاً کیا نتیجہ نکلے گا؟ اس بنا پر مسلک اہل السنّت والجماعت کا ہر عقیدہ مجروح قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیا سندیلوی صاحب کے نزدیک سُنی مسلک وہی ہوسکتا ہے جو ان کے ذہن کی اختراع ہو۔ العیاذ باللہ

کیا مولانا سندیلوی عباسی صاحب سے متاثر ہیں

مؤلف مذکور بعنوان: ''چکوالی صاحب کی بد دیانتی نمبر۲'' ص ۴۷ پر لکھتے ہیں:

چکوالی صاحب حضرت امام اہل سنت کو بدنام کرنے کے لیے بار بار انہیں محمود احمد عباسی کا ہم خیال بتاتے ہیں تاکہ مولانا کو خارجی کہا جاسکے حالانکہ خود امام اہل سنت مدظلہ اپنے ایک خط میں عباسی صاحب کے متعلق انہیں لکھ چکے ہیں کہ میرے نزدیک عباسی صاحب کے بہت سے خیالات اہل سنت کے نقطہ نظر کے خلاف ہیں۔ چکوالی صاحب نے مولانا کا یہ خط اپنی کتاب کے ص ۱۴۵ پر نقل بھی کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مولانا پر اتہام طرازی سے باز نہیں آتے بلکہ عباسی کے کسی خود ساختہ شاگرد عزیز احمد کے حوالے سے اس چکوالی کفش مار نے اپنے سرپرست حضرت امام اہل سنت جیسی عظیم شخصیت کو عباسی کا شاگرد ثابت کرنے کی مذموم اور شرمناک کوشش بھی کی ہے۔ لعل شاہ صاحب کے معنوی شاگرد چکوالی صاحب کی یہ پستی دیکھ کر کہنا پڑتا ہے: ع

تفو بر تو اے چرغ گرداں تفو

تعجب تو یہ ہے کہ اس صریح جھوٹ کو آگے بڑھاتے ہوئے بغض وحسد میں اندھے چکوالی کو کچھ حجاب نہیں آیا بلکہ اس ''ملّا یانے'' حیلے کو اپنی آڑ بنایا ہے کہ چونکہ مولانا سندیلوی نے اس الزام کی تردید نہیں کی اس لیے ہم بھی اسے صحیح سمجھتے ہیں۔

(خارجی فتنہ ص ۶۴، ۶۵)

الجواب

① مؤلف مذکور نے شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ تسلیم کر لیا کہ محمود احمد عباسی خارجی تھے ورنہ وہ یہ کیوں لکھتے کہ: چکوالی صاحب...... بار بار انہیں (یعنی مولانا سندیلوی کو) محمود احمد عباسی کا ہم خیال بتاتے ہیں تا کہ مولانا کو خارجی کہا جا سکے۔'' اگر عباسی صاحب خارجی نہیں تو ان کے ہم خیال کو کیونکر خارجی کہا جا سکتا ہے؟

② مؤلف نے میرے نام مولانا موصوف کے جس خط کا حوالہ ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' ص ۱۴۵ سے پیش کیا ہے اگر وہ یہاں پوری عبارت نقل کر دیتے تو حقیقت واضح ہو جاتی۔ چنانچہ سندیلوی صاحب کے اس خط کی عبارت حسب ذیل ہے:

محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' بہت مدت ہوئی کہ نظر سے گزری تھی میری رائے میں خارجیت کی حد تک تو نہیں پہنچی ہے لیکن بعض مقامات پر حدود مسلک اہل سنت سے تجاوز ضرور نظر آتا ہے۔ یزید کے متعلق انہوں نے جو لکھا ہے یعنی فسق وغیرہ کے الزام سے اس کی براءت وہ تو میرے نزدیک صحیح ہے۔ البتہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو رائے ان کی بظاہر معلوم ہوتی ہے اسے مسلک اہل سنت سے تجاوز سمجھتا ہوں۔ کتاب مذکور کے متعلق بحیثیت مجموعی یہ میری اجمالی رائے ہے اس وقت وہ پیش نظر نہیں اس لیے مفصل رائے ظاہر کرنے سے قاصر ہوں۔'' (۸/ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ)

تبصرہ

سندیلوی صاحب نے تو لکھا ہے کہ عباسی صاحب نے بعض مقامات پر مسلک اہل سنت سے تجاوز کیا ہے لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' نے بعض کی جگہ بہت سے خیالات بنا دیا۔ اسے کہتے ہیں مدعی سُست گواہ چست۔ کیا یہ بد دیانتی نہیں؟

(ب) سندیلوی صاحب نے اس خط میں عباسی صاحب کے یزیدی نظریہ کی تائید کر دی ہے تو کیا اس بارے میں مولانا سندیلوی عباسی صاحب کے ہمنوا نہیں ہیں۔

مؤلف مذکور نے خط کی پوری عبارت اس لیے نہیں لکھی کہ قارئین کے سامنے مولانا کی یزیدیت نہ کھل جائے۔ کیا یہ اصل حقیقت ہے کہ اخفائے حقیقت؟

(ج) سندیلوی صاحب عباسی صاحب کو خارجی نہیں قرار دیتے لیکن ان کو امام اہل سنت ماننے والے مؤلف مذکور کی مندرجہ عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عباسی صاحب خارجی نظریہ رکھتے تھے۔ یہ امام اور مقلد کی تضاد بیانی کیوں ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ عباسی صاحب کٹر خارجی تھے۔ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں کیونکہ ان کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' اور تحقیقی مزید میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صریح توہین پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل، ص ۱۷ (بعنوان: کیا محمود احمد عباسی خارجی ہیں؟)

مولانا سندیلوی چونکہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ: اگر اس سے مراد نواصب وخوارج ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان وہندوستان میں نہیں ہے۔ نہ آج تک ان ملکوں میں ایسی کتاب کا نام سنا گیا ہے جن میں ناصبیت وخارجیت کی ترجمانی کی گئی ہو۔ الخ (اظہار حقیقت جلد اوّل ص ۲۰)

اور چونکہ سندیلوی صاحب کے نزدیک پاکستان وہندوستان میں کہیں بھی ناصبیت وخارجیت کا وجود نہیں ہے اس لیے وہ عباسی صاحب کو کیونکر خارجی کہہ سکتے ہیں؟ سندیلوی صاحب کے جواب میں بندہ نے خوارج ونواصب کا وجود ثابت کر دیا ہے ملاحظہ ہو ''خارجیت کا طوفان'' (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۱۱۱)

سندیلوی صاحب کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے مؤید ہیں

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۱۵

محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کی تائید میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی موصوف کا ایک مقالہ صدق جدید لکھنؤ ۱۳ر نومبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا۔ جس کا اقتباس خود عباسی صاحب نے اپنی کتاب مذکور طبع چہارم میں نقل

کر دیا ہے۔ چنانچہ خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۲۳ پر بھی میں نے اس کے متعلق حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

شروع شروع میں عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کے جواب میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب زید فیضہم کا (جواب رحمۃ اللہ علیہ کا مصداق بن چکے ہیں) مقالہ شائع ہوا تھا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ:

''کتاب کے مضامین مسلک اہل السنّت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں''

اس پر مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کو غصہ آ گیا اور انہوں نے ان کے جواب میں ایک بیان دیا جو صدق جدید لکھنؤ ۱۳؍ نومبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ: ''کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' تو زلزلہ افگن ثابت ہوئی اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں ہے مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم کا یہ اعلان اور بھی تحیّر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل السنّت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔'' میں نے کتاب اوّل سے آخر تک دیکھی۔ اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔ ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کر کے واقعات وحوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لا حاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔

یہ ذہنیت بالکل نا قابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہر حال مجرم ہی سمجھیں گے۔ گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے الخ ...... سندیلوی صاحب کی مندرجہ عبارت عباسی صاحب نے اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم میں حرف بہ حرف درج کردی ہے۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۲۳/۲۴)

مولانا سندیلوی کی عبارت نقل کرنے کے بعد میں نے لکھا ہے کہ: سندیلوی صاحب کی مندرجہ عبارت سے عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کی مکمل

حمایت ثابت ہوتی ہے۔ باقی رہا یہ کہ عباسی صاحب کی کتاب مذہب اہل السنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے تو یہ، سندیلوی صاحب کی صریح غلط بیانی ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں صرف یہ نہیں کہ یزید کو صالح اور متقی قرار دیا گیا ہے بلکہ حضرت علی المرتضی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی صریح تنقیص وتوہین کی گئی ہے جس کی نشاندہی میں نے اس کتاب میں کردی ہے۔'' (عرض حال خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۲۵) بہرحال سندیلوی صاحب نے عباسی کی زیر بحث کتاب حرف بہ حرف مطالعہ کر کے اُس کی تائید میں اپنا مقالہ آج سے ۲۴/ ۲۵ سال پہلے ۱۹۵۹ء میں شائع کر کے عباسی صاحب سے داد تحسین حاصل کرلی تھی جس سے ثابت ہوا کہ مولانا سندیلوی یزیدیت کے پرانے مریض ہیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ مؤلف ''اصل حقیقت'' کب تک پردہ پوشی کرتے رہیں گے؟ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سندیلوی صاحب نے اپنے مندرجہ مضمون میں حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ صاحب کو شیعوں کا ہمنوا قرار دیا ہے جو ان پر بہتان ہے۔ کیونکہ حضرت مہتمم رحمہ اللہ اور دوسرے علماء اہل سنت نے شیعوں کی ہمنوائی نہیں کی بلکہ مسلک اہل السنّت والجماعت کے تحت عباسی نظریہ کا رد کیا ہے اس کے برعکس مولانا سندیلوی نے عباسی صاحب کی کتاب خلافت معاویہ ویزید کی تائید کی ہے حالانکہ یہ کتاب مسلک اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہے۔ فرمایئے! کون کس کا ہمنوا ہے۔ ع

بہ بیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

عباسی کے تلامذہ کی فہرست

میں نے بعنوان ''محمود احمد عباسی کے تلامذہ'' کے تحت عباسی صاحب کے ایک ممتاز فیضیافتہ شاگرد عزیز احمد کی کتاب قرآن اور مسلمان سے فہرست پیش کی ہے۔ جس میں نمبر ۶ میں لکھا ہے مولوی محمد اسحٰق صدیقی ندوی کراچی مؤلف ''اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت'' اور یہ حوالہ میں نے ٹھیک نقل کیا ہے۔ اور اسی ثبوت میں پیش کیا ہے

کہ پاکستان میں خارجیت اور ناصبیت کا خاصا لٹریچر موجود ہے اور عزیز احمد صدیقی نے تو اپنی بعض کتابوں پر مسئلہ ناصبیت کی تصریح کی ہے پھر اس کے باوجود مولانا سندیلوی سرے سے پاکستان میں ناصبیت اور خارجیت کے وجود کی ہی نفی کر رہے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبیست ..... آخر میں بندہ نے لکھا ہے کہ جب کراچی سے شائع شدہ کتابوں میں محمود احمد عباسی صاحب کے تلامذہ میں مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی مؤلف اظہار حقیقت کا نام بھی پایا جاتا ہے تو پھر ہم اگر یہ سمجھیں کہ مولانا بھی اس گروہ کے ایک فرد ہیں تو مولانا کو زیادہ چیں بجبیں نہیں ہونا چاہیے'' (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۶۵)۔ اس میں نہ کوئی بد دیانتی ہے نہ جھوٹ۔ مولانا سندیلوی کی تحریر پہلے گزر چکی ہے کہ انہوں نے عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' حرف بہ حرف مطالعہ کرنے کے بعد اس کی تائید میں مقالہ شائع کیا۔ پھر اپنے مکتوب میں بھی عباسی کے نظریہ کی تائید فرمائی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یزید کے بارے میں بھی سندیلوی صاحب عباسی کی تحقیق سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ تو اگر ان حالات وقرائن کی وجہ سے مولانا کو اس پارٹی کا فرد کہہ دیا تو کیا جرم کیا؟ پھر کراچی میں رہ کر کراچی کے خارجی وناصبی مصنفین کے لٹریچر سے اتنی غفلت کیوں برتی گئی۔ مولوی عظیم الدین تو یقیناً عباسی صاحب کی پارٹی کے آدمی ہیں جنہوں نے حیات سیدنا امیر المومنین یزید لکھی ہے۔ انہی کے رسالہ ''حادثہ کربلا'' پر مولانا سندیلوی کی مکمل تصدیق درج ہے مولوی عظیم الدین سے اتنا قریبی تعلق ہونے کے باوجود وہ عباسی پارٹی کے لٹریچر سے جو کراچی سے شائع ہوتا رہا ہے کیوں ناواقف رہے ہیں؟ مولانا سندیلوی تو حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے محدث کبیر اور قریباً بارہ صدیوں کے محققین اہل سنت کے مسلک خطائے اجتہادی کو شیعیت کی مسموم اور مذموم فضا سے متاثر قرار دیں تو امام اہل سنت بن جائیں اور اگر میں یزیدیت کے بارے میں سندیلوی صاحب کو عباسی کے ہمنوا ہونے کی بنا پر اس پارٹی کا ایک فرد قرار دوں تو اس سے مؤلف اصل حقیقت کیوں اتنے بے قرار ہو جاتے ہیں؟

(ب) اسی سلسلے میں مؤلف مذکور طعنہ زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مگر محترم

چکوالی صاحب! آپ کا یہ استدلال اگر درست ہے تو پھر ہمیں بھی آپ کی تقلید میں یہ کہنے کا حق ہے کہ چونکہ پنجاب کی ایک اہم خانقاہ گولڑہ شریف سے شائع کردہ ایک صاحب علم کی کتاب ''مہرمنیر'' میں چکوالی صاحب کے والد کی دھوکہ بازی کا ذکر ہے، بلکہ دھوکہ بازی میں سزا پانے کا ذکر ہے۔ (مہر منیر ص ۲۵۳) اور چکوالی صاحب نے اس کی تردید نہیں کی لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ چکوالی صاحب بھی اپنے والد کو دھوکے باز تسلیم کرتے ہیں (ص ۴۸)

الجواب

گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں ہے اور چکوال ضلع جہلم میں اور پھر مہر منیر کے مؤلف سے میرا کوئی رابطہ نہیں نہ پہلے ان کا نام سنا ہے تو اگر ''مہرمنیر'' کے الزام کا مجھے علم نہ ہو سکا ہو تو کوئی جائے تعجب نہیں مگر شہر کراچی میں ہی عزیز احمد صدیقی اور مولوی عظیم الدین رہتے ہیں اور یہ دونوں محمود احمد عباسی کے کھلے عقیدت منداور متبع ہیں۔ مولوی عظیم الدین نے تو ''حیات یزید'' میں عباسی صاحب کو شیخ الاسلام اور امام اہل سنت بھی لکھا ہے۔ مولوی عظیم الدین کا نام بھی عزیز احمد نے عباسی صاحب کے تلامذہ میں لکھا ہے تو پھر مولانا سندیلوی کا اس فہرست تلامذہ سے مطلع نہ ہونا بہت مستبعد ہے اور مؤلف ''اصل حقیقت'' تو ضرور عزیز احمد کی تصانیف سے واقف ہوں گے پھر انہوں نے کیوں اپنے امام اہل سنت کو اس کی اطلاع نہ دی؟

(ج) مؤلف مذکور نے یہاں پھر حضرت والد مولانا محمد کرم الدین پر دھوکہ بازی میں سزا پانے کا بہتان دہرایا ہے۔ جس کا جواب کتاب ہذا میں دے چکا ہوں کہ وہ سزا کسی دھوکہ بازی کی بنا پر نہیں بلکہ ازالہ حیثیت عرفی کے کیس میں تھی۔ فرمایئے جس کا اوڑھنا بچھونا جھوٹ ہی بن جائے وہ جھوٹ سے کیونکر نجات پا سکتا ہے۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

۲ مولف مذکور بار بار مجھے لعل شاہ صاحب کے معنوی شاگرد کا طعنہ دیتے ہیں

بھلا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مولانا لعل شاہ صاحب مؤلف ''استخلاف یزید'' کے کسی ایسے عقیدہ کے ساتھ میں متفق ہوں جو اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ مولانا لعل شاہ صاحب کے ان نظریات کی تردید تو میں نے ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں کر دی ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۴۲۴ تا ص ۴۳۳) ......

علاوہ ازیں ان کے ایک شاگرد مولوی مہر حسین شاہ صاحب بخاری کی ''کھلی چٹھی'' کے جواب میں میری کتاب: ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' شائع بھی ہو چکی ہے۔ کیا اس کے باوجود بھی اس بہتان تراشی اور کذب بیانی سے باز نہیں آئیں گے؟ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْد۔

ایک سوال

میرے اس سوال کا بھی جواب دیجیے کہ محمود احمد عباسی مولوی عظیم الدین۔ عزیز احمد صدیقی۔ حکیم فیض عالم صدیقی (جہلم) وغیرہ خارجی مصنفین کے باطل نظریات کے رد میں مولانا سندیلوی نے کوئی رسالہ لکھا ہے۔ اگر نہیں تو کیوں؟

مؤلف کا سفید جھوٹ نمبر ۱۶، کیا حضرت علی بھولے بھالے تھے؟

مؤلف مذکور بعنوان: ''چکوالی صاحب کی بد دیانتی نمبر ۳'' لکھتے ہیں:

چکوالی صاحب نے اپنے ایک پمفلٹ میں مولوی عظیم الدین صدیقی فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کو مولانا سندیلوی کا شاگرد بتایا تھا جس کی حضرت امام اہل سنت نے اپنے ''جواب شافی'' میں تردید کی اور چکوالی صاحب کی اس غلط بیانی پر حیرت کا اظہار کیا تو بڑی بچر مچر کے بعد مجبوراً چکوالی صاحب کو اپنے خارجی فتنہ (ص ۶۳) میں مولانا سندیلوی سے معذرت کرنا پڑی مگر اس الزام کی معذرت کرنے کے ساتھ ساتھ وہ حضرت امام اہل سنت پر ایک اور غلط الزام لگا گئے کہ مولانا سندیلوی نے مولوی عظیم الدین کے ایک رسالہ ''حادثہ کربلا'' پر تقریظ لکھی ہے جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر بجائے رضی اللہ عنہ کے رحمۃ اللہ کی نشانی ہے اور جس میں ص ۶ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھولے

بھالے کا لفظ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بھی چکوالی صاحب کا سراسر جھوٹ ہے۔ ہمارے پاس رسالہ ''حادثہ کربلا'' پہلا ایڈیشن موجود ہے جو سولہ صفحات پر مشتمل ہے اس میں ہر جگہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رضؓ کا نشان ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق چکوالی صاحب کی دی گئی عبارت بھی اس کے ص ۶ پر نہیں بلکہ ص ۵ پر ہے۔ مگر اس میں بھولے بھالے کا لفظ نہیں ہے۔ جو صاحب چاہیں اس رسالہ کا پہلا ایڈیشن دیکھ لیں۔ اگر چکوالی صاحب غلط بیانی نہیں کر رہے تو ہوسکتا ہے کہ بعد کے کسی ایڈیشن میں مؤلف یا ناشر نے یہ الفاظ بڑھا دیئے ہوں لیکن اس صورت میں مولانا سندیلوی کو مورد الزام کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر پہلے ایڈیشن پر تبصرہ لکھوا کر کوئی شخص بعد کے ایڈیشنوں میں اپنی کتاب میں حذف واضافہ کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے نہ کہ اس کے پہلے ایڈیشن پر تقریظ لکھنے والے حضرات۔ کیا چکوالی صاحب اتنی سی بات بھی نہیں جانتے چکوالی صاحب کے لیے تو ضروری تھا کہ وہ اپنے سرپرست بزرگ پر بدظنی کرنے کے جائے ان سے تحقیق کر لیتے خصوصاً جیسا کہ ہر جگہ حضرت امام اہل سنت مدظلہ کی تحریروں میں حضرات حسنین کریمین کے لیے رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ (اصل حقیقت ص ۴۹)

الجواب

① میں نے ''دفاع صحابہ'' میں یہ الفاظ لکھے تھے: جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ایک استاذ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی ہیں جو غالباً استاذ ہیں مولوی عظیم الدین صاحب کے الخ (ص ۵۳) میں نے یہ بات بطور تحقیق کے نہیں لکھی تھی اس لیے غالباً کا لفظ لکھا ہے یہ بھی میری احتیاط پر مبنی ہے اور پھر جب مولانا سندیلوی نے ''جوابِ شافی'' مین یہ لکھا کہ میں ۱۹۷۰ء میں پاکستان میں آیا ہوں اس سے پہلے میں لکھنو (بھارت) میں رہا۔ مولوی عظیم الدین صاحب اس سے پہلے ہی مدرسہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک سطر بھی مجھ سے نہیں پڑھی تو میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل مین اس پر معذرت کردی یہ تو میری غلط فہمی تھی مگر کاش کہ مؤلف ''اصل حقیقت''

اپنے جھوٹوں سے بھی توبہ کر لیتے جن کا ارتکاب وہ بڑی بے باکی سے اس کتابچہ میں کر رہے ہیں۔ واللہ الموفق۔

(۲) گو مولانا سندیلوی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو صحابی مانتے ہیں لیکن مولوی عظیم الدین صاحب ان کی صحابیت کے منکر ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

بایں طور یہ دونوں نواسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گود کھلائے تو کہے جا سکتے ہیں صحابی نہیں (حق تحقیق ص ۴۲) مولوی عظیم الدین صاحب کی پوری عبارت خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۱۱۰ پر منقول ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ میرا اعتراض مولوی عظیم الدین صاحب پر تھا۔ انہوں نے تو رضی اللہ عنہ کی بجائے ان حضرات کے نام پر رحمۃ اللہ ہی لکھا تھا۔

(۳) مؤلف اصل حقیقت کا یہ لکھنا صریح جھوٹ ہے کہ مولانا سندیلوی نے جس ایڈیشن پر تقریظ لکھی تھی اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بھولے بھالے کے الفاظ نہ تھے۔'' کیونکہ مولانا سندیلوی نے خود اس کو تسلیم کر لیا ہے چنانچہ حافظ عبدالوحید حنفی (ناظم دفتر تحریک خدام اہل سنت چکوال) نے مولانا کو یہ لکھا کہ ''حادثہ کربلا'' میں مولوی عظیم الدین صاحب نے سبائیوں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ: جن کی بد فطرتی و بد قماشی نے آخرکار جناب سیدنا حضرت علی جیسے بھولے بھالے اور قابل احترام صحابی کو اپنی انتقامی ہوس کا نشانہ بنایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں حضرت علی المرتضیٰ کے لیے بھولے بھالے کے الفاظ میں ان کی تنقیص و توہین پائی جاتی ہے اور آپ نے بھی اس رسالہ کی تصدیق کر دی ہے اور یہ بات حافظ صاحب نے میری طرف سے ان کو لکھی تھی تو مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے ان کو یہ جواب دیا کہ بھولے بھالے کا لفظ توہین آمیز نہیں۔ خصوصاً جب اس کے ساتھ واجب الاحترام کا لفظ بھی ہو۔ آپ کی تحریر کے مطابق حضرت مولانا مظہر حسین صاحب نے احقر کے متعلق یہی لفظ استعمال فرمایا۔ اگر باعث توہین ہوتا تو کیوں استعمال فرماتے۔

(مکتوب یکم رجب ۱۳۹۵ھ ۱۲ر جولائی ۱۹۷۵ء)

فرمایئے مولانا سندیلوی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے بھولے بھالے الفاظ کا

اعتراف کر کے اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ اس میں کوئی توہین نہیں ہے لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' اس بات کا بالکل انکار کرتے ہوئے یہ جواب دے رہے ہیں کہ پہلے ایڈیشن میں یہ الفاظ نہ تھے تو اس امر میں مولانا سندیلوی اور مؤلف ''اصل حقیقت'' میں سے کس کی بات کو سچا مانیں یقیناً مؤلف صاحب جھوٹے ہیں اسے کہتے ہیں مدعی سست اور گواہ چُست۔

(ب) مؤلف صاحب بھولے بھالے کے الفاظ کو توہین سمجھ رہے ہیں اس لیے اس کا انکار کرتے ہیں اور مولانا سندیلوی ان الفاظ کو توہین آمیز نہیں سمجھتے اور دلیل یہ دے رہے ہیں کہ مولوی عظیم الدین صاحب نے اس کے ساتھ واجب الاحترام کے الفاظ لکھے ہیں۔ حالانکہ مولوی عظیم الدین صاحب نے قابل احترام لکھا ہے۔

(ج) مولانا سندیلوی قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کی عظمت کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے یہ جواب دے رہے ہیں کہ بھولے بھالے کے الفاظ میرے لیے توہین آمیز نہیں اس لیے حضرت علی المرتضیٰ کے لیے بھی توہین آمیز نہیں۔ مولانا کو کون سمجھائے کہ آپ تو بھولے بھالے اور سادہ لوح ہو سکتے ہیں اور ہیں بھی۔ مگر جن حضرات کو حق تعالیٰ نے اپنے قرآنی وعدہ کے مطابق خلافت راشدہ کا عظیم منصب عطا فرمایا ہے وہ بھولے بھالے نہیں ہو سکتے۔ قرآن کے موعودہ خلفائے اربعہ میں سے کوئی بھی بھولا بھالا نہیں ہو سکتا۔ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے بھی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بھولا بھالا قرار دے کر ہی ان کی خلافت کو مجروح کیا۔ اور خارجی بھی اسی بھولے پن کا الزام دے کر حضرت علی المرتضیٰ کی شخصیت کو مجروح کرتے ہیں۔ میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۶۱ پر یہ بھی لکھا تھا کہ: کیا سندیلوی صاحب نہیں جانتے کہ آج کل محاورہ میں بھولا بھالا کس کو کہا جاتا ہے؟ بہر حال مؤلف ''اصل حقیقت'' نے مجھ پر بددیانتی کا بہتان لگا کر اپنی بددیانتی اور روایتی کذب بیانی کا ہی پردہ چاک کیا ہے اور وہ بھی اپنے امام اہل سنت مولانا سندیلوی کی تحریر کی بنا پر ہی جن کا وہ دفاع کر رہے ہیں۔ سچ ہے۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

قارئین اندازہ فرمائیں مؤلف ''اصل حقیقت'' نے جس طرح تین فرضی جھوٹ میرے ذمہ لگائے تھے۔ اسی طرح تین عدد فرضی بد دیانتیوں کا الزام بھی مجھ پر عائد کیا ہے جن کا جواب شافی دے کر بندہ نے مؤلف مذکور کی کذب بیانی اور بد دیانتی کا بھی پردہ چاک کر دیا ہے۔ یہ ہیں مولانا سندیلوی کو امام اہل سنت قرار دے کر ان کا دفاع کرنے والے حواری جو مولانا موصوف کی عقیدت کی آڑ میں خارجیت کی ڈفلی بجا رہے ہیں۔

باب دوم کی بحث

مؤلف ''اصل حقیقت'' نے ص ۵۰ پر باب دوم کے عنوان سے میرے اعتراضات کا جواب شروع کر کے صفحہ ۸۰ پر کتاب کو ختم کر دیا ہے۔ یعنی زیر بحث اصل مسائل پر مشتمل تو ان کے یہی ۳۱ صفحات ہیں اور پہلے انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں انہوں نے زنانہ مطاعن سب وتبرا اور ذاتیاتی جارحیت کا ارتکاب کر کے اس کتابچہ کا پیٹ بھرا ہے۔ کاش کہ وہ لغویات سے اجتناب کرتے ہوئے سنجیدگی سے اصل مباحث پر قلم اٹھاتے تو قارئین فریقین کے موقف اور دلائل سے واقف ہو کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچتے البتہ ان کے غیر متعلقہ مباحث سے اتنا فائدہ ضرور ہو گیا کہ ان کے بیسیوں جھوٹ واضح ہو گئے اور ان کی خارجیت نمایاں ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ سبائیت کی دونوں شاخوں (رافضیت وخارجیت) کے مابین جو قدر مشترک ہے وہ سبّ وتبرّا۔ جھوٹ اور بہتان تراشی ہے۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

خطائے اجتہادی کی بحث

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے اظہار حقیقت جلد دوم میں مشاجرات صحابہ (جنگ جمل وصفین) پر مفصل بحث کر کے اپنا موقف یہ پیش کیا ہے کہ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو جنگ ہوئی ہے اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی اجتہادی خطا سرزد نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ

مشاجرات صحابہ میں متقدمین کا مسلک توقف کا ہے اور یہی صحیح ترین مسلک ہے۔ بندہ نے ان کے اس موقف پر تنقید کی اور ثابت کیا کہ توقف کا مسلک ضعیف ترین مسلک ہے اور اہل السنّت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح تھا اور آپ سے جنگ کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوگئی تھی اور میرے اس پیش کردہ موقف کی مکمل تائید ان سنی علمائے کرام نے بھی کی ہے جن کی تقریظیں شروع کتاب میں درج کر دی گئی ہیں۔ مؤلف اصل حقیقت نے بعنوان اعتراض نمبر ا کے تحت عرض حال ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' (ص ۱۳) سے میری یہ عبارت نقل کی ہے کہ مولانا سندیلوی نے اظہار حقیقت جلد دوم میں مشاجرات صحابہ کی بحث میں اپنا جو موقف پیش کیا ہے وہ جمہور اہل السنّت والجماعت کے مشہور و مسلک کے خلاف ہے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی صواب پر سمجھتے ہیں۔ اور اس میں ان کی اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ مسلک اہل السنّت والجماعت یہ ہے کہ گو حضرت معاویہ ایک جلیل القدر مجتہد صحابی ہیں مگر قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع و جنگ کرنے میں ان سے اجتہادی غلطی ہوگئی تھی۔ ہم نے ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں اسی مسئلہ پر (مفصل اور مدلل) بحث کی ہے۔ (اصل حقیقت ص ۵۱)

مندرج عبارت کو نقل کرنے کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں:

اس اعتراض کے جواب میں کتابچہ ''جوابِ شافی'' کے ناشر بعنوان ''خلیفہ راشد سیدنا امیر معاویہ اور قاضی مظہر حسین'' کس قدر صحیح لکھا تھا کہ ایک سنی عالم کا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی تحقیقات میں اس بات کی پوری کوشش کرے کہ ہر صحابی کا دامن دشمنوں کے لگائے الزامات سے صاف ہو اور سب کو محترم سمجھا جائے۔ حضرت امام اہل سنت مدظلہٗ نے اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' میں یہی کوششیں کی ہیں اور عقل و نقل کی روشنی میں اس بات پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ۔ حضرت طلحہ و زبیر۔ حضرت امیر معاویہ و عمرو بن العاص کا موقف بھی مبنی برحق تھا اور

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف بھی صحیح تھا۔ حضرت عمار بن یاسر کے قاتل نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے بلکہ ان کے قاتل سبائی تھے۔ شریعت کی رو سے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا تھی نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی۔ لیکن قاضی مظہر صاحب کو باوجود سنی کہلانے کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ صفائی پسند نہ آئی۔ ان کے نزدیک سنی ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار مانا جائے چنانچہ وہ حضرت امام اہل سنت مدظلہ پر تنقید کرتے ہوئے ان کے اس خالص اسلامی نقطہ نظر کو خارجیت کہتے ہیں...... اب کوئی قاضی مظہر صاحب سے پوچھے کہ ایک شخص جو کسی صحابی پر الزام تراشی نہیں کر رہا بلکہ سب کے دامن صاف کر رہا ہے اس سے آپ کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟ کیا تمام صحابہ کرام کے بارے میں کف لسان کرنا خارجیت ہے یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار قرار دینے میں اتنی دلچسپی دکھانا رافضیت ہے'' (جواب شافی ص ۴)

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۱۷

مؤلف کا یہ لکھنا صریح جھوٹ ہے کہ میں نے توقف کے مسلک کو خارجیت کی بنا قرار دیا ہے۔ اگر کہیں میں نے لکھا ہے تو پیش کیجئے۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

الجواب

① اگر ناشر کی تحریر میں مؤلف اصل حقیقت کے نزدیک مولانا سندیلوی کے مسلک کی تائید تھی تو اس پر میری تنقید و جرح کو مؤلف نے کیوں بددیانتی پر محمول کیا ہے؟

② دوسرا سوال یہ ہے کہ ناشر کی مندرجہ عبارت میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے موقف کو مبنی برحق کے الفاظ سے تعبیر کرنا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے موقف کے لیے بجائے حق کے لفظ صحیح لکھنا اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا موقف حق پر مبنی نہ تھا؟

③ میں نے ''خارجی فتنہ اوّل'' میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کے قاتل کے متعلق

تو کوئی بحث نہیں کی۔ نہ اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کا مبنی قرار دیا ہے پھر آپ نے مجھ پر الزام تراشی کے لیے یہاں اس لیے ذکر کیا ہے کہ قارئین اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کا قاتل ہونے کی وجہ سے ان کی خطائے اجتہادی کا قائل ہوں۔ کیا یہ علمی بد دیانتی نہیں ہے؟

④ میری تحریر جو آپ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۱۳ سے پیش کی ہے اس میں اس امر کی تصریح ہے کہ: مسلک اہل السنّت والجماعت یہ ہے کہ گو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں مگر قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع و جنگ کرنے میں ان سے اجتہادی غلطی ہو گئی تھی۔

⑤ اگر آپ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنا الزام تراشی ہے تو پھر اس الزام تراشی کے مرتکب تو آپ کے نزدیک بارہ صدیوں کے جمہور اہل السنّت والجماعت میں حضرات اکابر دیوبند سمیت تمام مفسرین محدثین، متکلمین اور مجددین و صالحین امت ہیں جو جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں اور مولانا سندیلوی خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ (متاخرین کا) یہ مسلک باوجود شہرت و مقبولیت عام درحقیقت بالکل غلط۔ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔" (ملاحظہ ہو۔ خارجی فتنہ حصہ اوّ۔ ص ۳۳۵ بحوالہ مولانا سندیلوی کی اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۱)

مؤلف اصل حقیقت کی یہ بہتان تراشی چکوالی پر نہیں بلکہ ان تمام محققین اہل السنّت والجماعت پر ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خطائے اجتہادی منسوب کرتے ہیں۔ چکوالی نے تو ان کا متفق علیہ مسلک مدلل کر کے پیش کر دیا ہے۔

⑥ خطائے اجتہادی نہ حق کے خلاف ہوتی ہے نہ گناہ۔ بلکہ یہ حق کے دائرہ کے اندر ہی ہوتی ہے چنانچہ میں نے مولانا سندیلوی کے جواب میں اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ فریقین کے حق پر ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ان میں سے کسی سے خطا نہیں ہوئی بالکل غلط ہے کیونکہ حق پر ہونے اور غلطی کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اجتہادی خطا حق کے

دائرہ میں ہی رہتی ہے۔اس کو خلاف حق نہیں کہہ سکتے (خارجی فتنہ اول ص ۳۲۶)

اور جب ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں حق پر تھے۔ اور خطائے اجتہادی حق کے خلاف نہیں ہوتی تو اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں الزام تراشی اور رافضیت قرار دینا خارجیت کا خطرناک ہتھکنڈا نہیں تو اور کیا ہے؟

⑦ مؤلف مذکور کے امام اہل سنت مولانا سندیلوی کے نزدیک بھی خطائے اجتہادی کا قول بے ادبی اور خلاف احترام نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: مگر فی نفسہٖ اس مسلک میں کوئی بات اصولِ اہل سنت کے خلاف نہیں نہ اس سے کوئی شرعی قاعدہ ٹوٹتا ہے اور نہ اس میں بے ادبی کا شائبہ ہے۔ کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں اس لیے جو حضرات یہ مسلک رکھتے ہیں ان پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۵)

لیجئے! مولانا سندیلوی نے ناشر ''جواب شافی'' اور ''مؤلف اصل حقیقت'' کی طرف سے مجھ پر اس بہتان تراشی کی بنیاد ہی گرادی ہے کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا تسلیم کر کے ان پر الزام تراشی کی ہے اور ان کے احترام کے خلاف لکھا ہے۔

⑧ مولانا سندیلوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو خطائے اجتہادی سے مبرا مانتے ہیں لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں چنانچہ اپنے ایک غیر مطبوعہ محررہ ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ خط میں ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اپنے اجتہاد کے لحاظ سے وہ (یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ) حق پر تھے۔ اگرچہ واقع کے لحاظ سے ان کی غلطی تھی'' (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۲۳۶)

ایک حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے سندیلوی صاحب لکھتے ہیں۔

''یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اولیٰ یہ تھا کہ دوبارہ انتخاب پر راضی ہوجاتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور ان سے بیعت کا مطالبہ کرنے کے بجائے ان کی اعانت حاصل کر کے قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سرکوبی

کرتے۔انہوں نے اس اولیٰ صورت کو ترک فرمایا یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اولیٰ یہ تھا کہ جدید انتخاب کے مطالبہ کو ترک اور قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے مطالبہ کو ملتوی کر دیتے۔اس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اعانت کر کے ان سبائی منافقوں کا استیصال کرتے انہوں نے اس اولیٰ صورت کو ترک فرمایا یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۳ ۴۵۴)

مولانا سندیلوی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تینوں کی طرف واضح طور پر اجتہادی غلطی کی نسبت کی ہے۔اگر یہ امر بقول مؤلف مذکور الزام تراشی اور مخالفت پر مبنی ہے تو ان کے امام اہل سنت مولانا سندیلوی صاحب ان تینوں صحابہ کرام پر الزام تراشی کے مرتکب ہوئے ہیں بلکہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی معاف نہیں کیا اور جس بات کی بنا پر مؤلف مذکور چکوالی پر بار بار تبرّابازی کی مشق کر رہے ہیں اسی بنا پر ان کے امام اہل سنت بھی اس کی زد میں آسکتے ہیں۔مولانا سندیلوی کی مذکورہ عبارت پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۸۱۔

مولانا سندیلوی کا مسلک

مؤلف ''اصل حقیقت'' مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے مسلک کی وضاحت کے لیے ان کی حسبِ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں کہ:

جماعتِ صحابہ کی اتباع ہم اہل السنّت والجماعت کی خصوصیتِ امتیازی ہے۔اس لیے سب سے پہلے حضرات صحابہ کے مسلک کی جانب دیکھنا چاہیے۔جمل وصفین وغیرہ مشاجرات پیش آنے کے وقت صحابہ کرام تین جماعتوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساتھی تھی جو انہیں حق پر سمجھتی تھی اور ان کے مخالفین کو غلطی پر۔دوسری جماعت اصحاب جمل (وصفین) اور ان کے مؤیدین کی تھی جو انہیں حق پر سمجھتی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غلطی پر۔تیسری جماعت غیر جانبدار تھی اور صحابہ کرام کی اکثریت اسی جماعت میں تھی۔اوّل الذکر دونوں جماعتیں (چونکہ) فریق کی حیثیت رکھتی ہیں

اوران میں سے ہر فریق کی رائے دوسرے فریق کی رائے سے متصادم ہے اس لیے کسی کو ترجیح نہ دی جائے گی اور دونوں سے قطع نظر کر کے غیر جانبدار حضرات کی رائے پر نظر کی جائے گی اور اسی کی پیروی کرنا صحیح راستہ ہے۔ ان (غیر جانبدار) حضرات کا مسلک بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب الفصل فی الملل والا هواء والنحل ج ۴ میں ص ۱۵۳ پر زیرِ عنوان: الکلام فی حرب علی ومن حاربه من الصحابة تحریر فرماتے ہیں۔ وذهب سعد بن ابی وقاص وعبداللّٰه بن عمر وجمهور الصحابة الی الوقوف فی علی واهل الجمل واهل الصفین وبه یقول جمهور اهل السنة وابوبکر بن کیسان (حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کا مسلک حضرت علی رضی اللہ عنہ واہل جمل واہل صفین کے بارے میں توقف تھا۔ جمہور اہل سنت اور ابوبکر بن کیسان کا بھی یہی مسلک ہے) اس نقل کے علاوہ غیر جانبدار صحابہ کی غیر جانبداری خود اس بات کی برہان جلی ہے کہ ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہی تھا۔ الفصل کی مندرجہ بالا عبارت بتا رہی ہے کہ صحابہ کرام کے بعد جمہور اہل سنت نے بھی یہی مسلک اختیار کیا۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۰/ ۴۴۱)

اللہ اکبر ایک زمانہ تھا کہ صحابہ کرام کی اکثریت اور متقدمین اہل سنت کی اکثریت کا یہ مسلک اتنا معلوم ومشہور تھا کہ اس مسلک کے مخالفین کو بھی سب سے پہلے اسی کا ذکر کرنا پڑتا تھا کہ علامہ ابن حزم کو جمہور متاخرین کی طرح اس مسلک کے مخالف ہونے کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑا کہ جمہور صحابہ وجمہور متقدمین ان کے ہم خیال نہیں اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت امام اہل سنت کی طرح کوئی محقق جمہور متاخرین کے مسلک کے بجائے جمہور صحابہ وجمہور متقدمین کا یہ محتاط نقطہ نظر پیش کرتا ہے تو وہ کیا جرم کرتا ہے؟ کیا جمہور صحابہ وجمہور متقدمین نعوذ باللہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہیں جو ان کا محتاط مسلک قبول کرنا جرم ہو؟ جیسا کہ چکوالی فرقے کے گلابی شیعہ باور کرانا چاہتے ہیں؟

(اصل حقیقت ص ۵۳/ ۵۴)

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۱۸

مؤلف مذکور نے درمیان سے مولانا سندیلوی کی حسبِ ذیل عبارت حذف کردی ہے۔

① ان کا (یعنی غیر جانبدار صحابہ کا) مسلک اس مسئلہ میں توقف ہی تھا فریقین میں کسی کو وہ غلطی پر نہیں سمجھتے تھے۔ عام طور پر یہ حضرات اسے قتال فتنہ کے نام سے موسوم کرتے تھے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ فریقین کے بارے میں صواب وخطا کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۱)

مؤلف صاحب کا مندرجہ عبارت حذف کر دینا ان کی علمی خیانت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس عبارت کے پیش نظر قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ غیر جانبدار صحابہ کرام اس بارے میں کسی فیصلہ تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے ان پر یہ مسئلہ مشتبہ ہو گیا تھا کہ کس فریق کا موقف صحیح ہے اور کس کا غلط؟ تو جب وہ حضرات کسی نتیجہ پر پہنچ ہی نہیں سکے تھے تو ان کے اس موقف کی پیروی کیونکر ہم پر لازم آسکتی ہے۔ ان کی پیروی تو اس صورت میں لازم آتی جبکہ وہ کسی امر کا فیصلہ کرتے۔

امام نووی

② ان غیر جانبدار حضرات صحابہ کے موقف کے متعلق امام نووی فرماتے ہیں:

وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضية وتحيّروا فيها ولم يظهر لهم ترجيح احد الطرفين فاعتزل الفريقين وكان هذا الاعتزال هو الواجب فى حقهم لانه لا يحل الاقدام على قتال مسلم حتى يظهر انه مستحق لذلك (نووی شرح مسلم جلد ثانی۔ کتاب فضائل الصحابہ ص ۲۷۳)

ترجمہ: اور تیسری قسم ان صحابہ کی تھی کہ ان پر قضیہ (معاملہ) مشتبہ ہو گیا اور اس میں وہ حیران رہ گئے اور دونوں میں سے کسی طرف ترجیح دینا ان پر کھل نہ سکا۔ اس لیے انہوں نے فریقین سے علیحدگی اختیار کی اور ان کی یہ علیحدگی (کنارہ کشی) ان کے حق

میں واجب تھی۔ کیونکہ جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ جنگ کرنے کا مستحق ہے کسی مسلمان کے خلاف لڑنے کا اقدام کرنا حلال نہیں ہے۔ الخ

نووی کی پوری عبارت بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۵۲ پر درج کردی ہے۔

اس کے علاوہ امام نووی رحمہ اللہ نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کا مذہب ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: وکان علی رضی اللّٰہ عنہ ھو الحق المصیب فی تلک الحروب ھذا مذھب اھل السنۃ''

(نووی جلد ثانی ص ۳۹۰ کتاب الفتن)

اور ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق وصواب پر تھے۔ یہی اہل السنّت کا مذہب ہے۔) اس سے ثابت ہوا کہ متاخرین ومتقدمین سب اہل السنّت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور توقف کرنے والے حضرات تو خود تردد اور تذبذب میں تھے۔ مسلک تو وہ اختیار کیا جاتا ہے جس پر کلی اطمینان ہو اور کسی قسم کا تذبذب باقی نہ رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ بھی صحابہ کرام کے تین گرہوں میں سے مشاجرات صحابہ کے بارے میں تیسرے گروہ کے متعلق لکھتے ہیں:

طائفہ دیگر متوقف بودند وہیچ جانب را بدلیل ترجیح ندادہ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی طبع قدیم مکتوب نمبر ۳۶ ص ۵۳)

ترجمہ: اکابر اہل سنت کے نزدیک (اللہ تعالیٰ ان کی کوششیں قبول فرمائیں) باہمی جھگڑوں اور لڑائیوں میں صحابہ کرام کے تین گروہ ہوئے ہیں۔ ایک گروہ نے اپنی دلیل واجتہاد کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق پر ہونا معلوم کرلیا۔ دوسرے گروہ نے اپنی دلیل واجتہاد کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھنے والوں کا حق پر ہونا معلوم کرلیا۔ اور تیسرے گروہ نے اس میں توقف اختیار کیا اور دلیل کی بنا پر کسی ایک جانب کو ترجیح نہ دے سکے۔ پس پہلے گروہ کے لیے اپنے اجتہاد کی بنا پر حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی

نصرت واجب ہوگئی اور دوسرے گروہ پر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مخالف جانب نصرت واجب ہوئی کیونکہ ان کے اجتہاد کا یہی تقاضا تھا۔ اور تیسرے گروہ پر توقف لازم ہوا کیونکہ وہ اپنے اجتہاد اور دلیل کی بنا پر کسی کو ترجیح نہ دے سکے۔ پس صحابہ کرام کے ہر سہ گروہ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر عمل کیا۔ اس لیے کسی کو ملامت کرنے کی گنجائش نہیں اور نہ کسی پر طعن کرنا مناسب ہے''

اس کے بعد حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں:

لیکن جمہور اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد برانند کہ حقیقت در جانب امیر بودہ ومخالف اوراہ خطارا پیمودہ لیکن ایں خطا چوں خطائے اجہادی است از ملامت وطعن دور است (ایضاً ص ۵۴)

ترجمہ: لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہوئی ہے یہ مسلک رکھتے ہیں کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تھا اور آپ کے مخالف راہ خطا پر چلے ہیں۔ لیکن ان کا اختلاف چونکہ اجتہاد پر مبنی ہے اس لیے خطا کی وجہ سے ان پر طعن وملامت نہیں کی جاسکتی۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارتیں بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۵۱/۵۵۲ پر نقل کر دی ہیں۔ امام ربانی مجدد الف رحمہ اللہ ثانی نے بھی واضح طور پر یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے موقف کو حق وصواب پر مبنی قرار دیا ہے اور فریق ثانی کے موقف کو (باوجود حق کے) خطائے اجتہادی پر محمول کیا ہے اور اسی کو جمہور اہل سنت کا مذہب قرار دیا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بانی دارالعلوم کراچی فرماتے ہیں: خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع

ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حق پر تھے اور ان کا مقابلہ کرنے والے خطاء پر اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب خطا پر۔ البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق پنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطاء ہو گئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے۔ ایک اجر اُن کو بھی ملتا ہے''۔ بحوالہ مقام صحابہ ص ۸۹

(ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۶۰۹)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس مسئلہ اجتہادی خطا کو امت کا اجماعی مسلک قرار دے رہے ہیں جن میں متقدمین ومتاخرین سب شامل ہیں۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ

مولانا سندیلوی نے اپنے مسلک توقف کی تائید میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ متوفی ۴۵۶ھ کی جو زیر بحث عبارت درج کی ہے وہ بھی ان کے لیے مفید نہیں۔ کیونکہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی اصحابِ توقف کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ: اما من وقف فلا حجة له اكثر من انه لم يتبين له الحق فلا سبيل الى مناظرة باكثر من ان نبين له وجه الحق حتى يراه (الفصل فى الملل والاهواء والنحل ج۴، ص ۱۵۳) اور جس نے اس میں توقف کیا ہے تو اس سے زیادہ اس کے لیے حجت نہیں ہے کہ اس پر حق واضح نہیں ہوا۔ اور جس کے لیے حق ظاہر نہیں ہوا تو اس کے ساتھ مناظرہ کرنے کی اس سے زیادہ اور کوئی صورت نہیں ہے کہ ہم اس کے لیے حق کی دلیل واضح کر دیں حتیٰ کہ وہ خود اس کو جان لے۔'' علامہ ابن حزم۔ امام نووی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ محققین اہل سنت نے ان غیر جانبدار صحابہ کرام کے توقف کا جو مطلب بیان کیا ہے وہی خود مولانا سندیلوی ان الفاظ میں بیان کر رہے ہیں کہ: (غیر جانبدار صحابہ کا مسلک) اس بارہ میں توقف ہی تھا۔ وہ فریقین کے بارے میں

صواب وخطا کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا''

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۰/۴۴۱)

(۲) غیر جانبدار صحابہ کرام اس بارے میں معذور تھے اور انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کسی فریق کی حمایت نہیں کی۔ لیکن اس کے بعد جب دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح تھا اور فریق ثانی سے اس اجتہاد میں خطا ہو گئی تھی تو پھر جمہور اہل سنت نے یہی مسلک اختیار کر لیا۔ مثلاً مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:

① ہماری حیثیت اور صحابہ کرام کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرنا ان (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) کے لیے عقیدے کی حیثیت نہیں رکھتا تھا جبکہ ہمارے لیے اس کی حیثیت عقیدے کی ہے (اظہار حقیقت ج ۲، ص ۴۲۵)

ایک سوال

یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ جب حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ماننا صحابہ کرام کے لیے عقیدہ کی حیثیت نہیں رکھتا تھا تو پھر آپ نے صحابہ کرام کے خلاف اس کو عقیدے کی حیثیت کیوں دے دی ہے۔ آپ پر تو صحابہ کرام کی پیروی لازم تھی؟

② سندیلوی صاحب لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد حضرات خلفائے ثلٰثہ افضل امت سمجھنا بعد کی بات ہے۔ دورِ صحابہ میں یہ خیال عام نہ تھا۔ جمہور صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک تو ترتیب فضیلت حسبِ خلافت سمجھتے تھے۔ ان کے بعد کسی کو افضل امت نہیں سمجھتے تھے۔'' (اظہار حقیقت جلد ثانی ص ۴۲۱)

لیکن بعد میں تو اہل السنّت والجماعت کا یہ متفق علیہ عقیدہ ہو گیا کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ افضل امت ہیں۔ اور آپ کا بھی غالباً یہی عقیدہ ہو گا تو یہاں بھی ہمارا سوال ہے کہ آپ نے دور صحابہ کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ کیوں تسلیم کر لیا؟

③ مولانا موصوف فرماتے ہیں: جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا تعلق ہے

دورِ صحابہ کے بعد کوئی سُنی ان کے انتخاب کو غلط نہیں کہہ سکتا۔ ہر سُنی کے نزدیک آں محترم خلیفہ ہونے کے اہل تھے لیکن ان کے دور کے صحابہ کرام کو یقیناً اس کا حق تھا کہ وہ انہیں منصبِ خلافت کے لیے مناسب نہ سمجھیں اور ان کی خلافت سے اختلاف کریں۔

(ایضاً ج ۲، ص ۴۱۰)

یہاں بھی یہی سوال ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور ان حضرات کو یہ حق تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے منصب کے مناسب نہ سمجھیں تو پھر ان حضرات صحابہ کے موقف کے خلاف آپ کو یہ حق کیونکر حاصل ہوگیا کہ آپ جمہور اہل سنت کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو صحیح سمجھتے ہیں اور نہ صرف منصب خلافت کا اہل سمجھتے ہیں بلکہ ان کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کی روشنی میں چوتھا موعودہ خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ''جواب شافی'' ص ۱۰ پر تصریح کر دی ہے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف وآیت تمکین کا مصداق ہے۔'' کیا مذکورہ تینوں امور کا اقرار کرکے آپ نے غیر جانبدار صحابہ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے موقف کی مخالفت نہیں کی؟ آپ پر تو لازم تھا کہ دورِ صحابہ کے موقف کی پیروی کرتے اور سرمو ان سے انحراف نہ کرتے اور اگر آپ کو ان حضرات صحابہ کے موقف کے خلاف کتاب وسنت سے کوئی ایسی دلیل میسر آ گئی ہے جس کی بنا پر آپ نے ایک نیا موقف جمہور اہل السنّت والجماعت کے مطابق اختیار کرلیا ہے۔ تو پھر کیا آپ اُمت کے دوسرے محققین کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ کتاب وسنت کی دلیل سے جو بعد میں ان پر ظاہر ہوئی ہے غیر جانبدار صحابہ کے مسلک توقف کو چھوڑ کر فریقین کو برحق مانتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو صحیح اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو خطا پر مبنی قرار دیں۔

حضرت علی کے مصیب ہونے کی دلیل

مشاجرات صحابہ کی بحث میں بندہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مصیب ہونے پر

(یعنی آپ کا اجتہاد صحیح تھا اور فریق ثانی سے اجتہاد میں خطا ہوگئی) مفصل اور مدلّل بحث کی ہے۔ قارئین حضرات ''خارجی فتنہ حصۂ اوّل میں اس بحث کا مطالعہ فرمالیں اور اس مسئلے میں سب سے اہم اور واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی خلفائے ثلثہ کی طرح قرآن کی آیتِ استخلاف اور آیت تمکین کا قطعی مصداق تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بلا نام جن حضرات صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا تھا وہ یہی چار اصحاب تھے یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند آیت استخلاف کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اس سے ثابت ہوا کہ تسلطِ اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالۂ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہی چار یار کے لیے تھا۔'' (ہدیۃ الشیعۃ ص ۵۶)

اور خود مولانا سندیلوی بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہے۔''

(جواب شافی ص ۱۰)

اہم سوال

تو اب سوال یہ ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ اللہ کے (بلا تصریح نام) وعدے کے مطابق خلیفہ بنے ہیں تو پھر ایسے خلیفہ راشد سے جنگ کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ ہر اہل عقل و دیانت شخص یہی کہے گا کہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد سے جنگ کرنا ناجائز ہے لیکن مولانا سندیلوی اس وعدۂ قرآنی کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والے بھی ٹھیک تھے اس میں ان کی کوئی غلطی نہیں۔

فرمایئے! پھر قرآن کے خلیفہ راشد کی عملاً کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ پھر تو روافض بھی یہی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کے منکرین کی بھی کوئی غلطی نہیں اور حضرت صدیق اکبر سے جنگ کرنے والے

منکرین زکوٰۃ اور مرتدین نے بھی کوئی غلطی نہیں کی۔ کیا اس توجیہ سے انکارِ خلافتِ خلفائے ثلٰثہ کا دروازہ نہیں کھل جائے گا؟ پھر تو ابن سبا کے حامی بلوائیوں کا بھی کوئی قصور نہیں جنہوں نے قرآن کے تیسرے موعودہ خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ کیا مولانا سندیلوی حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے جنگ وقتال کرنے کا جواز پیدا کر کے اعدائے خلفائے ثلٰثہ کا جواب دے سکیں گے؟

حلِّ اشکال (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معذور تھے)

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی قرآنی خلافت راشدہ کے تحفظ کے سلسلہ میں بندہ نے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ: حضرت علی کا موعود خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دورِ صحابہ میں یہ نصوص صحابہ کرام کے پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت وحدیث میں خلفائے اربعہ کے نام نہیں تھے۔ اس وقت صحابہ کرام نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کر لیا اور وہ اس میں معذور تھے۔ بحیثیت شرف صحابیت کے ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا۔ اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیصِ شان کیونکہ اجتہادی خطا پر بھی از روئے حدیث بخاری ایک گونہ ثواب ملتا ہے تو کارِ ثواب پر ملامت کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟ (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۳۴)

(ب) اسی بنا پر میں نے دوسرے مقام پر لکھا تھا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات صحابہ ان حالات میں معذور تھے اور یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اصل اختلاف حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے اور نہ لینے پر مبنی تھا۔ چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ اور دوسرے محققین نے یہی فرمایا ہے جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ کی عبارت (احیاء العلوم سے) کتاب ہذا ص ۳۱۶ نقل کی جا چکی ہے۔ لیکن اب سندیلوی صاحب حضرت علی المرتضٰی کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تسلیم کرنے کے بعد معذور نہیں ہیں۔ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر آیت

استخلاف کی نص قرآنی کے تقاضے کو مجروح کر رہے ہیں (ص ۵۸۴)

خلاصۂ بحث

مشاجرات صحابہ کے بارے میں مولانا سندیلوی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تین موقف بیان کئے ہیں: (۱) توقف کرنے والے (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی (۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی...... اسی سلسلے میں انہوں نے اہل السنت والجماعت کے مختلف مسالک کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ: ''راقم السطور کے نزدیک ان مسالک میں قوی ترین مسلک پہلا یعنی مسلکِ توقف ہے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۷۵)

اور توقف کا مطلب وہ خود لکھ چکے ہیں کہ ''وہ فریقین کے بارے میں صواب وخطا کا کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔'' (ایضاً ص ۴۴۱)

فرمایئے! جب غیر جانبدار حضرات صحابہ خود کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکے اور وہ تردد اور شبہ میں پڑ گئے کہ دوسرے صحابہ کرام میں سے (جن کے مابین جنگ واقع ہوئی تھی) کس کا موقف صحیح تھا اور کس کا غلط۔ تو کیا کسی مشکوک موقف کو اختیار کرنا قوی ترین مسلک ہوسکتا ہے۔ مسلک تو یقین کی پیروی میں اختیار کیا جا سکتا ہے نہ کہ شک کی اتباع میں۔ باقی رہے صحابہ کرام کے دونوں گروہ تو بے شک ان کا اپنا اپنا اجتہادی مسلک تھا جس کی انہوں نے پیروی کی۔ اب اہل السنت والجماعت کے لیے دو ہی راستے ہیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجتہد مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد مخطی مانیں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد مصیب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجتہد مخطی مانیں۔ لیکن اس دوسری صورت میں معاملہ برعکس ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ اپنے دور میں افضل امت ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ بیعت رضوان کی وجہ سے وہ قطعی طور پر جنتی بن چکے ہیں اور وعدۂ خداوندی کے تحت وہ منصبِ خلافت راشدہ پر فائز ہوئے ہیں۔ اور گو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں لیکن ان کو مذکورہ فضائل حاصل نہیں نہ ہی وہ آیتِ استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق ہیں کیونکہ آپ مہاجرین اوّلین میں سے نہیں ہیں۔

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنے سے کوئی تنقیص اور بے ادبی لازم نہیں آتی بلکہ اس پر بھی آپ کو ایک ثواب ہی ملے گا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس جنگ میں مجتہد مخطی (اجتہادی خطا کرنے والا) قرار دیا جائے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ اس قدر قطعی فضائل خصوصی سے متصف اور قرآن کے وعدہ کے تحت چوتھے خلیفہ راشد کے منصب خلافت کی کوئی ادنیٰ حیثیت بھی نہیں کہ ان کے ساتھ جنگ وقتال کرنیوالوں کا موقف بالکل صحیح تھا اور آپ کی طرف سے منصب خلافت راشدہ کے تحفظ کرنے میں غلطی ہوگئی تھی۔ اسی بنا پر جمہور اہل السنّت والجماعت نے دور صحابہ کے بعد اس مسلک پر اجماع کرلیا ہے گو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بوجہ مجتہد ہونے کے دونوں حق پر تھے مگر اس جنگ وقتال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا غلط۔ لیکن اس اجتہادی خطا کی نسبت کرنے پر تو مولانا سندیلوی اور ان کی پارٹی اس قدر مشتعل ہوتی ہے گویا کہ ان کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معصوم تھے۔

سندیلوی صاحب نہ توقف کے قائل ہیں نہ تصویب کے

مولانا سندیلوی بظاہر توقف کے مسلک کو قوی ترین مسلک قرار دیتے ہیں لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ توقف میں تو کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا معاملات میں اشتباہ کی وجہ سے۔ مگر مولانا موصوف واضح طور پر اپنا فیصلہ لکھ رہے ہیں کہ:

یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اولیٰ یہ تھا کہ دوبارہ انتخاب پر راضی ہو جاتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور ان سے بیعت کا مطالبہ کرنے کے بجائے ان کی اعانت حاصل کرکے قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سرکوبی کرتے۔ انہوں نے اس اولیٰ صورت کو ترک فرمایا۔ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اولیٰ یہ تھا کہ جدید انتخاب کے مطالبہ کو ترک اور قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے مطالبہ کو ملتوی کر دیتے۔ اس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اعانت کرکے ان سبائی منافقوں کا استیصال کرتے۔ انہوں نے اس اولیٰ

صورت کو ترک فرمایا یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۳/۴۵۴)

فرمایئے! یہ ہے مولانا سندیلوی کے مسلک توقف کا ان کے ہاتھوں سے حشر۔ نہ حضرت علی کو چھوڑا اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔ دونوں کو اجتہادی خطا کرنے والا قرار دے دیا۔ بقول مؤلف اصل حقیقت، ان دونوں حضرات کو خطا کار قرار دے دیا۔ ع

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

کوئی سندیلوی صاحب سے پوچھے کہ پھر اتنی لمبی چوڑی بحث آپ نے کیوں کی؟ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جمہور اہل سنت نے اگر اجتہادی خطا کی نسبت کر دی تو ان پر غیظ و غضب کے اتنے تیر کیوں برسائے مؤلف اصل حقیقت مولانا سندیلوی پر بھی تبرا کی زبان کھولیں۔ میں تو ان کے نزدیک صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کا قائل ہونے کی وجہ سے مجرم تھا اور اس کو آپ نے بغض معاویہ رضی اللہ عنہ قرار دیا۔ اب اپنے امام اہل سنت پر کیا فتویٰ دیں گے جو حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کو اجتہادی خطا کا مرتکب قرار دے رہے ہیں۔ ع

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر سندیلوی تنقید میں مؤلف کا جھوٹ نمبر ۱۹

مؤلف اصل حقیقت اور ناشر پمفلٹ ''جواب شافی'' کا یہ دعویٰ بھی جھوٹ پر مبنی ہے کہ مولانا سندیلوی نے تمام صحابہ کا دامن صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اس سے ان کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس طرح صاف کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے قتال میں ان سے کوئی اجتہادی خطا بھی سرزد نہیں ہوتی تو پھر ہم اعلان کرتے ہیں کہ سندیلوی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دامن خلافت صاف نہیں کیا بلکہ ان پر حسب ذیل تنقیدات کر کے ان کی موعودہ خلافت راشدہ کو مجروح کیا ہے:

① جنگ جمل کے متعلق لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ فریقین جنگ نہ چاہتے تھے اس لیے جنگ رک گئی اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فتح سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے۔''

(اظہار حقیقت جلد دوم ص......)

② حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد خلفائے ثلثہ افضل امت سمجھنا بعد کی بات ہے۔

(ایضاً ص ۴۲۱)

③ اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو افضل سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ احق بالخلافۃ بھی سمجھا جائے۔ (ص ۴۲۱)

④ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کیوں منظور نہ فرمائی حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔ (ص ۴۲۲)

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرات اصحاب جمل وحضرات اصحاب صفین سے جنگ کرنے کے بجائے اگر ان سب کو اپنے گرد جمع کرنے کی کوشش کرتے تو قلیل مدت میں سازشی گروہ اور مفسد ٹولی کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ ان کی خلافت بھی مستحکم ہو جاتی اور خانہ جنگی بھی نہ ہوتی مگر یہ حقیقت نا قابل انکار اور بالکل روشن ہے کہ آں محترم نے اس کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ایسا طرز عمل اختیار فرمایا جو ان حضرات کو آں محترم سے دور کرنے والا تھا (ایضاً ص ۴۳۸/ ۴۳۹)

تبصرہ

سندیلوی صاحب یہاں حضرت علی المرتضیٰ پر صریح زیادتی کر رہے ہیں۔ اگر سندیلوی صاحب دل سے حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا صحیح مصداق اور چوتھا موعودہ خلیفہ راشد مانتے ہیں تو پھر سبائی قوت توڑنے کا کیا یہ طریق صحیح نہ تھا کہ پہلے دوسرے حضرات حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت خلافت کر لیتے اور پھر متحدہ قوت سے سبائیت کا استیصال کرتے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے اسی بنا پر سب حضرات کو اپنی خلافت کی بیعت کرنے کی دعوت دی تھی لیکن مولانا سندیلوی اپنی ذہنی اپچ کی بنا پر اس کے برعکس راگ الاپ رہے ہیں۔

⑥ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے میں عجلت فرمانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شرعی

نہیں تیاسی غلطی تھی۔ (ص۱۹۳)

⑦ بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کئے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسبِ معاہدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کیونکہ اس فیصلہ کے جواز میں تو کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ (ص۴۰۴)

تبصرہ

اگر مولانا سندیلوی حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد مانتے ہیں تو پھر ان کو معزول کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی بنا پر حکمین کے فیصلہ کو اجتہادی خطا قرار دیا ہے۔

⑧ دانشمندی کا تقاضا یہی نظر آتا ہے کہ انہیں معزول نہ کیا جاتا انہیں معزول کرنا اس وقت نہ ضروری معلوم ہوتا ہے نہ قرین تدبر و مصلحت۔ (ص۱۹۶)

تبصرہ

سندیلوی صاحب کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کیا تو ان کا یہ اقدام تقاضائے دانشمندی اور تدبر و مصلحت کے خلاف تھا۔ العیاذ باللہ۔ یہ ہے سندیلوی صاحب کے نزدیک قرآن کے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی حیثیت حالانکہ یہ وہی حضرت علی المرتضیٰ ہیں جن کو حضرت عمر فاروق اپنے میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والا کہتے تھے اور جن کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اَقْضَا اُمَّتِیْ عَلِیُّ بن ابی طالب (میری امت میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے (حضرت) علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں)

قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ مولانا سندیلوی نے مندرجہ عبارات میں موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کا دامن خلافت راشدہ صاف کیا ہے یا داغدار؟ بندہ نے تو

باتباع جمہور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کا قول اختیار کیا تو مؤلف ''اصل حقیقت'' نے اس کو بغض معاویہ رضی اللہ عنہ قرار دیا۔ لیکن مولانا سندیلوی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اس قدر تنقیدی بمباری کرنے کے باوجود بھی محبِّ حضرت علی اور امام اہل سنت قرار پائے۔

جنوں کا نام خِرد پڑ گیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کی عقل کرشمہ ساز کرے

مولانا سندیلوی کی تنقیدی عبارتوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (خارجی فتنہ حصہ اوّل ۳۹۹ تا ۴۰۶)

مولانا ظفر احمد عثمانی کا موقف

مؤلف اصل حقیقت لکھتے ہیں: خانقاہ بھون کے مفتی اعظم اور شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اپنی بے نظیر کتاب ''اعلاء السنن'' کے مقدمہ ''قواعد فی علوم الحدیث'' میں لکھتے ہیں: فائدہ:۔ الارجاء علی نوعین قال الحافظ فی مقدمۃ الفتح ج۱، ص۴۵۹، وجلد ۲ص ۱۷۹) فالارجاء بمعنی التاخیر وھو عندھم علی قسمین منھم من اراد بہ۔ تاخیر القول فی الحکم فی تصویب احدی الطائفتین اللتین تقاتلوا بعد عثمان۔ وقال فی التھذیب ج۱، ص۹۴۔ التشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضل علی علیٰ عثمان وان علیًا کان مصیبًا فی حرو بہ وان مخالفہ مخطئ مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما۔ وربما اعتقد بعضھم ان علیًا افضل الخلق بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واذان کان معتقد ذلک ورعًا دیّنا صادقًا مجتھد فلا تردّ روایتہ بھذا الاسیّما ان کان غیر داعیۃ واَمّا التشیع فی عرف المتاخرین فھو الرفض المحض (ای السّب والشتم فلا تقبل روایۃ الرافضی الغالی ولا کرامۃً قلت ولا یخفی ان الارجاء بالمعنی الاوّل لیس من الضلالۃ

فی شئ بل ھو واللّٰہ الورع والاحتیاط والسکوت عمّا جَری فی الصحابۃ وشجر بینھم اولی۔ فلیس کل من اطلق علیہ الارجاء منھما فی دینہ وخارجًا عن السنۃ بل لابد من لتفحص عن حالہ فان کان لارجاءہ امر الصحابۃ الذین تقاتلوا فیما بینھم الی اللّٰہ وتوقفہ عن احدی الطائفتین فھو من اھل السنۃ ومن حزب الورعین حتمًا ومن اطلق علیہ ذلک لقولہ بعدم احتراز المعاصی فھو الذی یتھم فی دینہ۔

(ترجمہ) فائدہ: ارجاء کی دو قسمیں ہیں اور شیعیت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مقدمہ فتح الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۴۵۹ و ج ۲ ص ۱۷۹ پر لکھتے ہیں:

کہ ارجاء کے معنی ہیں فیصلہ دینے سے بچنا۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد جن صحابہ کرام کے درمیان مشاجرات ہوئے ان میں سے صرف کسی ایک جماعت کی تصویب کرنے (اور دوسرے کو خطا کار قرار دینے سے بچنا۔ یہ حافظ ابن حجر اپنی دوسری کتاب تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۹۴ پر لکھتے ہیں کہ متقدمین کے نزدیک شیعیت دو چیزوں کا نام تھا ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان پر فضیلت دینا دوم مشاجرات صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برصواب اور دوسری جماعت کو برخطا قرار دینا۔ متقدمین کے نزدیک اس قسم کا نقطہ نظر رکھنے والے لوگ شیعہ تھے چاہے وہ حضرات شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہتر وافضل قرار دیں۔ گو بعض ایسے شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت کے بعد سب سے افضل بھی سمجھتے تھے۔ اگر اس قسم کے شیعہ متورع۔ دیندار سچے اور باصلاحیت ہوں تو ان کی روایت حدیث قبول کرلی جائے گی خصوصاً جبکہ ایسا اپنے مسلک کا داعی نہ ہو۔ یہ تو تھا متقدمین کا مسلک۔ متاخرین کے نزدیک شیعیت نام ہے رافضیت یعنی سب وشتم کا۔ ایسے غالی رافضیوں کی روایت حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔ میں (یعنی مولانا ظفر احمد عثمانی) کہتا ہوں کہ اِرجاء کی پہلی قسم یعنی مشاجرات صحابہ میں کسی ایک کی تائید کرنے کے بجائے سکوت وتوقف گمراہی تو کیا ہوتا خدا کی قسم یہ انتہائی دینداری اور

احتیاط ہے کیونکہ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات ہوئے اس میں فیصلہ دینے سے سکوت کرنا اولی بات ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جس کا مسلک ارجاء بتایا جائے بد دین اور اہل سنت سے خارج نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ ارجاء صحابہ کا قائل ہے یعنی مشاجرات صحابہ میں دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی تائید کرنے سے بچتا ہے تو بلاشبہ وہ اہل سنت کی محتاط ترین جماعت میں سے ہے البتہ اگر وہ ارجاء کی دوسری قسم کا قائل ہے یعنی کہتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد چاہے کتنے ہی گناہ کئے جائیں ان سے ضرر نہیں ہوتا تو ایسا شخص بے دین ہوتا ہے۔ (اصل حقیقت ص ۵۵،۵۶،۵۷)

الجواب

① حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تہذیب التہذیب سے مؤلف اصل حقیقت نے یہاں جو عبارت نقل کی ہے یعنی التشیع فی عرف المتقدمین الخ یہ وہی عبارت ہے جو مولانا سندیلوی کے پمفلٹ ''جواب شافی'' ص ۱۴ پر ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس عبارت کو مولانا سندیلوی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ انہی کے مسلک توقف کی تائید میں یہ عبارت پیش کی گئی ہے۔ اس عبارت کا مفصل جواب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں دیا جا چکا ہے (ملاحظہ ہو از ص ۲۵۴ تا ص ۲۷۵)

② قرون اولیٰ میں تشیع اور شیعیت کوئی مذہبی اصطلاح نہ تھی۔ عموماً لفظ شیعہ لغوی معنی میں استعمال ہوتا تھا یعنی گروہ یا پیروکار۔ اسی لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں کو شیعان علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں کو شیعانِ عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں کو شیعانِ معاویہ کہا جاتا تھا۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پارٹیاں۔ اسی بنا پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ابن سبا یہودی کے فتنہ کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بس لشکر والے جناب امیر کے اس شیطان کے وسواس سے چار فریق ہو گئے۔ ایک فرقہ شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کہ اہل السنت والجماعت کے پیشوا ہیں اور حضرت

امیر رضی اللہ عنہ کے چال چلن پر حقوق اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے پہچانتے تھے۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۲۹۵ بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ مترجم اردو ص ۹) اس لیے اگر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے متقدمین کی اصطلاح میں ان لوگوں کو شیعہ قرار دیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صواب پر مانتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ عقیدہ اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے ان لوگوں کو شیعہ کہا ہے جو حضرت علی کو صواب پر ماننے کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ مؤلف کا ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ قرار دینا کم فہمی ہے یا بددیانتی۔ اور زیر بحث مسئلہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صواب پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا پر ماننے کا ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا کیونکہ ہم جمہور اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہیں۔

③ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ: گو بعض ایسے شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت کے بعد سب سے افضل سمجھتے تھے اگر اس قسم کے شیعہ متورع۔ دیندار۔ سچے اور بلا صلاحیت ہوں تو ان کی روایت حدیث قبول کر لی جائے گی۔

لیکن موجودہ زمانے میں تو کوئی شیعہ دیندار اور متقی نہیں ہوسکتا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق وغیرہ سے افضل مانتا ہو۔ بلکہ ایسے شخص کے اندر تو خلفائے ثلاثہ کا بغض پایا جاتا ہے تو ایسے شخص کی روایت کیونکر قبول کی جاسکتی ہے؟ مؤلف صاحب اس معمہ کو بھی حل فرمائیں۔

④ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ محدث فرماتے ہیں: وذهب جمهور اهل السنة الى تصويب من قاتل مع عليؓ۔ (فتح الباری جلد ۱۳، کتاب الفتن ص ۵۸) اور جمہور اہل السنّت کا مسلک یہ ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر لڑنے والے ہیں وہ صواب پر تھے الخ تو مؤلف مذکور کی فہم وعقیدہ کے تحت تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی شیعہ تھے۔ بلکہ بارہ سو سال کے تمام متاخرین محققین اہل سنت شیعہ تھے (جن کے متعلق مولانا سندیلوی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صواب

پر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا پر مانتے ہیں) حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی وغیرہ اکابر اہل سنت نے اس مسلک کو اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ قرار دیا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل)

تحقیق مولانا عثمانی رحمۃ اللہ

مؤلف صاحب نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی محدث رحمۃ اللہ کی اعلاء السنن سے جو عبارت پیش کی ہے وہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے خلاف ہے کیونکہ مولانا عثمانی کے نزدیک مشاجرات صحابہ کی بحث میں ارجاء کا مطلب یہ ہے کہ: ''ان میں سے کسی ایک کو نہ صواب پر سمجھا جائے اور نہ خطا پر بلکہ توقف اور سکوت کرنا دینداری اور تقوی ہے۔ حالانکہ مولانا سندیلوی موصوف نے مشاجرات صحابہ پر مفصل بحث کی ہے جیسا کہ کتاب ہٰذا ص ...... پر بحوالہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۳ ان کی عبارت نقل کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ: اس جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے۔ (ایضاً ص ۴۵۵) نیز لکھتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح ضرور تھی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے اصح یعنی نسبتاً صحیح تھی۔ (ص ۲۰۲)

علاوہ ازیں فرماتے ہیں: ان حضرات اکابر علمائے اہل سنت کا یہ مسلک تھا کہ ان سب مشاجرات مذکورہ میں فریقین حق پر تھے یعنی حضرات اصحاب صفین بھی حق پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مؤیدین بھی حق پر تھے ان میں سے کسی بھی خطائے اجتہادی کا صدور نہیں ہوا (ایضاً ص ۳۱۶)

اس میں بھی مولانا سندیلوی نے بجائے توقف اور سکوت کے فریقین کو حق وصواب پر قرار دے دیا'' اور یہی مولانا موصوف حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کیوں نہ منظور فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزاد نہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی

کے امکانات برابر ہوتے۔ (ص ۴۲۲)

علاوہ ازیں کتاب ہٰذا کے سابقہ صفحات میں حضرت علی المرتضیٰ پر مولانا سندیلوی کی تنقیدات کی تفصیل درج کر دی گئی ہے دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ کیا سندیلوی صاحب کی ان تنقیدات کو کوئی ذی عقل اور اہل ہوش شخص توقف اور سکوت کہہ سکتا ہے؟

مؤلف اصل حقیقت جواب دیں کہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں کیا ان کے امام اہل سنت مولانا سندیلوی کا مسلک توقف وسکوت ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید وجرح؟ پھر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا مسلک ارجاء پیش کرنے سے آپ کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ جبکہ سندیلوی صاحب بھی اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ بندہ نے مولانا سندیلوی کی ایسی سولہ (۱۶) عبارتیں درج کر دی ہیں جن میں انہوں نے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید وجرح کی ہے (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ۳۹۹ تا ۴۰۶) اور بعض عبارتیں کتاب ہٰذا میں نقل کر دی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا سندیلوی مشاجراتِ صحابہ کی بحث میں ذہنی انتشار میں مبتلا ہیں۔ اور اندھیرے میں ہی ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ ان کی ژولیدہ بیانی ان کی متضاد تحریرات سے ظاہر ہے۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ارجاء کا مطلب

مشاجرات کے مسئلہ میں ارجاء کے قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کو مصیب (صواب پر ماننا) اور حضرت امیر معاویہ کو مخطی (خطا پر ماننا) بے بنیاد اور ناجائز ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی جنگوں (جمل وصفین) کے تذکرہ سے اجتناب کیا جائے بہتر یہی ہے کہ کسی فریق کے صواب وخطا کا حکم نہ لگایا جائے۔ تا کہ کوئی شخص کسی فریق صحابہ سے سوءِ ظن میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور یہ

مطلب حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی حسبِ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ بل هو واللّٰه الورع والاحتياط والسكوت عما جرى فى الصحابة وشجر بينهم اولى۔ (مقدمہ اعلاء السنن ص ۱۴۲)

بلکہ وہ (یعنی ارجاء) بخدا تقویٰ اور احتیاط ہے۔ اور صحابہ کے درمیان جو واقعات اور مشاجرات (یعنی نزاع وقتال) واقع ہوئے ہیں ان میں سکوت اولیٰ (بہتر) ہے۔''

اور ظاہر ہے کہ ترک اولیٰ (یعنی بہتر صورت کو ترک کر دینا) جائز ہوتا ہے نہ کہ ناجائز۔ تو اگر کوئی شخص مشاجراتِ صحابہ میں بحث کر کے فریقین میں سے کسی ایک کے اجتہاد کو صحیح اور دوسرے کے اجتہاد کو غیر صحیح (غلط) قرار دیتا ہے تو اس کو شرعاً ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حسبِ ضرورت مفسرین، محدثین اور متکلمین وغیرہ اکابر علمائے اہل السنت والجماعت نے مشاجرات صحابہ پر بحث کی ہے اور مولانا سندیلوی کے اقرار کے مطابق متاخرین نے اس میں حضرت علی المرتضیٰ کو مصیب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخطی قرار دیا ہے۔ اور اس کے متعلق مولانا سندیلوی موصوف بھی تصریح کر رہے ہیں کہ: کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں اس لیے جو حضرات یہ مسلک رکھتے ہیں ان پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۵)

اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ خود سندیلوی صاحب نے اسی مشاجرات صحابہ کے مسئلہ پر اظہار حقیقت تصنیف فرمائی ہے جس کی دوسری جلد ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں انہوں نے صاف الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی غلطی منسوب کی ہے۔ تو اگر مؤلف خارجی فتنہ نے جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برحق قرار دے کر ان کی اجتہادی خطا کا قول کیا ہے تو پھر اس کے خلاف مؤلف ''اصل حقیقت'' کی طرف سے یہ خارجیانہ واویلا کیسا ہے۔ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۲۰

مؤلف مذکور لکھتے ہیں: جیسا کہ امام حسن محمد بن حنفیہ اور امام اعظم کو بھی مرجی کہا گیا ہے تو وہ اسی ارجاء صحابہ کی وجہ سے کہا گیا (حاشیہ ص ۵٦)

مؤلف صاحب کا یہ لکھنا بھی ہمالیہ سے بڑا ان کا روایتی جھوٹ ہے کیونکہ ارجاء صحابہ کی وجہ سے کسی نے بھی امام اعظم کو مرجی نہیں کہا۔ بلکہ بعض نے غلط فہمی کی وجہ سے آپ کو مرجیہ میں شمار کر دیا جن کا عقیدہ یہ تھا کہ گناہوں کی وجہ سے آخرت میں کسی کو سزا نہ ہوگی۔ جبکہ اس کا ایمان وعقیدہ صحیح ہو۔ اور علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے بھی اسی مسئلہ پر اعلاء السنن میں بحث کی ہے۔

(ب) امام اعظم تو مجتہد کے لیے صواب وخطا کے قائل ہیں جیسا کہ بعد میں یہ بحث آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اصل حقیقت کے مؤلف کو ہدایت فرمائیں کہ وہ خارجیت اور ناصبیت سے تائب ہو کر مسلک اہل السنّت والجماعت کے تابع ہو جائیں۔ آمین

محدث رحمہ اللہ عثمانی بھی اجتہادی خطا کے قائل ہیں

(ا) اگر ورع اور احتیاط اس میں ہے کہ فریقین کے بارے میں توقف اور سکوت کیا جائے تو اس پر تو حضرت مولانا ظفر احمد رحمہ اللہ صاحب عثمانی نے بھی عمل نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اس جنگ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بہ نسبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اولیٰ بالحق قرار دیا ہے۔ چنانچہ خوارج سے قتال کے متعلق ارشاد رسالت کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وفی قوله صلی الله علیه وسلم: یقتلها اولی الطائفتین بالحق "دلیل علیٰ ان کلا من الفرقتین علی الحق واحدهما التی تلی قتل المارقة اولٰهما به وهو علی بن ابی طالب رضی الله عنه واصحابه" (اعلاء السنن جلد ۱۲، حاشیه ص ۶۲۳) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ فرقہ مارقہ (دین سے نکلنے والا یعنی خوارج) کو وہ فریق قتل کرے گا جو ان دونوں میں اولیٰ بالحق ہوگا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر دو فریق

حق پر ہوں گے لیکن جو فریق مارقہ یعنی خوارج کو قتل کرے گا وہ ان دونوں میں حق کے زیادہ قریب ہوگا اور وہ (حضرت) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کے اصحاب۔

(ب) مذکورہ حدیث نبوی کی تشریح کرتے ہوئے محدث عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہم کو یہی کہنا چاہیے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں حق پر تھے مگر حضرت علی حق کے زیادہ قریب تھے جیسا حنفی علماء کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ وامام شافعی رحمہ اللہ علیہما دونوں حق پر ہیں مگر ابوحنیفہ حق کے زیادہ قریب ہیں۔ جملہ ائمہ مجتہدین کے بارے میں ان کے مقلدین کہتے ہیں۔'' (برآءۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص ۶۴)

تمام اہل السنّت والجماعت حدیث نبوی کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰ کو بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اولیٰ بالحق اور اقرب الی الحق قرار دیتے ہیں لیکن ایک مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی ہیں کہ وہ اس کے برعکس اپنا نظریہ یہ پیش کرتے ہیں کہ:۔

واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت معاویہ اقرب الی الحق تھے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۵)

کاش کہ مولانا سندیلوی حدیث نبوی کے مقابلہ میں ایسی جسارت نہ کرتے۔

② مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی بھی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے اس اختلاف ونزاع کو (جس کے نتیجہ میں جنگِ صفین واقع ہوئی ہے) اجتہادی اختلاف قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: **کان قتال اهل الجمل واهل الصفين عن اجتهاد** یعنی اصحاب جمل اور اصحاب صفین کی جنگ اجتہاد کی بنا پر تھی۔'' اس اجتہادی اختلاف کے سلسلہ میں ایک مسلک یہ ہے کہ **کل مجتهد مصیبٌ** یعنی ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ: **المصيب واحد** یعنی اجتہادی اختلاف میں ایک ہی مجتہد صواب پر ہوتا ہے (اسی کی رائے صحیح ہوتی ہے) اور دوسرا خطا پر۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے محدث عثمانی بلوغ الامانی ص ۴۷ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: **ولكن الصواب عند الله عزوجل واحد وقد ادّى القوم ما كلفوا به حين اجتهدوا وقالو باجتهادهم**

ووسعهم الذی فعلوا وان کان احدهما قد اخطأ الذی کان ینبغی ان یقول به الا انه فقد اجتهد قد رجهد ما کلف به لکن الصواب عنداللّٰیه عزوجل فی الاشیاء واحد وهذا کله قوله ابی حنیفة وابی یوسف وقولنا وهذا یدل علی ان ابا حنیفة واصحابه لم یکونوا من المصوبة واخطأ من حکی عنهم ما یوهم ذلک (اعلاء السنن ج۲، ص۲۳۵)

لیکن اللہ عزوجل کے ہاں (اجتہادی اختلاف میں) صواب (صحیح) ایک ہی ہے اور جنہوں نے اجتہاد کیا ہے وہ جس بات کے مکلّف تھے اس کے مطابق انہوں نے مقدور بھراپنی کوشش کی ہے۔ اگر چہ ان دونوں میں سے ایک نے باوجود اپنی پوری کوشش کے صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں خطا کی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں صواب ایک ہی ہے۔'' (بلوغ الامانی ص ۴۷)

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب مصوبۃ میں سے نہ تھے (جو ہر مجتہد کی رائے کو صحیح قرار دیتے ہیں) اور جس نے امام اعظم اور آپ کے اصحاب سے ایسی بات نقل کی ہے جس سے مصوبہ ہونے کا وہم ہوتا ہے۔ اس نے غلطی کی ہے۔

(ب) اسی بحث میں محدث عثمانی بحوالہ تلخیص ج ۷، ص ۴۰۰) لکھتے ہیں: وکیف یقال: ان کل مجتہد مصیب عنداللّٰه فی کلّ مسئلة وقد صحّ عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اذا اجتهد الحاکم [1] فأخطا فله اجرو ان اصاب فله اجران (متفق علیه) نعم کون المجتهد ماجوراً فی الخطأ والصواب جمیعًا یدل علی کونه مقبولا عنداللّٰه موصِلًا لمن تبعه الیٰ الجنة لان المجتهد لابد ان یکون صوابه اکثر من خطاه وللاکثر

---

[1] بندہ نے اس حدیث شریف کے تحت مفصل بحث کی ہے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی کتاب ''ہدیہ سنیہ'' سے بھی ان کی تحقیق پیش کی ہے (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل از ص ۳۲۵ تا ص ۳۳۴)

حکم الکل فافھم واللہ تعالیٰ اعلم (مقدمہ اعلاء السنن ج۲، ص۲۳۶)

اور کیونکر یہ کہا جاتا ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد ہر مسئلہ میں اللہ کے ہاں صحیح ہوتا ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ جب کوئی حاکم اجتہاد کرتا ہے پھر اس میں خطا کرتا ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور اگر اس کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔'' (یہ حدیث متفق علیہ یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں پائی جاتی ہے) ہاں مجتہد کو خطا اور صواب دونوں پر اجر ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے ہاں مقبول ہے اور جو اس کی پیروی کرے اس کو جنت میں پہنچانے والا ہے کیونکہ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اس کا صواب (اصابت رائے) اس کی خطا سے بہت زیادہ ہو۔ اور اکثر کے لیے حکم کُل کا ہوا کرتا ہے''......

محدث عثمانی رحمہ اللہ نے یہاں حدیث نبوی کے تحت **کل مجتھد مصیب** کے مسلک کے بجائے اس مسلک کو اختیار کیا ہے کہ مجتہد کی رائے صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی (**المجتھد یخطی ویصیب**)

فرمائیے! اس تصریح کے بعد کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مشاجرات صحابہ میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو صواب پر سمجھتے تھے؟ اس کے ساتھ امام غزالی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھیں کہ: **ولم یذھب الی تخطئة علیؓ ذو تحصیل اصلاً** (احیاء العلوم جلد اوّل ص۱۰۲)

اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا ہو کہ خطاء پر تھے

(ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص۳۱۹)

مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں جب کسی صاحب علم و فضل نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو غلط نہیں کہا اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ **کل مجتھد یخطی ویصیب** کے قائل ہیں تو اس بنا پر ان کا مسلک بھی جمہور اہل سنت کے مطابق یہی ہے کہ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی کا صدور ہو گیا تھا۔ البتہ اس میں وہ توقف اور سکوت کو بہتر سمجھتے ہیں۔

محدث سہارنپوری بھی چار یاری ہیں

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہٗ (صاحب بذل المجہود شرح ابی داوٗد) کی خدمت میں چند سوالات عرض کیے گئے تھے جن میں سوال اوّل یہ تھا کہ حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق باتیں شیعوں کی جن مقامات کے سینوں میں پہنچتی ہیں ان مقامات کی ہر تقریب ذکر بزرگان دین میں ذکر فضائل خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم ضروری ہے یا نہیں؟ اور بغرض خوشنودی شیعہ جس تقریب ذکر بزرگان دین میں ذکر فضائل خلفاء نہ کیا جائے اس تقریب میں شریک ہونا چاہیے یا نہیں؟ ان کے جواب میں حضرت محدث سہارنپوری نے ارشاد فرمایا کہ حضرات خلفائے ثلٰثہ یعنی صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم کے متعلق یا ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت علی و حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق شیعوں کی باتیں جن مقامات کے سینوں میں پہنچتی ہیں یا پہنچنے کا احتمال ہو۔ ان مقامات پر ہر تقریب ذکر صالحین میں بیان فضائل خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم ضروری اور سخت ضروری ہے۔ بدلائل بسیار۔ (دلیل اوّل) ذکر حالات خلفائے راشدین ایسا ضروری شعار مذہب ہے کہ علمائے کرام نے کسی کتاب میں کسی خطبہ میں کسی وعظ میں ترک نہیں کیا بلکہ علمائے کرام کی سینکڑوں کتابیں اسی باب میں موجود ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ایک مکتوب میں یہ افادہ ہے کہ ذکر جمیل خلفائے راشدین شعار مذہب اہل سنت ہے اس کو خطبہ میں جس نے ترک کیا ہے وعید مَنْ تَشَبَّہ بقوم فھو منھم (یعنی جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہی میں شمار ہوگا۔) بنا براس کے جس تقریب ذکر صالحین میں ذکر جمیل خلفائے راشدین نہ ہوگا اس تقریب کے بانی و ذاکر و قاری و شرکاء جمیعًا بحکم حدیث مَنْ تَشَبَّہَ روافض کے ساتھ محشور ہوں گے۔

نوٹ:...... ذکر خلفائے راشدین کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی کا مذکورہ ارشاد مکتوبات دفتر دوم حصہ ششم مکتوب نمبر ۱۵ میں موجود ہے۔ (فتاویٰ مظاہر العلوم جلد اوّل المعروف فتاویٰ خلیلیہ ص ۳۴۹)

② اسی سلسلۂ استفسارات کے جواب میں حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ذکر مناقب چار یار کبار عبادت ہے۔ اور جن مواقع میں روافض کی مجالس ہوتی ہوں اور ذکر چار کی مزاحمت ہوتی ہو اور فساد عقائد عوام کا اندیشہ ہوتا ہو وہاں ذکر مناقب چار یار شعار سنیت ہوگا لان ما توقف علیه الواجب واجب (جس امر پر واجب موقوف ہو وہ واجب ہوتا ہے) اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور چار یار کبار کی مدح نظماً و نثراً پڑھنا فی حد ذاتہٖ جائز و مستحب ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (ص ۳۶۵)
اس فتویٰ کی تصدیق کرنے والے اکابر علماء میں حسب ذیل اکابر کے بھی دستخط ہیں:
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا۔ محدث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری۔ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہم اللہ اجمعین۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے چار یار کی اصطلاح بھی استعمال فرمائی ہے اور ذکر مناقب چار یار کو عبادت قرار دیا ہے تو حضرت محدث سہارنپوری اور تصدیق کرنے والے تمام اکابر دیوبند چار یاری ہوئے۔ اب مؤلف اصل حقیقت کس راستہ کو اختیار کریں گے؟ علاوہ ازیں حضرت محدث سہارنپوری ائمہ ثلاثہ کے الفاظ حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین کے متعلق استعمال کرتے ہیں اب کیا فتویٰ ہے مؤلف صاحب کا؟

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی بھی چار یاری ہیں

حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ کے مذکورہ جواب نمبر ا کی تصدیق کرنے والوں میں بھی اکابر علمائے دیوبند حضرت شیخ الہند۔ علامہ محمد انور شاہ صاحب محدث۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ۔ حضرت مفتی اعظم عزیز الرحمٰن صاحب۔ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب۔ حضرت میاں اصغر حسین صاحب اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے

دستخط موجود ہیں۔ چونکہ حضرت محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے استفسارات کے جواب میں عموماً حسب ضرورت حضرات خلفائے ثلٰثہ کا تذکرہ کیا ہے اس لیے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب محدث عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی تصدیقی عبارت میں یہ لکھا ہے کہ:

احقر نے اس تحریر کو من اولہٖ الی آخر بغور سنا۔ الحمد للہ جوابات سب صحیح اور واجب الاظہار ہیں۔ واقعی بغیر ذکر خلفائے ثلٰثہ ذکر صالحین اس زمانہ میں تشبہ بالروافض ہونے کی وجہ سے معصیت کبیرہ ہے مگر سنیوں کو ضروری ہے کہ ذکر خلفائے ثلٰثہ کے ساتھ ذکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ضرور کریں تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کی صورت پیدا نہ ہو۔ نیز تشبہ بالخوارج کا اندیشہ نہ ہو۔ فقط احقر ظفر احمد تھانوی مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(ایضاً فتاویٰ خلیلیہ ص ۳۶۱)

فرمایئے! علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی مؤلف اعلاء السنن بھی چار یاری ہو گئے جن کی تحریرات کو مؤلف صاحب مذکور اپنی تائید میں پیش کر رہے ہیں اور پھر محدث عثمانی رحمہ اللہ خارجی فتنہ سے تحفظ کے لیے حضرات خلفائے ثلٰثہ کے مناقب جلیلہ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مناقب کا ذکر بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ اپنی تصدیق میں ارشاد فرماتے ہیں:

احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ نے ان جوابات اور تصحیحات کو دیکھا بالکل حق ہے۔ عزیزم مولوی ظفر احمد سلمہٗ نے جو اضافہ ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنی تصحیح میں مشورہ دیا ہے میرے نزدیک بھی بہت ضروری ہے اور واقعہ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایسا ہوتا بھی ہے۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دے اس ذکر مقدس کے اہتمام کرنے والوں کو اور اس کی مشروعیت کے اظہار میں سعی کرنے والوں کو۔ اور اس کے ساتھ ایک مشورہ احقر بھی عرض کرتا ہے کہ مناسب ہے کہ کوئی مجلس خاص اس ذکر کے لیے منعقد نہ کی جائے ورنہ خدشہ ہے کہ چند روز میں اس مجلس کا حال محفل مولود کا سا نہ ہو جائے۔ اور مواعظ کے ساتھ یہ ذکر بھی ہو جایا کرے۔ **والسلام علی من اتبع الھدیٰ فقط ۲۲/ شوال المکرم ۱۳۳۱ھ۔**

اعلان حق چار یارؓ

صحابہ کرام ﷺ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے زیادہ تھے اور بفضلہ تعالیٰ سب ناجی اور جنتی ہیں لیکن حضرات اکابر نے خصوصیت سے جوذکر مناقب چار یارؓ کو عبادت قرار دیا ہے اور جہاں ان کی مخالفت پائی جاتی ہو وہاں ان کے ذکر فضائل کو واجب قرار دیا ہے (حالانکہ عشرہ مبشرہ کو بہ نشان نام حضور رحمت للعالمین ﷺ نے بہ وحی خداوندی جنتی قرار دیا ہے۔ پھر اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان بھی ہیں) لیکن ان کا ذکر نہیں فرمایا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت یہی چار یارؓ قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین ہیں درجہ بدرجہ ان کو ماننا گویا کہ تمام جماعت صحابہ کرام کو ماننا ہے۔ اوران کا انکار گویا کہ تمام صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کا انکار ہے۔ الحمدللہ پاکستان میں خدام اہل سنت کو حق تعالیٰ نے یہ خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ وہ بطور مشن اور تحریک کے خلافت راشدہ۔ حق چار یارؓ پر محنت کر رہے ہیں۔ اور اس محنت سے اب درودیوار بھی گونج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل السنت والجماعت کے اس مذہبی شعار کا پرچم بلند سے بلند تر کریں۔ آمین۔ اعلانِ ''حق چار یارؓ'' سے وہی لوگ بدکتے ہیں جن کے دل ودماغ میں ان میں سے کسی ایک خلیفہ راشد سے بھی تکدر و بغض پایا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ چنانچہ مؤلف ''اصل حقیقت'' نے کتابچہ کے ٹائیٹل پر ''حق قرآن حق سنت۔ حق اصحاب اور حق خلافت راشدہ'' تو لکھا ہے لیکن ''حق چار یارؓ'' نہیں لکھا۔ آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ فاعتبروا یآولی الابصار۔

مدح صحابہ رضی اللہ عنہم واجب ہے (حضرت مدنی رحمہ اللہ)

۱۹۳۹ء میں لکھنؤ میں اہل السنت والجماعت کی طرف سے مدح صحابہ کی تحریک چلائی گئی تھی (اور روافض نے تبرّا ایجی ٹیشن کا کارنامہ سرانجام دیا تھا) اسی سلسلے میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی دارالعلوم دیوبند سے رضاکاروں کا ایک دستہ لے کر گرفتاری دینے کے لیے تشریف لے گئے تھے (اس موقع

پر خادم اہل سنت دیو بند میں ہی زیر تعلیم تھا) حضرت مدنی رحمہ اللہ کے حصہ لینے کی وجہ سے یو پی گورنمنٹ کچھ جھک گئی اور ضروری شرائط تسلیم کر لی تھیں۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے مرکزی مجلس تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم لکھنو کے سیکرٹری صاحب کے نام ایک مفصل خط لکھا جس میں مدح صحابہ کرام کے واجب ہونے پر دلائل تحریر فرمائے تھے جن کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں۔

حضرت خاتم النبیین سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوستوں اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریفیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بہت سی آیتوں میں ذکر کی گئی ہیں حتیٰ کہ بعض جگہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کی پیدائش سے پہلے پہلی کتابوں میں (توراۃ انجیل میں) ان کی ثنا اور صفت ذکر کی گئی تھی۔

② احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثنا وصفت ان سے محبت رکھنے کی تاکید ان کی شان میں گستاخی کی مذمت۔ ان کی تابعداری کرنے کا حکم۔ ان کا ذکر بالخیر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعات عامہ۔ عیدین۔ حج۔ جمعہ وغیرہ میں لیکچر دیتے ہوئے خطبہ پڑھتے صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ثناء وصفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی ہے (دیکھو درمختار۔ شامی۔ عالمگیری) بلکہ حسب تصریح امامِ ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز۔

(مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۱۵)

اس کو شعار اہل سنت و جماعت بھی قرار دیا گیا ہے فرماتے ہیں۔

③ وجوب مدح صحابہ کی دوسری وجہ کے تحت حضرت مدنی فرماتے ہیں علاوہ ازیں جس جگہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے نہ صرف بدظنی پھیلائی جاتی ہو بلکہ اشھد ان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل بآواز بلند اذان میں کہا جاتا ہو۔ نیز اماباڑوں۔ مجلس خاصہ اور خصوصی مساجد میں ان کی طرف غلط اور جھوٹے اہانت آمیز واقعات منسوب کئے جاتے ہوں اور عوام سنیوں کا سننا اور شریک ہونا اور غلطی میں پڑنا ممکن ہو تو سنیوں کی اصلاح اور تحفظ عقائد کے لیے ایسی مجالس کا منعقد کرنا جن میں صحابہ

کرام کے صحیح واقعات ذکر کیے جاتے ہوں اور ان کی ثناء وصفت کی جاتی ہو واجب ہے۔

④ ہندوستان جیسے ملک میں تبرا قانونی اور اجماعی اور اخلاقی جرم ہے اور مدح صحابہ اخلاقی، ذاتی اور اجماعی فریضہ ہے (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم مکتوب نمبر ۶۱ محررہ ۲۸ / محرم الحرام ۱۳۵۸ھ) اسی مدح صحابہ ایجی ٹیشن میں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے رضا کار احرار جوش وخروش سے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

جن کا ڈنکا بج رہا ہے چار سو لیل ونہار
وہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ چار یار

(ملاحظہ ہو کاروان احرار جلد دوم ص ۴۱۳ مرتبہ جانباز مرزا) اس کا حوالہ ''خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۴۳ پر بھی درج ہے۔

مجتہد کے صواب پر یقین بھی ہوسکتا ہے (محدث عثمانی رحمہ اللہ)

علاوہ ازیں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفی شرح المہذب عن الطحاوی اذا کان فی المسئله نصوص قطعیة المتن قطعیة الدلالة لم یکن مظان للاجتھاد بل الحق فیھا واحد قطعا۔ غایة الامر ان المجتھد المخالف لم یطلع علیھا (او اطلع علیھاہ ولم یرھا متواترة) والتواتر قد یحصل فی حق شخص ولا یحصل فی حق آخر۔ فاذا خالف مجتھد لعدم اطلاعه علی مثل ھٰذه النصوص یکون معذورًا فی مخالفته الی حیث یطلع علی النص۔ ولا یحل العمل بقوله ذٰلك ولا یقلد فیه وینقض الحکم به (۱-۴۶) (مقدمه اعلاء السنن جلد۲، ص ۲۳۵) اور امام طحاوی رحمہ اللہ سے شرح المہذب میں منقول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں ایسی نصوص ہوں جن کی عبارت بھی قطعی ہو اور دلالۃ بھی تو اس میں اجتہاد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ جس مجتہد نے اس سے اختلاف کیا

ہے۔ ان نصوص پر وہ مطلع نہیں ہو سکا (یا مطلع تو ہوا ہے لیکن اس نے ان کو متواتر نہیں سمجھا) اور تواتر کبھی ایک شخص کے حق میں حاصل ہوتا ہے اور دوسرے شخص کے حق میں حاصل نہیں ہوتا۔ پس جب کوئی مجتہد ان نصوص پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے اپنے اجتہاد کی وجہ سے اختلاف کرتا ہے تو جب تک وہ ان نصوص سے مطلع نہ ہو وہ اس اختلاف میں معذور ہو گا لیکن اس کے قول پر عمل کرنا جائز نہ ہو گا۔ اور اس میں اس کی تقلید نہ کی جائے گی۔ اور اس کی وجہ سے اس کا حکم متناقض ہو گا۔''

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا۔ تو یہ ان کے اجتہاد پر مبنی تھا۔ اور وہ اس وقت معذور تھے۔ کیونکہ ان کے پیش نظر آیت استخلاف و آیت تمکین کی نصوص نہ تھیں جن کا مصداق چوتھے نمبر پر حضرت علی المرتضیٰ بنتے ہیں اور نہ دوسری احادیث تھیں جن سے آپ کا خلیفہ حق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن حضرت علی المرتضیٰ کی شہادت اور دیگر واقعات گزرنے کے بعد محققین اہل سنت پر ان نصوص کی روشنی میں یہ بات کھل گئی کہ بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ ہی بنتے ہیں تو جمہور اہل سنت کا اس مسلک پر اتفاق ہو گیا کہ ان مشاجرات اور جنگوں میں حضرت علی المرتضیٰ مصیب تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مخطی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد

چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لیکن جمہور اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد برانند کہ حقیقت در جانب امیر بودہ و مخالف او در راہ خطا پیمودہ لیکن ایں خطا چوں خطائے اجتہادی است از ملامت وطعن دور است واز تشنیع وتحقیر پاک ومبرا۔ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب ۳۶۔ طبع قدیم ص ۵۳/۵۴)

لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حضرت امیرؓ (علی المرتضیٰ) حق پر تھے اور آپ کے مخالف غلط راہ پر چلے۔ لیکن یہ چونکہ

اجتہادی خطا ہے اس لیے ملامت اور طعن سے دور ہے اور تشنیع وتحقیر سے پاک اور مبرا ہے الخ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۰۹)

(ب) نیز حضرت مجدد فرماتے ہیں:

''ناچار ہمہ را دوست می داریم بدوستی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات واز بغض وایذائے ایشاں گریزاں کہ آں بغض وایذاء منجر بآں سرورمی شود لیکن محق رامحق گوئیم ومخطی رامخطی۔ حضرت امیر برحق بودند ومخالفاں ایشاں بر خطا زیادہ بریں فضولیست۔'' (مکتوبات جلد اوّل مکتوب نمبر ۲۶۶)۔ ناچار تمام صحابہ کو ہم دوست رکھتے ہیں بوجہ پیغمبر خدا ﷺ کی دوستی کے اور ان کے بغض وایذاء سے بھاگتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام کا بغض وایذا آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔ لیکن حق والے کو حق پر کہتے ہیں اور خطا کرنے والے کو خطا پر۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ (علی المرتضیٰ) حق (صواب) پر تھے اور آپ کے مخالفین خطا پر۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔'' (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۱۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ قطعاً مصیب ہیں (ابن حزم رحمہ اللہ)

شرعی دلائل کی بنا پر ہی علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فبهذا قطعنا على صواب على رضى الله عنه وصحة امامته وانه صاحب الحق وانه له اجرين اجر الاجتهاد واجر الاصابة وقطعنا ان معاوية رضى الله عنه ومن معه مخطئون مأجورون اجراً واحدًا الخ (الفصل فى الملل والاهوآء والنحل جلد ثالث ص۱۶۱) اور اس وجہ سے ہم قطعی طور پر کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر تھے اور آپ کی امامت (خلافت) صحیح تھی۔ آپ صاحب حق ہیں اور آپ کے لیے دو اجر ہیں۔ ایک اجر اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجر صواب پر پہنچنے کا۔ اور ہم یہ بھی قطعی طور پر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی خطا کرنے والے تھے اور ان کو ایک اجر ملے گا۔''

یہ وہی امام ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) ہیں جن کی عبارت مولانا سندیلوی نے

پیش کی ہے کہ اس بارے میں جمہور صحابہ توقف کے قائل ہیں جس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔
شروع شروع میں خواہ توقف کا مسلک اختیار کیا گیا ہو۔ لیکن بعد میں جب کتاب وسنت کے دلائل سامنے آئے تو ان کی وجہ سے حضرت علی کے مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخطی ہونے پر اجماع ہو گیا۔ اور یہ کہنا غلط ہے کہ تمام متقدمین کا مسلک توقف تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو متأخرین ان حضرات کے مسلک کے خلاف کیوں مسلک اختیار کرتے۔ بلکہ متقدمین حضرات کے اقوال بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخطی ہونے کے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں درج کر دیئے گئے ہیں اور خود امام ابن حزم رحمہ اللہ بھی متقدمین میں سے ہیں۔

مسلک خطائے اجتہادی کفِ لسان کے خلاف نہیں ر

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ

پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے جو مشاجرات صحابہ میں سکوت اور توقف کرنے کو اولیٰ فرمایا ہے اس سے اجتہادی خطا کے قول کی نفی نہیں ہوتی اور جو حضرات اجتہادی خطا کے قائل ہیں وہ بھی کفِ لسان اور سکوت کو اولیٰ اور احوط قرار دیتے ہیں چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام شافعی فرماید و نیز منقول از عمر بن عبدالعزیز است **تلك دماء طهر الله تعالیٰ عنها ایدینا فلنطهر عنها السنتنا** ازیں عبارت مفہوم می شود کہ حقیت یکے و خطائے دیگرے ہم لب نباید کشود و ہمہ را جز بہ نیکی یاد نباید کرد ہم چنیں در حدیث نبوی آمدہ است **اذا ذکر اصحابی فامسکوا** یعنی چوں اصحاب من مذکور گردند واز منازعات ایشاں یاد کردہ شود شما خود را نگاہ دارید و یکے را بر دیگرے اختیار نکنید

(مکتوبات جلد ثانی مکتوب نمبر ۳۶ طبع قدیم ص ۵۳)

امام شافعی فرماتے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے اس لیے ہم پر

لازم ہے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔ اس عبارت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ ایک فریق کے حق پر ہونے اور دوسرے فریق کے خطا پر ہونے کا ذکر بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔ اور سوائے نیکی کے کسی کا کوئی ذکر نہ کرنا چاہیے اور اسی طرح حدیث نبوی میں آیا ہے کہ جب میرے اصحاب کا تذکرہ ہو تو اپنے آپ کو روک لو اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دو۔'' بے شک احتیاط اسی میں ہے لیکن اس کے باوجود اس کے بعد متصلاً ہی حضرت مجدد قدس سرہٗ فرماتے ہیں: لیکن جمہور اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد برانند کہ حقیقت در جانب امیر بودہ ومخالف او در راہِ خطا پیمودہ الخ: لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہوئی ہے یہ مسلک رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق (صواب) پر تھے اور مخالف فریق خطا کی راہ پر چلے ہیں۔

بندہ نے حضرت مجدد صاحب کی مندرجہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ بطور مسئلہ کے حضرت علی المرتضیٰ کو اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق حق وصواب پر کہنا اور آپ سے اختلاف کرنے والوں کو یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو خطا پر سمجھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد اور امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ وغیرہ بزرگوں کے فرمان کے خلاف نہیں ہے نہ ہی اس سے کسی صحابی کی تنقید وتوہین لازم آتی ہے۔'' (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۱۰)

(ب) حدیث نبوی **اذا حکم الحاکم فاجتھد ثم اصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد ثم اخطا فلہ اجرٌ** (بخاری شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)۔ جب کوئی حاکم اپنے حکم میں اجتہاد کرتا ہے اور وہ صواب کو پہنچتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں...... اس حدیث شریف کے تحت بندہ نے لکھا تھا:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مجتہد کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنا گناہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس میں اس مجتہد کی توہین وتنقیص ہے۔ لیکن احتیاط اس میں ہے کہ مشاجرات صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت کرنا پڑے تو طرز بیان

ایسانہ ہو جس سے کسی صحابی کی تنقیص وتوہین لازم آئے۔'' (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۰۲)

فرمایئے! بندہ نے تو خود کتاب مذکور میں لکھ دیا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ مشاجرات صحابہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ اور مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے۔

مشاجرات صحابہ کی بحث کی ضرورت

اپنے اپنے دور میں حسبِ ضرورت مفسرین، محدثین، متکلمین اور مجددین امت وغیرہم مشاجرات صحابہ پر بحث کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وکتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتهادی کما صرّح به الامام الغزالی والقاضی ابوبکر وغیرهما** (مکتوبات امام ربانی جلد اوّل مکتوب ۲۴۹)

اور قوم (اہل سنت) کی کتابیں (حضرت معاویہ کے متعلق) خطائے اجتہادی کے قول سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ اس کی تصریح امام غزالی اور قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ وغیرہ نے کی ہے۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۲۸)

پاکستان میں بانی جماعت اسلامی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں مشاجرات صحابہ پر مفصل بحث کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر قرار دیا ہے العیاذ باللہ۔ اسی طرح مولانا لعل شاہ صاحب بخاری نے بھی اپنی ضخیم کتاب ''استخلاف یزید'' میں یہی موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گو اجتہادی غلطی ہوئی لیکن اس جنگ میں آپ باطل پر تھے (ان کے نظریات پر میں نے ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں ضروری بحث کر دی ہے)۔ مودودی نظریہ کے ردعمل میں محمود احمد صاحب عباسی نے اپنی کتابوں ''حقیقت خلافت وملوکیت'' اور ''خلافت معاویہ ویزید'' وغیرہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں غلو وافراط اور حضرت علی المرتضیٰ کے بارے میں تفریط وتوہین کی روش اختیار کی۔ پھر مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے بھی مشاجرات صحابہ پر مفصل بحث کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''مشاجراتِ صحابہ کی بحث راقم السطور کے لیے بہت تکلیف دہ ہے مگر وجہِ تسکین صرف یہ ہے کہ مسلک اہل سنت روشن کرنے سے بہت سی گمراہیوں کی ظلمتیں دور ہو جائیں گی۔'' (اظہار حقیقت جلد دوم ص۲۲)

لیکن افسوس ہے کہ مسلک اہل سنت کو روشن نہ کر سکے بلکہ اس کی تردید شروع کر دی اور حضرت علی المرتضیٰ کے بارے میں تفریط اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو میں مبتلا ہو گئے۔ بہرحال محقق سندیلوی اس بحث میں نہ مسلک توقف وسکوت پر قائم رہ سکے اور نہ ہی مسلک تصویب اختیار کیا۔ بلکہ اگر ان کے پیش کردہ موقف کو لامسلک کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بندہ نے دورِ حاضر کے مسالک افراط وتفریط کے خلاف قلم اٹھایا اور اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل میں مسلک اہل السنّت والجماعت کو مدلل ومبرہن کر کے قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کے تحفظ کا فریضہ ادا کیا ہے۔ وللہ الحمد۔

مولانا ظفر احمد عثمانی بھی مسلک احتیاط پر قائم نہ رہ سکے (تنقید کا حق)

مولانا ظفر احمد محدث عثمانی رحمۃ اللہ کی طرف سے حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں مودودی صاحب کے غلط نظریات کے رد میں ایک کتابچہ ''برآءۃ عثمان'' محررہ ۱۵؍ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ مجلس خدام صحابہ پاکستان (ملتان) نے شائع کیا تھا۔ جس کے سرپرست مولانا حافظ عطاء المنعم صاحب بخاری ہیں۔ اس کتابچہ میں محدث عثمانی مرحوم نے بطور مقدمہ یہ لکھا ہے۔

(ب) یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی تنقید سے بالا نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس وناکس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر۔ ادنیٰ کو اعلیٰ پر۔ جاہل کو عالم پر غیر مجتہد کو مجتہد پر۔ غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں۔''

(ج) صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق ہے مگر وہاں بھی اوّل سند کو دیکھا جائے گا کہ روایت تنقید کی سند صحیح بھی ہے یا نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جس صحابی پر تنقید کی گئی

ہے اس نے اس کا کچھ جواب دیا ہے یا نہیں؟ اگر جواب دیا ہے تو تنقید کو رد کر دیا جائے گا اور جواب نہیں دیا ہے تو دونوں صحابیوں کے درجات میں نظر کی جائے گی کہ دونوں میں سے اعلیٰ و افضل اور ارجح کونسا ہے اگر ایک دوسرے سے افضل و ارجح ہے تو ان کی تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اگر دنوؤں کا درجہ مساوی ہے تو ہم کو یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہیے کہ دونوں بڑے ہیں وہ جانیں اور ان کا کام ہم کو ان میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔

(د) صحابہ بدریین سب سے افضل ہیں اور ان میں عشرہ مبشرہ بقیہ سے افضل ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شیخین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) دوسروں سے افضل ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔'' (ص۱۲/۱۳)

۴ مودودی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' میں لکھا تھا کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسلسل صوبہ شام پر گورنر رہنے کا خمیازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھگتنا پڑا۔''

اس کے جواب میں محدث رحمہ اللہ عثمانی لکھتے ہیں: (یہ) خیال خام ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ بصرہ میں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر نہ تھے وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کس چیز کا خمیازہ بھگتنا پڑا؟ وہاں جنگ جمل کیوں ہوئی ہے۔ اس جنگ سے پہلے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تردد اور تذبذب ہی میں تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے نہ صراحتاً انکار کرتے تھے نہ اقرار۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) حضرت طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما) کے مقابلہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ معاملہ مشکوک ضرور ہے

---

۱ لیکن مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی جنگ جمل کا نتیجہ اس کے برعکس بیان کرتے ہیں۔ مگر جب جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہ نے ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہوگئی۔ اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔'' (اظہار حقیقت حصہ دوم ص۴۱۲) اور ظاہر ہے کہ بکثرت مہاجرین وانصار کا فیصلہ بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے ہمارے لیے حجت ہے۔

ورنہ ایسے ایسے جلیل القدر صحابہ جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ کر ان کے مقابلہ میں ہرگز نہ آتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مشکل اس لیے پیش آئی کہ انہوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پر عمل نہ کیا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ ان صوبوں کا نظم ونسق سنبھالا جائے جن کے گورنروں نے آپ کی خلافت تسلیم کر لی ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اکیلے کب تک رہیں گے آج نہیں تو کل مجبور ہو کر آپ کی بیعت منظور کر لیں گے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔ (برآۃ عثمان ص ۳۶ طبع اوّل)

(ب) مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی۔ محمد بن ابی بکر اور ان کے بڑے ساتھیوں۔ مالک اُشتر نخعی وغیرہ کی رائے پر عمل کیا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ شاید کثرت رائے کا غلبہ اس کا سبب ہوا ہو۔ اور ان دونوں کی پوزیشن کو ایسا مضبوط کیا کہ اوّل الذکر کو اپنا مشیر خاص (سیکرٹری) بنایا اور دوسرے کو فوج کا کمانڈر انچیف حالانکہ یہ دونوں قتل عثمان سے متہم اور اس فتنہ کبریٰ کے بانی شمار ہوتے تھے۔ اسی چیز نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافت علی کی پوزیشن کو مخدوش بنا دیا۔ اور جنگ جمل نے اس خدشہ کو زیادہ قوی کر دیا۔ جنگ جمل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں اضطراب پیدا کر دیا۔ ان کے بہت سے حامی جو اب تک ان کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے شک میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے جنگ صفین بھی بے نتیجہ رہی۔ پھر جو صوبے ان کے ساتھ تھے آہستہ آہستہ ان کے ہاتھ سے نکل گئے صرف کوفہ میں خلافت قائم رہی اور کوئی صوبہ ان کے قبضہ میں نہ رہا (ص ۳۷)

(ج) قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو خفیہ راستہ سے گھر میں لانے والے محمد بن ابی بکر تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دربار میں ان کی پوزیشن اتنی کیوں بڑھائی کہ ایک موقعہ پر ان کو مصر کا گورنر بھی بنا دیا۔ کیا یہ پوزیشن ہمارے لیے قابل قبول ہو سکتی ہے؟

(ایضاً ص ۳۸)

(د) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے جلد ہی منصب خلافت قبول کرنے پر

تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر ایک مہینے کی اور تاخیر ہو جاتی تو مملکت کے نظم و نسق میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا۔ کیوں کہ ان دو ہزار باغیوں کے سوا عام مسلمان امن پسند تھے اور عُمال عثمان رضی اللہ عنہ ہر مقام پر مضبوطی کے ساتھ انتظام کو سنبھالے ہوئے تھے اور اگر منصب خلافت کے خلاء کو جلدی ہی پورا کرنا ضروری تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت خلافت کو قبول کرتے ہوئے صاف فرما دیتے کہ میں مستقل خلیفہ اس وقت بنوں گا جب سب عمال جمع ہو کر مجھے اس منصب کو قبول کرنے کی دعوت دیں گے۔ اس کے بعد عملا کو بلایا جاتا کہ وہ سب اہل مدینہ کے ساتھ مل کر مسئلہ خلافت کو طے کریں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ وہی ہوا جس کا امام حسن رضی اللہ عنہ کو خطرہ تھا کہ سب سے پہلے بلوائیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ میں سے کچھ نے خوشی سے اور کچھ نے بلوائیوں کے دباؤ سے بیعت لی۔ جب ایسے جلیل القدر اصحاب پر بھی دباؤ ڈالا گیا تو دوسروں کا کیا ذکر؟ پھر یہ بھی نہ ہوا کہ ان بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا۔ خلیفہ وقت کا فرض تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کو گرفتار کر کے شریعت کے مطابق سزا دیتا۔ ان لوگوں کا صرف یہی جرم نہ تھا کہ انہوں نے ایک خون کر دیا تھا۔ ان کا جرم سنگین تھا کہ بلوہ اور بغاوت کر کے حکومت کا تختہ الٹا اور خلیفہ اسلام کو جو سب مسلمانوں کا محترم و معظم نائب رسول تھا قتل کر ڈالا۔ اس صورت میں سب مسلمانوں کو ان کی سزا کے مطالبہ اور احتجاج کا حق تھا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان بلوائیوں کی پوزیشن مضبوط نہ کرتے کہ مالک اُشتر نخعی کو فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا اور محمد بن ابی بکر کو اپنا مشیر خاص یا سیکرٹری بنا لیا (جو فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بانی تھے) اور ان کے دوسرے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں شامل کر لیا گیا۔ کچھ کو فوج میں۔ بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی مسلمانوں سے اپیل کرتے کہ ان بلوائیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ (مجھے کیا کرنا چاہیے) تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے مطالبۂ دم (خون) عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے راست اقدام سوچنے کی نوبت نہ آتی۔'' (ص ۴۵/۴۶)

(ر) اس راست اقدام کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان بلوائیوں کو نیچا دکھانے کی بجائے اونچا کر دیا۔ یہ اسلام کے کس آئین وقانون کے موافق تھا کہ بلوائیوں اور باغیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ (ص ۴۹)

(ز) ان بلوائیوں کا بلوائی ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا۔ ان کی قتل وغارت گری کا منظر بھی ان کے سامنے تھا۔ پھر کسی کے دعویٰ اور مطالبہ کی شرعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ حکومت کا فرض تھا کہ ان سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیتی۔ پھر قاتلین کو قتل کر دیا جاتا اور بقیہ کو ہاتھ پیر کاٹنے یا جیل ہی میں سختی جھیلنے کی سزا دی جاتی (ص ۵۰)

(س) اگر کسی شورہ پشت باغی جماعت کے دبانے سے مرکزی حکومت عاجز ہو جائے تو کیا صوبائی گورنر (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ مرکز مجھے اجازت دے دے تو میں اس کی سرکوبی کے لیے کافی ہوں (ص ۵۱)

(ش) یہ عقدہ اب تک حل نہیں ہوا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان باغیوں کا مفسد اور فتنہ پرداز ہونا معلوم تھا تو پھر ان کو اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیا۔ کیا ہمارے معترض ناقد (یعنی مودودی صاحب) جو درجۂ اجتہاد پر پہنچنا چاہتے ہیں اس گتھی کو سلجھانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟ (ص ۵۲)

تبصرہ

اب مؤلف اصل حقیقت جواب دیں کہ:

(۱) مذکورہ بالا عبارات میں قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر جس طرح تنقید کی گئی ہے۔ کیا حضرت مولانا ظفر احمد صاحب محدث عثمانی کا یہی وہ موقف ہے جو آپ نے ان کے مقدمہ اعلاء السنن سے پیش کیا ہے کہ تقویٰ اور احتیاط یہی ہے کہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں توقف اور سکوت اختیار کی جائے؟

(۲) کیا یہ ان بزرگوں کی تنقید ہے جو اسی ''براءۃ عثمان'' میں یہ لکھ رہے ہیں کہ: غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں۔ (ص ۱۳)

(ب) نیز فرماتے ہیں کہ: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اوّل تو غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کرنے کا حق نہیں۔ ع

خطائے بزرگاں گرفتن خطا است (ص ۲۔)

(ج) صحابی پر صحابی کی تنقید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: دونوں صحابیوں کے درجات میں نظر کی جائے گی کہ دونوں میں سے اعلیٰ و افضل اور ارجح کونسا ہے۔ اگر ایک دوسرے سے افضل و ارجح ہے تو ادنیٰ کی تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ (ص ۱۲)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے پیش کردہ اصولوں کے خلاف ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر مندرجہ تنقیدات کی گئی ہیں کیونکہ محدث عثمانی صحابی نہیں نہ ہی مجتہد ہیں۔ بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقید کو بھی قبول نہ کیا جائے گا۔ جو ان کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ یقیناً بوجہ عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان میں ہونے کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور محدثِ عثمانی بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ:

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا) کہ مجھے بیعت کرنے میں کوئی عذر نہیں خدا کی قسم۔ میں جانتا ہوں کہ علی مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور خلافت کے بھی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں مگر آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمان ظلماً قتل کئے گئے ہیں اور ان کے قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہی بن کر زندہ دندناتے پھر رہے ہیں۔ (ص ۵۹)

تو مندرجہ پیش کردہ اصول پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید کرنا بلکہ ان سے جنگ و قتال تک کرنا کیونکر جائز ہو گیا؟ کیا اس گتھی کو کوئی سلجھا سکتا ہے؟

یقین نہیں آتا کہ مولانا ظفر احمد محدث عثمانی اپنے پیش کردہ اُصول کے خلاف اس طرح کھل کر حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید کریں جس طرح مودودی صاحب نے حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر کی ہے۔ محدث عثمانی حضرات اکابر دیوبند اور جمہور اہل السنّت والجماعت کے مسلک کے خلاف اس طرح آزادروی اختیار نہیں کر سکتے۔ اس قسم کی تنقیدی عبارت الحاقی ہو سکتی ہے اور مولانا عثمانی نے جو ناشر کتاب کو یہ لکھا کہ:

مسودہ کی نقل جو ارسالِ خدمت ہے طالب علم کی لکھی ہوئی ہے اس لیے اس کا مقابلہ شہاب کے پرچوں سے کرلیا جائے تو کاتب کو سہولت ہوگی اور مقابلہ ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ بعض مقامات پر ''شہاب'' میں کچھ عبارت کے حذف ہونے سے مضمون بے ربط ہوگیا ہے۔ اس لیے کتابی شکل میں اس مسودہ سے کتابت کرائی جائے۔آپ حضرات اہل علم ہیں ناقل کی غلطیوں پر خود واقف ہو جائیں گے جہاں جہاں اس میں قطع وبرید ہے وہاں مسودہ کو سامنے رکھا جائے (۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ)۔(براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ ص ۷)

محدث عثمانی کی مندرجہ ہدایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہفت روزہ شہاب میں بھی قطع وبرید کی گئی تھی اور پھر یہ مسودہ بھی بجائے مولانا عثمانی کے کسی طالب العلم کا لکھا ہوا تھا۔اس سے ہمارے شبہ کو تقویت پہنچتی ہے۔ واللہ اعلم

اعلاء السنن اور براءۃ عثمان کے مضمون کا تضاد

برآءۃ عثمان رضی اللہ عنہ میں لکھا گیا ہے کہ:

ان بلوائیوں کا بلوائی ہونا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا۔ان کی قتل وغارت گری کا منظر بھی ان کے سامنے تھا۔ پھر کسی کے دعویٰ اور مطالبہ کی شرعاً کوئی حاجت نہ تھی۔ حکومت کا فرض تھا کہ ان سب کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیتی پھر قاتلین کو قتل کر دیا جاتا اور بقیہ کو ہاتھ پیر کاٹنے یا جیل ہی میں سختی جھیلنے کی سزا دی جاتی۔(ص ۵۰)

لیکن یہی محدث عثمانی رحمہ اللہ اعلاء السنن میں بحوالہ فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۷ لکھتے ہیں: ویدل لذلك ان احداً لم ینقل ان عائشة ومن معها نازعوا علیاً فی الخلاف ولا دعوا الی احد منهم لیولوه الخلافة۔ وانما انکرت هی ومن معها علی منعه وقتل قتلة عثمان وترك الاقتصاص منهم وکان علیؓ ینتظر من اولیآء عثمان ان یتحاکموا الیه فاذا ثبت علی احدٍ بعینه انه ممن قتل عثمان اقتص منه فاختلفوا بحسب ذلك ۔ اور اس

امر کی (کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صلح چاہتی تھیں نہ جنگ) دلیل یہ ہے کہ کسی نے بھی یہ بات نقل نہیں کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے متبعین نے خلافت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نزاع کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے کسی اور کو ان میں سے خلیفہ بنانے کی دعوت دی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے حامیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے اعتراض کیا ہے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اور ان سے قصاص نہیں لیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بات کے منتظر تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اولیاء (وارثوں) میں سے آپ کی طرف مقدمہ لائیں۔ پھر جب معین طور پر ثابت ہو جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فلاں نے قتل کیا ہے تو آپ اس سے قصاص لیں اس بنا پر انہوں نے اختلاف کیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری کی مندرجہ عبارت پیش کر کے محدث عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے موقف پر کوئی تنقید نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ توجیہ صحیح ہے۔ لیکن برآءۃ عثمان رضی اللہ عنہ میں تو سخت تنقید کی گئی ہے۔ لہٰذا اعلاء السنن کی عبارت قابل اعتماد ہوگی۔ علاوہ ازیں اس قتال باہمی کے سلسلہ میں محدث عثمانی رحمہ اللہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو از روئے حدیث نبوی اولی الطائفتین بالحق قرار دے رہے ہیں۔ نیز باغیوں سے قتال کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: **والولی ان لا یبدأ الامام بالقتال مالم یبدء وابہ اذا لم یترتب علیہ مفسدۃ۔ کذلک فعلہ علی رضی اللہ عنہ وھو القدوۃ فی الباب کما سیاتی (اعلاء السنن جلد ۱۲، ص ۲۶۲)** اور بہتر یہ ہے کہ جب تک باغی لوگ جنگ کی ابتدا نہ کریں امام (خلیفہ) وقت جنگ کی ابتدا نہ کرے بشرطیکہ جب جنگ نہ کرنے پر کوئی خرابی نہ لازم آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا ہے (کہ باغیوں سے قتال میں ابتدا نہیں کی) اور آپ اس مسئلہ (باب) میں امت کے لیے مقتداء ہیں۔ جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

فرمائیے! محدث عثمانی رحمہ اللہ جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اولی الطائفتین بالحق قرار دے رہے ہیں اور باغیوں کے احکام کے بارے میں آپ کو قدوہ تسلیم کر رہے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پالیسی پر اس طرح بلا توقف برآءۃ عثمان رضی اللہ عنہ میں مفصل جرح وتنقید کر رہے ہیں جس طرح آج کوئی صدر ایوب۔ یحییٰ اور بھٹو پر کر سکتا ہے۔ اس پر یقین کرنا مشکل ہے۔ واللہ اعلم

اگر بالفرض مولانا عثمانی مرحوم کے قلم سے ہی زیر بحث جملے نکلے ہیں تو جمہور محققین اہل سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل تسلیم نہیں ہوں گے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافت اور آپ کے انتخاب وغیرہ مسائل پر ''خارجی فتنہ'' حصہ اوّل میں مفصل بحث کر دی گئی ہے۔ اہل شوق حضرات وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں جتنا عرض کر دیا ہے مولف ''اصل حقیقت'' کے جواب کے لیے کافی ہے۔ واللہ الہادی۔

یزید اور حجاج فاسق تھے (مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ)

مؤلف ''اصل حقیقت'' باتباع مولانا سندیلوی وغیرہ یزید کو عادل اور صالح مانتے ہیں لیکن محدث عثمانی رحمہ اللہ اس کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ خلیفہ فسق کی وجہ سے معزول ہو جاتا ہے یا نہیں اسی بحث میں آپ نے یہ عنوان قائم کیا ہے:

''تحقیق خروج الامام حسین بن علی رضی اللہ عنہما وامثالہ علی ائمۃ الجور'' (اس بات کی تحقیق کہ امام حسین بن علی وغیرہ نے ائمہ جور (ظالم خلفاء) کے خلاف خروج کیا ہے''

اسی سلسلے میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ اکابر کے خروج کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قلت۔ ویمکن ان یقال۔ ان الولاۃ الذین خرجوا علیھم کانوا فسقۃ من اوّل الامر وقد عرفت ان الولایۃ لا تنعقد لفاسق ابتداءً عند الجمھور فلم یکن خروجھم علی الامام وھو المنھی عنہ بل علی غیر امام الخ (میں کہتا ہوں کہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جن والیان ملک کے خلاف ان اکابر نے خروج کیا تھا وہ ابتداء سے ہی فاسق تھے۔ اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ جمہور کے نزدیک فاسق کی ولایت (حکومت) ابتداء سے ہی منعقد نہیں ہوتی۔ تو ان حضرات کا

خروج کسی امام کے خلاف نہ تھا (کیونکہ شرعاً وہ امام وخلیفہ ہی نہ تھے) اور جو خروج ممنوع ہے وہ امام کے خلاف ہے) ان کا خروج اس کے خلاف تھا جو (حقیقتاً) امام (خلیفہ) ہی نہ تھا۔

(ب) اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں: فاولئك الائمة الذين خرجوا على يزيد والحجاج لعلهم ظنّوا من انفسهم القدرة على خلعها لكثرة من بايعهم على ذلك فقد بايع على يد مسلم بن عقيل للامام حسين بن على عدد كثير من اهل الكوفة تزيد عدتهم على اربعين الفا الخ (اعلاء السنن جلد ۱۲، ص ۶۱۸) پس ان ائمہ (یعنی امام حسین وغیرہ) نے جو یزید اور حجاج کے خلاف خروج کیا ہے یعنی ان کے مقابلے میں نکلے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں وہ ان دونوں (یعنی یزید وحجاج) کو معزول کرنے کی قدرت رکھتے تھے بوجہ ان لوگوں کی کثرت کے جنہوں نے ان کی بیعت کی تھی چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ بن علی کے لیے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر کوفیوں کی ایک کثیر تعداد نے بیعت کی تھی جن کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی۔ محدث عثانی رحمہ اللہ تو صراحتاً یزید اور حجاج کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ اور برآءۃ عثمان رضی اللہ عنہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خروج کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ حضرت امام کو روایتیں ایسی پہنچی تھیں جن سے یزید کا فاسق ہونا لازم آتا تھا اور فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا مستحق عزل ہو جاتا ہے پس امام کا یزید کے خلاف خروج کرنا بالکل صحیح تھا'' (ص ۷۲)

اب کیا فتویٰ لگاتے ہیں مؤلف ''اصل حقیقت'' خانقاہ تھانہ بھون کے مفتی اعظم حضرت مولانا ظفر احمد صاحب محدث عثانی رحمہ اللہ پر جو کھلم کھلا یزید اور حجاج کو فاسق قرار دے رہے ہیں۔ بہر حال مؤلف صاحب مذکور کو محدث عثانی رحمہ اللہ کا سہارا بھی کچھ کام نہ دے سکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

متقدمین کون ہیں؟

مؤلف ''اصل حقیقت'' لکھتے ہیں:

اس عبارت میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متقدمین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ متقدین کی اصطلاح کن کے لیے استعمال کی جاتی ہے اس کے لیے ملاحظہ ہو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی (سابق شیخ الحدیث دار العلوم کورنگی کراچی) کا احسن الفتاویٰ جلد اوّل ص ۴۰۰ بحوالہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ وامام ذہبیؒ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: دوسری صدی کے اختتام تک جن حضرات کی ولادت ہوئی وہ متقدمین میں ہوں گے۔ اور تیسری صدی کے شروع سے متاخرین کا دور شروع ہوگا۔''

اس تحقیق سے چکوالی صاحب کی کم علمی اور جہالت نمایاں ہو جاتی ہے کیونکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ متقدمین کون ہیں اور متاخرین کن کو کہا جاتا ہے۔ وہ تو امام غزالی رحمہ اللہ اور قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کو بھی متقدمین میں شمار کرتے ہیں اور حدیث خیر القرون کا مصداق بھی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو سمجھتے ہیں حالانکہ اس مشہور روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانوں کو خیر القرون کا مصداق قرار دیا ہے۔ (۱) اپنے اور صحابہ کرام کے مبارک عہد کو (۲) پھر تابعین کے اور (۳) تبع تابعین کے زمانہ کو۔ ارشاد ہے:
خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (اصل حقیقت ص ۵۷)

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۲۱

مجھے علم کا دعویٰ نہیں۔ بہ نسبت علم مجھ پر جہل غالب ہے بندہ تو خادم اہل سنت ہے اور یہ حق تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ شیعیت، خارجیت اور مودودیت وغیرہ کے مقابلہ میں بندہ کو تحفظ عظمت صحابہ اور تحفظ عقیدہ خلافت راشدہ (اعلان حق چار یار) کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔

(۲) مؤلف اصل حقیقت نے احسن الفتاویٰ کی عبارت پیش کرنے میں علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ اصل عربی عبارت حسب ذیل ہے۔ والمراد

بالمتقدمین من فقھائناھم الذین ادرکوا الائمۃ الثلاثۃ ومن لم یدرکھم فھو من المتأخرین ھذا ھو الظاھر من اطلاقاتھم فی کثیر من المواضع (الی ان قال) وذکر الذھبی فی مفتح کتاب میزان الاعتدال فی نقد اسمآء الرجال الحد الفاصل بین المتقدمین والمتاخرین ھو رأس ثلٰث مائۃ الخ (مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ ص ۱۵)

بظاہر ادرکوا ائمۃ الثلاثۃ سے احد الائمۃ الثلاثۃ مراد ہے۔ اس صورت میں ذہبی رحمہ اللہ کے قول سے مطابقت ہو جائے گی۔ کیونکہ صاحبین کی وفات دوسری صدی کے آخر میں ہوئی ہے پس اس دوسری صدی کے اختتام تک جن حضرات کی ولادت ہوئی ہو وہ متقدمین ہوں گے اور تیسری صدی کے شروع سے متاخرین کا دور شروع ہوگا۔ (۶ / ربیع الآخر ۱۳۸۷ھ) مذکورہ عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے ''اور متقدمین سے مراد ہمارے فقہاء میں سے وہ ہیں جنہوں نے ائمہ ثلثہ (یعنی امام اعظم ابوحنیفہ۔ امام محمد۔ امام ابو یوسف) کو پایا ہے اور جنہوں نے ان ائمہ کو نہیں پایا وہ متاخرین میں سے ہوں گے۔ اور بہت مقامات پر ان کے اطلاق و استعمال کرنے میں یہی اصطلاح ظاہر ہوتی ہے اور آخر میں انہوں نے فرمایا ہے) کہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''میزان الاعتدال فی نقد اسماء الرجال'' کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ متقدمین و متاخرین کے درمیان حد فاصل تیسری صدی کی ابتدا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہاں علامہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کی مراد فقہائے حنفیہ کے متقدمین و متاخرین ہیں۔ جس پر ان کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ من فقھائنا یعنی ہمارے فقہائے (حنفیہ) میں سے اور ائمہ ثلاثہ سے مراد بھی امام اعظم وغیرہ ائمہ حنفیہ ہیں۔ مؤلف ''اصل حقیقت'' سے ہمارا سوال ہے کہ کیا امام غزالی رحمہ اللہ اور قاضی ابوبکر بن العربی فقہائے حنفیہ میں سے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

③ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا سن وفات ۱۵۰ھ ہے۔ امام مالک کا ۱۷۹ھ۔ امام شافعی کا ۲۰۴ھ۔ امام احمد بن حنبل کا ۲۴۱ھ۔ ان ائمہ کی وفات کی بنا پر تو فقہائے شافعیہ کے

متقدمین ۲۰۴ھ کے بعد کے شمار ہوں گے۔اور امام احمد بن حنبل کے ۲۴۱ھ کے بعد کے۔

④ محدثین میں امام بخاری کی تاریخ وفات ۲۵۶ھ۔امام مسلم کی ۲۶۱ھ۔امام ابو داؤد کی ۲۷۵ھ۔امام ترمذی کی ۲۷۹ھ۔امام نسائی کی ۳۰۳ھ ہے۔کیا یہ ائمہ حدیث متقدمین میں شمار نہیں ہوں گے حتیٰ کہ حضرت مولانا عبداللہ سندھی رحمہ اللہ نے تو یہ لکھا ہے کہ: متاخرین محدثین نے جن کی ابتدا ابن السبکی (حافظ تاج الدین عبدالوہاب (متوفی ۷۷۱ھ) سے ہوئی ہے(امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف ص ۴۳)

مولانا سندھی رحمہ اللہ نے تو ساتویں صدی ہجری تک متقدمین کا دور بتایا ہے اور امام غزالی رحمہ اللہ متوفی ۵۰۵ اور قاضی ابو بکر بن العربی متوفی ۵۴۳ھ تو ان سے بہت پہلے کے ہیں کیا وہ متقدمین میں شمار نہیں ہوں گے؟

⑤ حدیث خیر القرون قرنی میں قرن کے معنی میں مختلف اقوال ہیں۔اور ان میں جو قول راجح ہے وہ یہ ہے کہ اس سے صحابہ کرام۔تابعین اور تبع تابعین کا دور ہے جو ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔چنانچہ حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ فرماتے ہیں:

طبقات رجال کی کتابوں میں ان کی تصریح ملتی ہے کہ تبع تابعین کا دور ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔''

یہ تینوں دور خیریت کے اعتبار سے ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ متقدمین کا دور ۲۲۰ھ تک ہے ورنہ امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ اجتہاد متقدمین میں سے خارج ہو جائیں گے۔

⑥ امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کی ولادت ۲۶۰ھ میں اور وفات (چند سال اوپر) ۳۰۳ھ ہے۔آپ تو متکلمین اشاعرہ کے امام ہیں۔کیا آپ بھی طبقہ متکلمین میں متاخرین میں شمار ہوں گے؟

⑦ امام غزالی رحمہ اللہ کے ترجمہ (حالات زندگی) میں لکھا ہے کہ: وقد جمع الاستاذ عبدالکریم العثمان بعض ما جاء فی کتب المتقدمین عنه فی

کتاب سماّہ "سیرۃ الغزالی" (حاشیہ وفیات الاعیان جلد۴ ص۲۱۶)۔"

اور استاذ عبدالکریم عثمان نے متقدمین کی کتابوں سے امام غزالی رحمہ اللہ کے بعض حالات اپنی کتاب میں جمع کیے ہیں۔ جس کا نام سیرۃ الغزالی رحمہ اللہ رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام غزالی رحمہ اللہ کے بعد کے مصنفین بھی متقدمین میں شمار ہوتے ہیں۔

⑧ علامہ شبلی نعمانی مورخین کے متعلق لکھتے ہیں یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدماء کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے۔

(الفاروق حصہ اوّل)

قرآن کے سابقون الاوّلون کون ہیں؟

⑨ اصل یہ ہے کہ تقدم و تاخر اضافی امور میں سے ہیں۔ ہر پہلا شخص متقدم ہے اور بعد میں آنے والا متاخر۔ اسی اعتبار سے ہر طبقہ میں متقدمین و متاخرین پائے جاتے ہیں قرآن حکیم میں صحابہ کرام کے بھی دو طبقوں کا سابقون اور آخرون کے الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ توبہ کی آیت ۱۰۰ میں ہے وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ (ایمان لانے میں) ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا (کہ ان کا ایمان قبول فرمایا جس پر ان کو جزا ملے گی) اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے (کہ اطاعت اختیار کی جس کی جزاء سے یہ رضا اور زیادہ ہوگی۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس جملہ میں اکثر حضرات مفسرین نے حرف مِنْ کو تبعیض کے لیے قرار دے کر مہاجرین و انصار صحابہ کرام کے دو طبقے قائم کئے ہیں ایک سابقین اوّلین کا۔

دوسرا دوسرے درجے کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پھر اس میں اقوال مختلف

ہیں بعض حضرات نے صحابہ کرام میں سے سابقین اوّلین ان کو قرار دیا ہے جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ سابقین اوّلین وہ صحابہ ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ اور شعبی نے فرمایا کہ جو صحابہ حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ سابقین اوّلین ہیں اور ہر قول کے مطابق باقی صحابہ کرام مہاجر ہوں یا انصار سابقین اوّلین کے بعد دوسرے درجے میں ہیں (مظہر۔ قرطبی) اور تفسیری مظہری میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ حرف مِنْ کو اس آیت میں تبعیض کے لیے نہ لیا جائے بلکہ بیان کے معنی میں ہو تو مفہوم اس جملے کا یہ ہوگا کہ تمام صحابہ کرام بہ نسبت باقی امت کے سابقین اوّلین ہیں اور من المهاجرين والانصار اس کا بیان ہے۔ (تفسیر معارف القرآن جلد چہارم ص ۴۴۹)

بہر حال جب قرآن مجید کے سابقین ومتقدمین صحابہ کرام کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ تو بعد کی امت کے متقدمین ومتاخرین میں طبقات کے لحاظ سے حد فاصل کیونکر قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ تفصیل تو قارئین کی معلومات کے لیے عرض کر دی گئی ہے ورنہ مؤلف اصل حقیقت کا فریب اور جھوٹ تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے احسن الفتاویٰ کی عربی عبارت اور اس کا ترجمہ پیش نہیں کیا جس میں تصریح تھی کہ یہاں فقہائے حنفیہ کے متقدمین ومتاخرین مراد ہیں۔ علاوہ ازیں یہ عرض ہے کہ اگر مؤلف اصل حقیقت کے نزدیک ۲۰۰ھ کے بعد سب متاخرین ہیں۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ مشاجرات صحابہ کے مسئلہ میں قریباً بارہ سو سال کے اہل حق متاخرین نے ایک بے اصل اور بے بنیاد مسلک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی اجتہادی خطا کا اختیار کیا ہے تو پھر ان بارہ صدیوں کے محققین کے دیگر عقائد و مسائل پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

مولانا سندیلوی کے متقدمین

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی فئة باغية کی بحث میں لکھتے ہیں:

"درحقیقت نہ یہ کوئی نیا انکشاف ہے۔ نہ مخصوص طور پر میری تحقیق بلکہ اکابر

علمائے متقدمین کی ایک جماعت نے اس حقیقت کا ادراک کرلیا تھا اور انہوں نے اس کا اظہار بھی فرمایا۔ دیکھئے علامہ بدرالدین رحمہ اللہ عینی علامہ ابن بطال ❶ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ (اظہارِ حقیقت جلد دوم ص ۲۵۶)

② پھر لکھتے ہیں: علامہ ابن بطال کی شخصیت علم وفضل وتقویٰ کے اعتبار سے ممتاز اور تعارف سے بے نیاز ہے وہ بھی اس رائے میں متفرد نہیں ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ مہلب اور ایک جماعت کی بھی یہی رائے ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔ الخ (ص ۲۵۷)

حاشیہ میں علامہ مہلب کے متعلق لکھتے ہیں: المهلب بن احمد بن اسید الاسدی ابن ابی صفرہ سن وفات ۴۳۵ھ (معجم المؤلفین ج ۱۳، ص ۳۱۔۳۲) لیجئے۔ مولانا سندیلوی نے ۴۳۵ھ اور ۴۴۹ھ میں وفات یافتہ علماء کو بھی متقدمین میں شمار کردیا۔ جس سے مؤلف صاحب مذکور کے جھوٹ کی قلعی کھل گئی۔ کاش کہ مؤلف صاحب مجھ پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے امام اہل سنت سندیلوی صاحب سے ہی متقدمین ومتاخرین کی تعریف پوچھ لیتے تو یوں رسوائی نہ ہوتی۔ لیکن ان کی قسمت میں جو لکھا تھا وہی ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ وابن قیم رحمہ اللہ بھی متقدمین میں ہیں

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جلد نمبر ۶۰ شمارہ نمبر ۵ فروری ۱۹۸۱ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ جناب مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے۔

''چودہویں صدی ہجری کے دو عظیم فتنے اور ان کا تعاقب''

اس میں فتنہ قادیانیت اور فتنہ شیعیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری نے ختم نبوت پر براہ راست حملہ آور فتنہ قادیانیت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوکر قادیانیت کی شہ رگ کو کاٹ دیا۔

---

❶ ابوالحسن علی بن خلف بن بطال القرطبی شارح بخاری۔ سن وفات ۴۴۹ھ (شذرات الذہب جلد ۳ ص ۲۸۳)

دوسری شخصیت امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی نوراللہ مرقدہ کی ہے جن کو مشیت ایزدی نے پہلی صدی ہجری سے لے کر چودہویں ۱۴۰۰ صدی تک کتمان مذہب کی آڑ میں اسلام کے محاذی فرقہ رافضیہ کی سرکوبی کے لیے منتخب کیا تھا۔

فتنہ رافضیت کے سلسلہ میں ہی مولانا موصوف لکھتے ہیں:

عالم اسلام کے باخبر علماء نے اسلام کے خلاف دیگر اندرونی و بیرونی فتنوں کی طرح اس فتنہ کا بھی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ چنانچہ متقدمین میں محی الدین خطیب رحمہ اللہ علامہ ابن قیم اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ردِشیعیت میں بے بہا کتابیں ارقام فرمائیں۔

فرمایئے! علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی وفات ۷۲۸ھ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی وفات ۷۵۱ھ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ساڑھے سات سو سال ہجری تک کے علماء بھی متقدمین میں شمار ہوتے ہیں تو امام غزالی رحمہ اللہ متوفی ۵۰۵ھ اور قاضی ابوبکر العربی متوفی ۵۴۳ھ کیوں نہ متقدمین میں شمار ہوں گے؟ اب تو مؤلف صاحب کو قلبی توبہ کر کے علمائے حق کے مسلک کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ ورنہ اپنے مکذوبات اور بہتانات کا انجام دیکھ لیں۔

تحریر علامہ خالد محمود صاحب مؤلف کا جھوٹ نمبر ۲۲

مؤلف اصل حقیقت لکھتے ہیں: ائمہ اربعہ کے خاتم اور متقدمین کے ترجمان حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک بتاتے ہوئے قائد اتحاد علامہ خالد محمود اپنے مضمون آداب الحدیث میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ جب صحابہ کرام کسی مسئلہ میں خود مختلف ہوں تو ان میں غور کرنا کہ کس کی بات درست ہے کیا جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ تم جس کی چاہو پیروی کر لو لیکن ان میں سے کسی کے موقف پر رائے زنی نہ کرو۔ اذا اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسئلۃ ھل یجوز فیہ ان ننظر فی اقوالھم من الصواب منھم فنتبعہ۔ فقال لی

لا یجوز النظر بین اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت کیف الوجہ فی ذلك؟ قال تقلد ایھم احببت (جامع بیان العلم و فضلہ از حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ جلد دوم ص ۱۰۲ (ترجمہ۔ صحابہ کرام کا جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو کیا جائز ہے کہ ہم ان کے اقوال کا جائزہ لیں کہ راستی کس کے پاس ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں تو آپ نے فرمایا۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ کا جائزہ لینا جائز نہیں۔ میں نے کہا پھر کیا کریں؟ آپ نے فرمایا۔ ان میں سے جن کی بات پسند ہو اس کی تقلید کریں۔)

حضرت امام احمد بن حنبل امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام کی روایات سے تمسک کرنے میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۲، ص ۸۳)

ہر دو امام صحابہ کے فیصلوں کو اپنے لیے حجت اور سند سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کی بات پر امت کو رائے زنی کی اجازت نہیں۔'' (ماہنامہ الرشید ص ۱۸ جامعہ رشیدیہ ساہیوال اپریل ۱۹۸۲ء)۔ قائد اتحاد علمائے دیوبند علامہ خالد محمود کی یہ بصیرت افروز تحریر جو داعی اتحاد علمائے دیوبند فاضل رشیدی کے موقر رسالہ میں شائع ہوئی ہے بالکل واضح ہے۔ اس میں نہ صرف سکوت و توقف والے مسلک کی تائید ہے (جسے بیان کرنے پر چکوالی صاحب حضرت امام اہل سنت سے ناراض ہیں۔ اور حضرت کو خارجی قرار دینے کی بھی جسارت کرتے ہیں) بلکہ علامہ خالد محمود کی اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مستند مسلک بھی یہی ہے۔ چکوالی صاحب اس بصیرت افروز تحریر کو پڑھیں اور اپنے قلبی مرض کا علاج کریں۔ اگر سندیلوی صاحب اور مولانا نور الحسن بخاری صاحب کی بات ماننے سے انہیں چڑ ہے تو کم از کم علامہ خالد محمود صاحب ہی کی تحقیق تسلیم کر لیں۔ اگرچہ ہمیں ان سے قبول حق کی امید نظر نہیں آتی۔ (اصل حقیقت ص ۶۱ تا ص ۶۳)

الجواب

① علامہ خالد محمود صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کی جو عبارت یہاں نقل کی گئی ہے اس کا تعلق فقہی مسائل میں صحابہ کرام کے اختلاف سے ہے نہ کہ مشاجرات صحابہ سے۔
اور اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں: قال تقلد ایھم احببت (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ تو صحابہ میں سے جس کی چاہے تقلید کر لے۔"

② اگر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے ارشاد کا تعلق مشاجرات صحابہ سے ہے تو مولانا سندیلوی بھی اس کے خلاف ہیں کیونکہ انہوں نے اظہار حقیقت کے سینکڑوں صفحات میں رائے زنی کی ہے۔ اور حضرت علی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کے متعلق تصریح کی ہے کہ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی چنانچہ گذشتہ صفحات میں ان کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔ جن میں حضرت علی المرتضیٰ پر واضح تنقیدات ہیں۔

③ علامہ صاحب موصوف نے یہ حوالہ امام ابن عبدالبر کی کتاب ''جامع بیان العلم'' سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ مولانا سندیلوی ان سے سخت بدظنی رکھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:
جو شخص عقل وفہم سے کام لے کر اور کتاب وسنت کے نور سے آنکھوں کو روشن کر کے اس کتاب (یعنی استیعاب) کو دیکھے گا وہ خواہ حافظ ابن عبدالبر کی قوت حافظہ اور ان کی وسعت نظر کے متعلق کیسی ہی اچھی رائے کیوں نہ قائم کرے مگر ان کی فہم دین اور ان کے تفقہ کے متعلق تو ہرگز کوئی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ نہ انہیں نقل روایت کے بارے میں قابل اعتماد سمجھ سکتا ہے۔ (اظہار حقیقت جلد اول ص ۱۱۴)

④ مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے متعلق مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:
اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ بھی فضائل ومناقب میں روایت کی صحت وعدم صحت کا لحاظ نہ رکھتے تھے بلکہ ضعیف روایتیں بھی قبول کر لیتے تھے۔" (ایضاً ۱۲۲)

⑤ مودودی صاحب نے اپنی کتاب تفہیمات جلد دوم میں یہ لکھا تھا کہ:

''بسا اوقات صحابہ رضوان اللہ علیہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ابو ہریرہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے فرمانے لگے ابو ہریرہ جھوٹے ہیں۔ الخ......ان روایات کا جواب دیتے ہوئے شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض مودودیان کرام نے اس عبارت (تفہیمات) کا امام ابن عبدالبر کی کتاب العلم کا حوالہ ذکر کیا ہے۔ مگر کتاب العلم میں ان امور کی کوئی سند نہیں ہے جبکہ ابن عبدالبرؒ سے متقدم لوگوں کا قول بلا سند مقبول نہیں ہوتا تو ان کا قول کس طرح مقبول ہو سکتا ہے نیز ان کی کتاب العلم اتنی مشہور و معروف نہیں ہے جتنی کہ کتاب الاستیعاب ہے۔ الخ

(مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت ص ۲۷)

⑥ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی صحابہ کرام کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بہر حال عامہ معتزلہ اور چند اہل السنّت والجماعت کی رائے یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ مسائل فقہیہ غیر منصوصہ میں تعدد حق کے قائل ہیں (یعنی ہر مجتہد صواب پر ہوتا ہے) لیکن جمہور اہل السنّت والجماعت کا جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں (یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) مذہب مختار یہی ہے کہ تمام مسائل منصوصہ اصلیہ اور فرعیہ کی طرح ان مسائل میں بھی عنداللہ کوئی ایک حق ہے کہ جس کی تلاش میں مجتہدین اپنی اپنی قوت اجتہاد صرف کرتے ہیں اور جس مجتہد سے خطا ہو جاتی ہے) بجائے اس کے کہ وہ آثم (یعنی گناہگار) ٹھہرتا الٹا اجر اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے (ہدیہ سنیہ ص ۸۔۹)

علامہ شبیر احمد عثمانی کی مفصل عبارت اور اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۳۰ تا ص ۳۳۴)......شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی تصریح سے ثابت ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سمیت چاروں ائمہ مجتہدین کا مسلک یہ ہے کہ مجتہد کی رائے صحیح بھی ہوتی ہے اور غلط بھی۔ البتہ خطائے اجتہادی پر بھی ایک گونہ ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا

امام ابن عبدالبر کی زیر بحث کتاب العلم کی عبارت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا کہ: صحابہ پر رائے زنی نہ کی جائے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اُن کے اختلاف پر اس طرح رائے زنی نہ کی جائے جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص وتوہین لازم آتی ہو۔ لیکن خطاء اجتہادی کی نسبت کرنا تو مولانا سندیلوی کے نزدیک بھی کسی صحابی کی (تنقیص اور) بے ادبی نہیں ہے (ملاحظہ ہو اظہار حقیقت جلد۲، ص ۴۶۵) بہر حال اس سے یہ ثابت ہوا کہ ائمہ اربعہ کا مسلک صواب وخطائے اجتہادی کے قول کا تھا نہ کہ توقف۔

⑦ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ شیخ ابن ہمام کی تحریر الاصول کا حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اطلاق الصحابة الخطاء فی الاجتهاد شائعٌ متكرر (بڑی دلیل مجتہد کے مخطی ہونے کی یہ ہے کہ صحابہ کرام صراحتاً خطا فی الاجتہاد کا اطلاق کیا کرتے تھے۔ (ہدیہ سنیہ ص ۲۱)

علامہ خالد محمود بھی خطاء اجتہادی کے قائل ہیں

مؤلف اصل حقیقت پر الزام قائم کرنے کی وجہ سے بندہ نے مزید اقوال پیش کر دیئے ہیں ورنہ علامہ خالد محمود صاحب موصوف بھی مشاجرات صحابہ میں خطائے اجتہادی کے قائل ہیں۔ چنانچہ بعض سوالات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلیفہ برحق بے شک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے لیکن اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام عالم اسلام کا اجماع نہ ہوا تھا۔ اہل سنت کا اس خلافت پر کلی اجماع ایام خلافت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد منعقد ہوا۔ اس کے بعد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کی خلافت کے خلاف ہو وہ بے شک گمراہ ہے۔ لیکن ان ایام اختلاف میں جب دونوں طرف صحابہ کرام کے متعدد افراد ہوں ہم خطائے اجتہادی کے کسی بھی مرتکب کو کسی طرح مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے بلکہ مجتہد مخطی بھی ارشاد نبوت کی رو سے مثاب وماجور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال (عبقات من باب الاستفسارات ص ۳۸۹)

علامہ خالد محمود صاحب نے باتباع جمہور وہی تحقیق پیش کی ہے جو بندہ نے خارجی

فتنہ حصہ اوّل میں تفصیلاً پیش کر دی ہے۔ اب خدا جانے مؤلف اصل حقیقت کو چھپنے کے لیے کوئی پناہ گاہ ملے گی یا نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ علامہ صاحب نے بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ لفظ امام استعمال کیا ہے کیا مؤلف مذکور ان پر بھی کوئی مشق تبرا کریں گے؟ بہر حال زیر بحث مسئلہ تو مشاجرات صحابہ کا تھا لیکن مؤلف نے اپنے روایتی جھوٹ کے زیر اثر علامہ صاحب کی دوسری غیر متعلقہ عبارت پیش کر دی اور اس پر بھی بندہ نے توجیہ پیش کر دی ہے۔

مولانا نور الحسن شاہؒ بھی قائل ہیں

خطائے اجتہادی کی بحث میں مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری مرحوم نے مخدوم العلماء حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند کی کتاب ''علمائے دیو بند کا مسلک'' (ص ۲۵) سے حسبِ ذیل عبارت پیش کی ہے:

علمائے دیو بند انہیں (یعنی صحابہ کرام کو) غیر معصوم کہنے کے باوجود محفوظیت دین کے بارے میں قابل تنقید و تبصرہ نہیں سمجھتے کہ بعد والے انہیں اپنی تنقید کا ہدف بنالیں بلکہ ان کی باہمی تنقید کو (جس کا انہیں حق تھا) نقل کرنے میں بھی رشتہ ادب کو ہاتھ سے چھوڑ دینا جائز نہیں سمجھتے چہ جائیکہ ان کے باہمی تنقید و تبصرہ کے فعل سے امت مابعد کو ان پر تنقید کرنے کا حق دار سمجھتے بلکہ ان کی پاک باطنی اور تقویٰ قلب کے منصوص ہو جانے کے بعد دین کے معاملات میں ان کی لغزش تا بحدِ خطا باقی رہ جاتی ہے جس میں معصیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اسی لیے ان کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء وصواب کا تقابل ہے۔ حق و باطل یا طاعت و معصیت کا نہیں اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد مخطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زجر (عادلانہ دفاع ص ۴۱۲)

علاوہ ازیں بندہ نے مولانا نور الحسن شاہ صاحب مرحوم کی حسب ذیل عبارت امام نووی رحمہ اللہ کے حوالہ سے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۵۷ پر نقل کی ہے:

''پھر ان میں سے بعض اپنے اس اجتہاد میں صحیح تھے اور بعض خطا پر تھے اور وہ خطا میں

معذور ہیں کیونکہ ان کی خطاء اجتہادی تھی اور خطائے اجتہادی پر گناہ نہیں ہوتا۔ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق وصواب پر تھے اہل سنت کا یہی مذہب ہے'' (عادلانہ دفاع ص ۲۱۰)

فرمایئے! مولانا بخاری مرحوم نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق وصواب پر ہونے کو اہل سنت کا مذہب تسلیم کر لیا ہے؟...... اگر مؤلف ''اصل حقیقت'' میں کچھ بھی خوف خداوندی ودیانت موجود ہے تو میری بات نہ سہی علامہ خالد محمود صاحب موصوف اور مولانا نور الحسن بخاری مرحوم ہی کی بات مان لیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ صاحب کا ارشاد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار حق ہونے کے اثبات میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم رحمۃ اللہ علیہ ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ممکن ہے کہ کسی شکی کو شک وشبہ گزرے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے فروعی مذاہب مختلف رہے اور مسائل میں اختلاف تناقص تک نظر آتا ہے تو لامحالہ ایک کی اطاعت کر کے بقیہ سے دستبرداری ہی دینی پڑے گی ورنہ ضدین کا اجتماع ہو جائے گا جو ناممکن العمل ہے تو پھر سب کی اطاعت وپیروی کہاں رہی اور ممکن ہی کب ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ اگر ایک کی پیروی دوسروں کی طعن وتنقید سے بچ کر اور سب کی عظمت رکھ کر ہو تو وہ سب ہی کی پیروی کہلائے گی جیسے سلسلۂ نبوت میں عملاً پیروی ایک رسول کی ہوتی ہے مگر معیار حق سب کو سمجھا جاتا ہے۔ (مقدمہ مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت ص ۴۲)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اتباع صحابہ کا جو مفہوم یہاں پیش کیا ہے وہی امام ابن عبد البر کی مذکورہ عبارت کا ہے جو علامہ خالد محمود صاحب نے پیش کی ہے یعنی صحابہ کرام کے فقہی اختلافات میں کسی ایک کی اتباع عملاً کرنے کے باوجود کسی دوسرے صحابہ کے موقف پر تنقید وجرح نہ کرے جس سے ان کی تنقیص وتوہین لازم آتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ارشاد خطائے اجتہادی کے قول کے منافی نہیں ہے کیونکہ خطائے اجتہادی پر بھی جب مجتہد کو ایک گونہ ثواب ملتا ہے تو کار ثواب کی نسبت کو کون صاحب

عقل بے ادبی اور تنقیص قرار دے سکتا ہے۔

گرامی نامہ حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ صاحب بنام خادم اہل سنت

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ صاحب نے شروع شروع میں ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے متعلق کچھ نرم بیان دیا تھا اور ان کے متعلق تعریفی کلمات بھی فرمائے تھے۔ جب شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری وغیرہ اکابر علماء کے مودودی صاحب کے خلاف سخت بیانات شائع ہوئے تو مودودی صاحبان نے حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے وہ سابقہ بیانات اپنی تائید میں شائع کئے اس سلسلہ میں بندہ نے حضرت قاری صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا جس میں مودودی صاحب کے متعلق آپ کی رائے دریافت کی تو اپنے جوابی گرامی نامہ میں آپ نے ارشاد فرمایا:

سامی نامہ باعث عزت ہوا۔ میں مسلسل سفروں میں رہا اس لیے جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ جماعت اسلامی کے جدید فقہیات اور تفقہ کی فرعیات جو جناب نے قلمبند فرما کر ارسال فرمائیں انہیں پڑھ کر افسوس ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیا فقہ تیار ہو رہا ہے اور پرانے فقہ کا لباس اتار کر پھینکا جا رہا ہے۔ انا للہ۔ جماعت اسلامی کے افکار و خیالات کے بارہ میں جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے دو (۲) بار ظاہر ہو چکی ہے۔ جنوری ۷۴ء میں بھی اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں اس میں نفس تحریک حکومت الٰہی کے بارہ میں جس کا عنوان اب یاد نہیں رہا عرض کیا گیا تھا کہ اس سے کسے اختلاف ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ عنوان محض نہ ہو بلکہ اس کے نیچے حقیقت بھی وہی ہو جو اس عنوان کے شایانِ شان ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب کے مقدمہ کے طور پر احقر نے ایک تحریر لکھی تھی جس میں معیار حق کے مسئلہ پر کلام کیا تھا اس سے ہی احقر کی رائے مکرر واضح ہوگئی تھی۔ پھر دہلی جمعیۃ العلماء کے دفتر سے ایک جماعتی بیان شائع ہوا جس پر احقر کے بھی دستخط تھے اس میں اس تحریک کے

اثرات (سلف سے اعتماد اٹھ جانے اور ان کی عظمت کے رشتے کمزور ہو کر ان پر زبان تنقید کھل جانے وغیرھا کو) ظاہر کر کے اس سے اپنی برآءت کا اعلان کیا گیا تھا۔ بہر حال کئی بار آراء ظاہر ہو چکی ہیں جو اظہار خیال کے لیے کافی ہو جانی چاہیے۔ (۳۰-۸-۸۳)۔ ہجری

مودودی صاحب اہل حق میں سے ہیں (مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ)

شروع شروع میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب محدث عثمانی کو بھی مودودی صاحب سے حسن ظن تھا۔ چنانچہ پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان بیاہ وشادی کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے مودودی صاحب کو جو خط لکھا اس کا ابتدائی حصہ حسبِ ذیل ہے:

مکرمی مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب زادت محاسنکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مجھے آپ سے غائبانہ محبت ہے جس کی شہادت خود آپ کا ضمیر دے گا اور میرا یہ طرزِ عمل بھی کہ میں گاہے گاہے تھانہ بھون اور ڈھاکہ سے آپ کو ازخود لکھتا رہا ہوں۔ یہ خط بھی اسی غائبانہ محبت کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ آج کل بعض علماء نے آپ کی تکفیر وتفسیق کے لیے فتویٰ نویسی شروع کر دی ہے اور آپ کو جماعت اہل حق سے جدا سمجھ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اہل حق سے الگ نہ کرے۔ پھر کسی کے الگ کرنے کی پرواہ نہیں۔ (رسائل ومسائل حصہ دوم ص ۱۶۷ بار دوم ۱۹۵۷ء)

گو متعلقہ مسئلہ زیر بحث میں مولانا عثمانی نے مودودی صاحب کے موقف کی اس خط میں تردید کر دی ہے لیکن مندرجہ الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد دس سال تک آپ کو مودودی صاحب سے حسنِ ظن اور محبت کا تعلق تھا لیکن بعد میں جب مودودی صاحب کے باطل نظریات سے آپ واقف ہوئے تو ان کے رد میں برآءت عثمان رضی اللہ عنہ بھی لکھی اور اس کے بعد بھی ان کے نظریاتِ باطلہ کا رد کیا۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تفسیر معارف القرآن بھی پہلے مودودی صاحب سے

حسن ظن رکھتے تھے لیکن بعد میں جب ان کے نظریات باطلہ کھل کر سامنے آئے تو ان کے عقائد فاسدہ کی سخت تردید کی (ملاحظہ ہو۔ مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں ص ۲۳ مؤلفہ مولانا حکیم محمد اختر صاحب)

تو اب اگر کوئی شخص ان حضرات کی آخری آراء سے نظر بند کر کے ان کی ابتدائی آراء مودودی صاحب کی تائید میں پیش کرے تو یہ اس کی بد دیانتی ہوگی۔ لیکن مؤلف ''اصل حقیقت'' تو خلاف حقیقت ہی راگ الاپنے کے عادی ہیں۔ شروع میں بندہ نے مولانا سندیلوی سے حسنِ ظن کی بنا پر ان کو جماعت کا سرپرست لکھ دیا تو اب بار بار اسی کو پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ اظہار حقیقت جلد دوم کے مطالعہ کے بعد وہ سابقہ حسنِ ظن باقی نہ رہا۔ اور مسلک حق کے تحفظ کے لیے میں نے مولانا موصوف کے نظریات کی رد میں کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' لکھی ہے تو اس پر چیں بہ جبیں ہونے اور تبرّا الاپنے کی کیا ضرورت ہے جس کی وجہ سے مؤلف صاحب جھوٹ پر جھوٹ مرتب کر رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ کی بحث......کیا حضرت علیؓ کی خلافت عبوری تھی؟

میں نے مولانا سندیلوی کے متعلق دفاع صحابہ ص ۵۳ پر یہ لکھا تھا کہ: وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو عارضی اور عبوری خلافت قرار دیتے ہیں نہ کہ مستقل اور آیت تمکین اور آیتِ استخلاف کا مصداق۔ چنانچہ اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' بجواب ''خلافت وملوکیت'' جلد دوم ص ۱۸۳ میں لکھتے ہیں: ان حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (Emergency) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلامی کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق، حق رائے دہی استعمال نہیں کیا تھا اس صورت میں شرعاً وعقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا۔

اس کے جواب میں مولانا سندیلوی نے یہ لکھا ہے کہ: اظہار حقیقت کی جو عبارت

قاضی صاحب نے نقل کی ہے اسے بار بار پڑھنے پر بھی کسی عارضی وعبوری کے الفاظ نہ ملیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے غیر مستقل ہونے کا بھی کوئی تذکرہ اس میں نہیں مل سکتا اسی طرح اس مضمون کا نام ونشان بھی نہیں ملے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت آیت استخلاف وآیت تمکین کی مصداق نہ تھی۔ یہ مضامین قاضی صاحب نے اپنی طرف سے وضع فرما کر میری طرف منسوب فرما دیئے۔ موصوف کی اس جسارت پر حیرت ہے کہ ان غلط الزاموں کے ثبوت میں ایسی عبارت پیش کی جس میں ان میں سے کسی سرے سے وجود ہی نہیں۔'' (جواب شافی ص ۹)

جواب الجواب

میں نے اس کے جواب میں مولانا موصوف کی ''اظہار حقیقت'' جلد دوم سے آٹھ عبارتیں پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہنگامی سے مراد عبوری اور غیر مستقل حکومت لکھا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۲۰۸ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کی جماعت کا موقف بیان کرتے ہوئے مولانا سندیلوی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

جواب یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تو تسلیم کرتے تھے لیکن ان کی خلافت کو ہنگامی خلافت سمجھتے تھے جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے) اور سبائی پارٹی کے استیصال سے پہلے انہیں مستقل خلیفہ بنانے کے لیے تیار نہ تھے...... ان وجوہ کی بنا پر انہیں مستقل خلیفہ منتخب کرنا مناسب نہیں۔'' (اظہار حقیقت جلد دوم حاشیہ ص ۱۸۸)

② اسی سلسلہ میں بندہ نے مولانا سندیلوی صاحب کی یہ عبارت پیش کی ہے۔
کیونکہ ایسی ہنگامی حالت میں جو خلیفہ منتخب ہوتا ہے اس کی حکومت کی حیثیت تا وقتیکہ استصواب رائے عامہ سے اسے استحکام حاصل نہ ہو جائے عبوری حکومت (Interim Government) ہے عبوری حکومت کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ حکومت سابقہ کی پالیسی کی اتباع کرے۔ الخ (ایضاً ص ۱۷۴)

ان دونوں عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا سندیلوی کے نزدیک ہنگامی خلافت عبوری اور غیر مستقل ہوتی ہے۔ اور جب موصوف نے اظہارِ حقیقت ص ۱۸۳ پر یہ تصریح کردی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (Emergency) خلافت کی تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی عبوری اور غیر مستقل تھی لہٰذا ''جواب شافی'' میں ان کا اس بات سے انکار کرنا بالکل غلط ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو اگر آیتِ استخلاف اور آیت تمکین کی مصداق قرار دیا جائے تو پھر اس کو عبوری اور غیر مستقل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ تو وعدۂ خداوندی کے مطابق ابتدا سے انتہا تک مستقل خلافت راشدہ ہے اور جب سندیلوی صاحب کے نزدیک حسبِ عبارت، اظہار حقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت عبوری اور غیر مستقل ہے تو اس کو آیات قرآنی کا مصداق نہیں قرار دے سکتے تو مولانا پر میرا یہ الزام بھی بالکل درست تھا۔ لیکن اس کے جواب میں ''مؤلف اصل حقیقت'' یہ رونا رو رہے ہیں کہ اس کا مطلب واضح ہے کہ یہاں مولانا اپنا نقطہ نظر نہیں لکھ رہے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا نقطہ نظر بیان کر رہے ہیں۔ اسی طرح دوسری عبارت کے شروع میں یہ عبارت موجود ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ جو حضرات فقہاء صحابہؓ و تابعین تھے سب کی رائے یہ تھی۔

اب قارئین کرام خود ہی اندازہ فرمالیں کہ اس چکوالی گوئبلز کی وقاحت اور بے شرمی کس حد تک پہنچ چکی ہے (اصل حقیقت ص ۶۷)

الجواب......مؤلف کا جھوٹ نمبر ۲۳

① میں نے اظہار حقیقت کی آٹھ عبارتیں (جن میں سے دو عبارتیں اوپر نقل کر دی ہیں) صرف اس بات کے ثبوت میں پیش کی تھیں کہ مولانا سندیلوی کے نزدیک بھی ہنگامی خلافت سے مراد عبوری اور غیر مستقل خلافت ہوتی ہے کیونکہ یہ تبصرہ مولانا کا تھا۔

اس میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مولانا اپنا نقطۂ نظر پیش کر رہے ہیں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہم صحابہ کا۔

④ سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ کا مذکورہ نقطہ نظر مولانا سندیلوی کے نزدیک صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے تو پھر اس بنا پر اعتراض صحیح ہے اور اگر غلط ہے تو پھر مولانا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی تغلیط کر دی اور یہی موقف باتباع جمہور بندہ نے پیش کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس اختلاف میں اجتہادی غلطی سرزد ہوگئی تھی۔ کیا مؤلف مذکور کے لیے کوئی بھاگنے کا راستہ باقی رہ گیا ہے؟

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

③ یہ بھی مؤلف مذکور کا کھلا جھوٹ ہے کہ مولانا سندیلوی کا وہ نقطہ نظر نہیں ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی ساری کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کا دفاع کر رہے ہیں۔ ان کی رائے کو بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے اصح قرار دیتے ہیں اور جنگ صفین میں وہ بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اقرب الی الحق اور حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں۔

''اگر دوبارہ انتخاب ہو جاتا اور آزادانہ رائے دہی کا سب کو موقع ملتا تو باہمی اختلاف بھی ختم ہو جاتا۔ ان کی خلافت زیادہ مستحکم ہو جاتی اور مسلمانوں کی اتنی خونریزی نہ ہوتی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کیوں نہ منظور فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔'' (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۲۲)

فرمایئے! کیا مولانا سندیلوی یہاں اپنا نقطہ نظر نہیں پیش کر رہے اور وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نقطہ نظر کی تائید میں؟

(ب) علاوہ ازیں مولانا سندیلوی صاف لکھ رہے ہیں کہ:

ان حالات میں جو خلافت منعقد ہوئی وہ جائز تو تھی لیکن ہنگامی تھی اس کے استحکام اور اس کی بقاء کے لیے استصواب رائے اور دوبارہ انتخاب کی حاجت سے انکار نہیں

ہوسکتا۔(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۷۲)

بہر حال سندیلوی صاحب جب دوبارہ انتخاب کرانے کی حمایت کررہے ہیں اور اس کا نتیجہ بھی یہ بیان کررہے ہیں کہ:

''اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔''

تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سندیلوی صاحب کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ قرآنی کے تحت خلیفہ نہ تھے کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق خلیفہ بنانا ہے وہ دوبارہ انتخاب میں بھی اس کی قدرت اور نصرت سے ضرور کامیاب ہوگا اور اس بات کا احتمال باقی نہیں رہتا کہ وہ دوبارہ انتخاب میں ناکام ہو جائے۔اب قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ کذاب اور گوئبلز کون ہے؟

مؤلف ''اصل حقیقت'' یا چکوالی مؤلف خارجی فتنہ۔'' مؤلف کی زبوں حالی تو اس حد تک ہے کہنا پڑتا ہے۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

یعنی وہ چور کتنا دلاور ہے جو ہاتھ میں چراغ لے کر چوری کررہا ہے کیا اس کے بعد بھی مؤلف مذکور کی شقاوت وغباوت میں کوئی شک ہوسکتا ہے۔ کاش کہ مولانا سندیلوی ایسے شخص کو اپنا ترجمان نہ بناتے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

مؤلف اصل حقیقت کا جھوٹ نمبر ۲۴

مؤلف مذکور لکھتے ہیں: چکوالی صاحب کے اس قسم کے تبرائی الفاظ کہ حضرات حکمین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء صحابہ کرام نہ صرف گناہگار تھے بلکہ قرآنی آیت کے مخالف تھے۔ ہم شروع میں پیش کرچکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۹) اور چکوالی صاحب کے پیشوا لعل شاہ بخاری و مودودی کے نظریات ان کی کتابوں ''استخلاف

یزید'' اور'' خلافت وملوکیت سے ظاہر باہر ہیں۔'' (ص۲۷)

مؤلف مذکور نے اپنے کتابچہ ص۹ پر جو کچھ لکھا ہے حسب ذیل ہے:

'' اتنا ہی نہیں بلکہ چکوالی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار ماننا لازمی قرار دیتے ہیں۔ اور اسے اتنا اہم عقیدہ سمجھتے ہیں کہ جو انہیں خطار کار نہ مانے وہ اسے قرآنی آیت کا منکر باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' لکھتے ہیں:

'' بندہ نے اس کتاب میں مسلک اہل السنّت والجماعت کے اثبات کے لیے ہی آیت تمکین اور آیت استخلاف پر بحث کی ہے اور قرآنی اور حدیثی دلائل کی بنا پر ہی ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی ماننے کے بغیر اور کوئی صحیح راہ نہیں۔'' (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص۲۱/۲۲)

'' حضرات حکمین پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا فیصلہ آیت استخلاف کے خلاف تھا۔'' (ایضاً ص۴۵۵) '' بلکہ گناہ تھا'' (ایضاً سطر۶) '' اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے۔'' (ایضاً سطر۹) '' اس لیے حضرات حکمین ضال اور مضل تھے۔'' (ایضاً ص۴۵۶، سطر۱۰۔۱۲) '' کیونکہ انہوں نے قرآن کے خلاف کیا۔'' (ص۴۵۸، سطر۱۷) نیز ملاحظہ ہو ہماری اس کتاب کا ص۲۷) چکوالی صاحب کی اس غالیانہ انتہا پسندی کی تائید نہ متقدمین کے ہاں ملتی ہے نہ متاخرین کے ہاں۔ آج تک سوائے چکوالی صاحب کے کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی تھی کہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار نہ مانے وہ گمراہ اور خارجی ہے۔ اگر چکوالی صاحب میں ہمت ہے تو وہ اپنی تائید میں متقدمین یا متاخرین میں سے کسی ایک بھی محقق کا قول مستند حوالہ کے ساتھ پیش کریں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطار نہ ماننے والوں کو دائرہ اہل سنت سے باہر اور خارجی قرار دیتا ہو۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ چکوالی صاحب ایسا کوئی حوالہ اپنی تائید میں نہیں پیش کرسکتے **ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا** (اگرچہ سب مل کر بھی ایک دوسرے کی مدد کریں) چکوالی صاحب معاویہ رضی اللہ عنہ دشمنی میں آپ اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ احترام صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق دسیوں آیات قرآنی کا مقابلہ کرنے پر تل گئے ہیں۔ اب

سوائے توبہ کے اور کوئی شرعی دروازہ آپ کے لیے کھلا ہوا نہیں ہے۔'' (ایضاً ص ۱۰)

الجواب

① مؤلف صاحب کی پہلی فریب کاری یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جنگِ صفین کے سلسلہ میں اجتہادی خطاء کی نسبت کرنے کو وہ احترام صحابہ کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اور اس نسبت سے وہ یہ خود ساختہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار کہا جاتا ہے جس کا جواب پہلے بھی دیا جا چکا ہے کہ کسی کو مجتہد مخطی کہنا اور کسی کو خطا کار کہنا دونوں میں فرق ہے کسی کو خطا رکار کہنے کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ عام طور پر خطائیں کرنے والا ہے اور خطائے اجتہادی تو وہ خطا ہوتی ہے جس پر از روئے حدیث نبوی ایک اجر ملتا ہے۔ اب اس مؤلف سے کوئی پوچھے کہ جب خطائے اجتہادی پر بھی مجتہد کو ثواب ملتا ہے تو اس نسبت میں کونسی بے ادبی اور تنقیص پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ ماتمی ٹولے کا سا واویلا کر رہے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ مؤلف کے امام مولانا سندیلوی خود بھی حضرت علی۔ حضرت معاویہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق لکھ رہے ہیں کہ ان سے اجتہادی غلطی ہوگئی تھی۔ ان کی یہ عبارتیں ہم نے اس کتاب کے ص ۳۲۴ پر درج کر دی ہیں دوبارہ ملاحظہ کرلیں۔ فرمایئے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلطی کو اجتہادی غلطی قرار دینا میرا شرعی جرم ہے تو اس جرم کے مرتکب تو مجھ سے زیادہ سندیلوی صاحب ہیں جو نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اجتہادی غلطی کرنے والا مان رہے ہیں۔ اگر مولف کے اندر دیانت کا کوئی ذرہ بھی موجود ہے تو پھر وہ اپنے امام اہل سنت پر کیوں تبرا بازی نہیں کرتے؟ علاوہ ازیں پہلے بھی یہ لکھا جا چکا ہے کہ مولانا سندیلوی کے نزدیک بھی خطائے اجتہادی کی نسبت کرنے میں کوئی بے ادبی نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں''

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۵)

اس کے باوجود مؤلف صاحب کا بار بار بہتان تراشی کرنا خارجیت کی ٹیکنیک نہیں تو اور کیا ہے؟

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۲۵

مؤلف مذکور کا یہ لکھنا بھی ایک کھلا جھوٹ ہے کہ چکوالی صاحب کی اس غالیانہ انتہا پسندی کی تائید نہ متقدمین کے ہاں ملتی ہے نہ متأخرین کے ہاں۔ آج تک سوائے چکوالی صاحب کے کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی تھی کہ جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار نہ مانے وہ گمراہ اور خارجی ہے (ص۱۰) یہ بھی کھلا جھوٹ ہے۔ مؤلف صاحب یہ تو ثابت کریں کہ میں نے ایسا لکھا ہے۔ میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل ۶۱۱ صفحات کی ضخیم کتاب ہے اور نہ صرف اس میں سے بلکہ میری بیسیوں تصانیف میں سے کہیں سے کوئی ایسی عبارت پیش کردیں جس میں بندہ نے ایسا لکھا ہے۔ هاتوا برهانكم ان كنتم صٰدقين۔

فتاویٰ کراچی مؤلف کا جھوٹ نمبر ۲۶

مؤلف مذکور نے اصل حقیقت ص۱۰ پر استفتاء کی حسب ذیل عبارت لکھی ہے بسم الله الرحمن الرحيم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کہتا ہے کہ جمہور متقدمین کا یہ نقطہ نظر درست ہے کہ مشاجرات صحابہ میں توقف کرنا چاہیے کہ دونوں برحق ہیں۔ بکر کہتا ہے کہ نہیں جمہور متاخرین کا یہ نقطہ نظر درست ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہوئی۔ عمرو کا کہنا ہے کہ نہ صرف جمہور متاخرین کا نظریہ درست ہے بلکہ جو اس نظریہ کو نہ مانے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وان کے رفقاء کو مجتہد مخطی تسلیم نہ کرے وہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے۔ اس پر زید کا کہنا ہے کہ عمرو کا یہ کہنا زیادتی ہے کیونکہ جمہور متقدمین کے نقطہ نظر کا جو شخص مؤید ہو وہ دائرہ اہل سنت سے کیسے خارج قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ محتاط ترین مسلک یہی ہے جیسا کہ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے کہ: هو والله الورع والاحتياط۔ پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ: فان كان لا رجائه امرا

لصحابة الذين تقاتلوا فيما بينهم الى الله وتوقفه عن تصويب احدى الطائفتين فهو من اهل السنة ومن حزب الورعين حتماً۔ مقدمہ اعلاء السنن ص ۱۴۲) اور جمہور صحابہ و جمہور اہل سنت کا نقطہ نظر علامہ ابن حزم کے الفاظ میں یہ ہے: وذهب سعد بن ابی وقاص وعبدالله بن عمرو وجمهور الصحابة الى الوقوف فی علی واهل الجمل واهل الصفين وبه يقول جمهور اهل السنة'' (الفصل فی الملل والنحل لابن حزم ج۴، ص ۱۵۳) اور دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمرو کا نقطہ نظر کہ حضرت معاویہ اور ان کے رفقاء کو مخطی نہ تسلیم کرنے والا دائرہ اہل سنت سے خارج ہے مسلک اہل سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر مطابق ہے تو کیا اہل السنّت کے نزدیک مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، امام اعظم ابی حنیفہؒ اور وہ تمام علمائے کرام جو دونوں کو برحق سمجھتے آرہے ہیں یا جنہوں نے توقف کو پسند کیا جن میں جمہور متقدمین اہل سنت اور جمہور صحابہ بھی شامل ہیں۔ سب دائرہ اہل سنت سے خارج ہیں؟ جبکہ عمرو کی بات سے یہی لازم آتا ہے۔ بینوا وتوجروا۔ (ص ۱۱) اس کے بعد جوابی فتاویٰ نقل کیے ہیں۔ جن پر بعد میں بحث کی جائے گی۔

کیا میرے چیلنج کا کوئی جواب ہے؟

مذکورہ استفتاء میں عمرو کا نظریہ پیش کرنے میں کھلا جھوٹ بولا ہے کیونکہ اس میں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے وہ ان کا مفروضہ ہے اور زیر بحث مسئلہ ''مشاجرات صحابہ'' میں بندہ نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو مجتہد مخطی نہ تسلیم کرے وہ دائرہ اہل سنت سے خارج ہے؟ مؤلف مذکور ہرگز ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکتا۔ هاتوا برهانكم ان كنتم صٰدقين۔ بلکہ میں نے تو توقف کے قول کو اہل سنت ہی کا ایک قول تسلیم کیا ہے البتہ دلائل کی بنا پر اس کو کمزور ترین مسلک بتایا ہے چنانچہ مولانا سندیلوی کے جواب میں بندہ نے لکھا ہے:

سندیلوی صاحب بھی عجیب وغریب محقق ہیں انہوں نے مسلک توقف کو قوی

ترین اور پسندیدہ مسلک قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ: یہ صحابہ کرام کا مسلک ہے۔‘‘......اس پر ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مسلک ہے ہرگز نہیں۔ مشاجرات کے بارے میں تو صحابہ کرام کے تین گروہ تھے۔(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین (۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین (۳) توقف کرنے والے صحابہ کرام۔ اگر صحابہ ہونے کی وجہ سے توقف کا مسلک قوی ترین ہے تو دوسرے دونوں مسلک بھی چونکہ صحابہ کرام کے ہیں اس لیے وہ بھی قوی ترین ہونے چاہئیں۔ خدا جانے فاضل سندیلوی کو کیا ہوگیا۔ ع

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اسی سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے میں نے نمبر۳ کے تحت لکھا ہے:

توقف کی بحث میں پہلے عرض کیا گیا ہے کہ جن صحابہ کرام نے فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا ان پر یہ معاملہ مشتبہ ہوگیا تھا اور وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے تھے اور اس وقت کے پیچیدہ حالات میں وہ معذور تھے۔ لیکن بعد ازاں جبکہ یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ حضرت علی المرتضیٰ ہی قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ تھے تو اب توقف کا مسلک ہمارے لیے قوی ترین مسلک نہیں قرار دیا جاسکتا۔ سندیلوی صاحب اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جس مسلک میں حقیقت حال واضح ہی نہ ہو کیا اسے بھی قوی ترین اور پسندیدہ مسلک قرار دے سکتے ہیں؟ اور اگر مسلک توقف اختیار کرنے والے علمائے اہل سنت کا مطلب یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات نہ بیان کیے جائیں۔ کیونکہ اس سے ناواقف لوگ صحابہ کرام کے کسی نہ کسی فریق سے بدظن ہوسکتے ہیں تو یہ جدا امر ہے اور یہ کسی فریق کی طرف اجتہادی خطا منسوب کرنے سے متعارض بھی نہیں ہے جیسا کہ پہلے اس پر تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ بہر حال تردد و تذبذب والا مسلک قوی ترین نہیں بلکہ کمزور ترین مسلک ہے اس لیے جمہور اہل سنت نے اسے اختیار نہیں کیا۔‘‘

(خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۸۵/ ۵۸۷)

فرمایئے! اتنی وضاحت کے بعد بھی کوئی اہل فہم و دیانت مجھ پر یہ بہتان لگا سکتا

ہے کہ میں حضرت معاویہ کو مجتہد مخطی نہ ماننے والوں کو اہل سنت سے خارج قرار دیتا ہوں۔ اتنی دیدہ دلیری سے یہ بہتان تراشی اور وہ بھی استفتاء کی صورت میں سوائے سبائی پارٹی کے دلدادہ کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۲۷

استفتاء میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ زید کہتا ہے کہ جمہور متقدمین کا یہ نقطہ نظر درست ہے کہ مشاجرات صحابہ میں توقف کرنا چاہیے کہ دونوں برحق ہیں۔'' اس میں بھی تلبیس اور جھوٹ سے کام لیتے ہوئے مجھ پر الزام تراشی کی ایک صورت نکالی گئی ہے کہ میں شاید دونوں کو برحق نہیں مانتا۔ حالانکہ میں نے مشاجرات صحابہ کی بحث میں کئی بار اس امر کی تصریح کی ہے کہ اجتہادی اختلاف حق کے دائرہ میں ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: اجتہادی خطا حق کے دائرہ میں ہی رہتی ہے اس کو خلاف حق نہیں کہہ سکتے ...... سندیلوی صاحب یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اجتہادی اختلاف میں حق و باطل کا تقابل نہیں ہوتا بلکہ صواب وخطا اور صحیح وغلط کا تقابل ہوتا ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۲۶)

(ب) جو حضرات وحدت حق کے قائل ہیں یعنی عنداللہ حق ایک ہی ہوتا ہے اجتہادی مسائل میں وہ بھی خطائے اجتہادی کو حق کے اندر داخل کرتے ہیں نہ کہ خارج از حق۔ البتہ وہ صواب وخطا میں فرق کرتے ہوئے مجتہد کی طرف خطا کی نسبت بھی کر دیتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۳۳۲) خلاصہ یہ ہے کہ ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے البتہ صواب وخطا کا مسئلہ جدا ہے مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو خلافت وملوکیت طبع اوّل ص ۱۳۷)

تو میں نے ان کی تردید کی چنانچہ لکھا کہ: یہ بھی ملحوظ رہے کہ گو حق کے مقابلہ میں باطل ہوتا ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے باطل کا لفظ نہیں استعمال کیا جاتا کیونکہ آپ کا اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور جو قول اجتہاد پر مبنی ہو اسے باطل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ مودودی صاحب کی زیادتی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے

باطل کا لفظ استعمال کیا ہے۔'' (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۲۴)

مولانا لعل شاہ صاحب بخاری کے نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے میں نے لکھا ہے:
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقیقتاً اہل باطل اور اہل جور وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ان کو فقیہ اور مجتہد نہیں سمجھتا اور ان کے خلوص ونیت میں شک کرتا ہے لیکن جو شخص آپ کو مخلص اور فقیہ ومجتہد صحابی سمجھتا ہے وہ آپ کے اختلاف کو عنادی نہیں کہہ سکتا۔ اور نہ ہی وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہ حقیقتاً غیر عادل تھے کیونکہ اجتہادی اختلاف میں عادل اور غیر عادل کا تقابل نہیں ہوتا۔ (ایضاً ص ۴۲۶)

اور استفتاء میں جو عبارتیں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اور مولانا ظفر احمد صاحب محدث عثمانی رحمہ اللہ کی نقل کی گئی ہیں وہ بھی تلبیس پر مبنی ہیں اور ان پر مفصل تبصرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۳۳۱) اور کس قدر یہ مؤلف کی فریب کاری ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نام بھی اس استفتاء میں لیا گیا ہے۔ حالانکہ امام اعظم اجتہادی اختلاف میں دونوں کے برحق ہونے کے باوجود اجتہادی صواب وخطا کے قائل ہیں جیسا کہ پہلے اس پر بحث کر دی گئی ہے۔

ایک اور بددیانتی

مؤلف مذکور نے ''اصل حقیقت'' میں جو استفتاء نقل کیا وہ مکمل نہیں ہے۔ ہم نے واپسی رجسٹرڈ خطوط بھیج کر ان فتاویٰ کی نقلیں منگوائی ہیں جو اصل حقیقت میں درج کیے گئے ہیں۔ ان میں مستفتی (فتویٰ لینے والے) کا نام۔ عبدالغفور امام مسجد ایک مینار عزیز آباد کراچی لکھا ہے۔

① جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی والوں نے استفتا اور فتویٰ کی جو فوٹو اسٹیٹ کاپی ارسال کی ہے وہ وہی ہے جو ''اصل حقیقت'' میں ہے اور فتویٰ دینے والے مولانا ضیاء الحق صاحب ہیں۔ اس میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی وغیرہ حضرات میں سے کسی کی تصدیق نہیں ہے۔

(۲) دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر۱۴ نے ہمیں جو نقل بھیجی ہے اس کے استفتاء میں یہ عبارت زائد ہے۔ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف صواب وخطاء کا اختلاف کہلاتا ہے۔ یا اس میں دونوں برحق ہوتے ہیں لیکن استفتاء کی یہ عبارت جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے استفتاء میں نہیں ہے۔

(۳) دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی نے جو نقل بھیجی ہے اس کے استفتاء مین یہ عبارت زائد ہے: سوال (۲) زید کا کہنا ہے کہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف صواب وخطا کا اختلاف ہے۔ بکر کہتا ہے۔ نہیں۔ اختلاف جب بھی ہو تو اس کے تین مدارج ہیں۔

(۱) حق و باطل کا اختلاف جیسے عقیدہ ختم نبوت اور نظریہ امامت کا اختلاف ہے (۲) صواب وخطاء کا اختلاف مثلاً ہمارے خیال میں جہری نماز میں قراءت خلف الامام کا اختلاف (۳) اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف مثلاً رفع یدین کا اختلاف۔ اس میں بکر کا کہنا ہے کہ اولیٰ وغیر اولیٰ حق کے ہی دو پہلو ہیں اور دونوں صواب کے پہلو بھی ہیں کسی مسئلہ میں اختلاف کے پہلو متعین کرنے میں تو بحث ہوسکتی ہے مگر جب بھی اولیٰ اور غیر اولیٰ کا لفظ کہیں استعمال ہوگا تو وہ حق و باطل اور صواب وخطا سے ہٹ کر تیسری قسم کا اختلاف ہوگا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا کہنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا وتوجروا (سائل بالا)۔

بددیانتی

مؤلف ''اصل حقیقت'' نے ان استفتاؤں کی مندرجہ عبارت بالکل نقل نہیں کی۔ اور نہ ہی مفتی صاحبان کا اس کے تحت جواب نقل کیا ہے۔ یہ ان کی کھلی بددیانتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ چونکہ اس سوال نمبر۲ کے جوابات مؤلف مذکور کے مقصد کے موافق نہ تھے اس لیے انہوں نے اس حصہ کے استفتاء اور جواب کو بالکل ہی حذف کر دیا ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نقل فتاویٰ فتویٰ بنوری ٹاؤن

اور جامعہ فاروقیہ کراچی سے استفتاء کی نقل بھی وہی آئی ہے جو ''اصل حقیقت'' میں منقول ہے۔

① جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فتویٰ کی نقل حسب ذیل ہے:

الجواب

باسمہ تعالیٰ۔ بصورت مسئولہ زید کا نظریہ کہ دونوں فریق حق پر تھے اور ان میں سے کسی پر زبان درازی نہیں کی جائے گی بالکل صحیح ہے اگر چہ بہت سے علمائے کرام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد مخطی تسلیم کرلیا ہے تاہم زید کا قول احتیاط کا مسلک ہے اور ایسے شخص کو اہل سنت سے خارج کہنا کجی کی دلیل ہے لہٰذا جو حضرات اس مسئلہ میں توقف کرتے ہیں یا دونوں فریق کو برحق سمجھتے ہیں وہ اہل سنت میں سے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

تبصرہ

اہل السنّت والجماعت میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو فریقین کو حق پر نہ سمجھتا ہو۔ اور خطائے اجتہادی حق کے دائرے میں ہی ہوتی ہے نہ اس سے خارج۔

(ب) خطائے اجتہادی کے قول میں نہ تنقیص اور بے ادبی ہے نہ زبان درازی بلکہ اس پر بھی ایک گونہ حسبِ حدیث نبوی ثواب ملتا ہے۔

نقل فتویٰ دارالعلوم کراچی

الجواب: ① حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو اختلافات پیش آئے ان کے بارے میں علماء اہل سنت نے دو طریقے اختیار کیے ہیں۔ بعض حضرات نے اس معاملہ میں توقف اور سکوت اختیار فرمایا اور کسی بھی فریق کے احقاق یا ابطال کی ضرورت نہیں سمجھی اور بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برحق قرار دیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہا کہ ان سے خطائے اجتہادی ہوئی تھی یہ دونوں نقطہ نظر

جائز ہیں اوران میں سے کسی کے موقف کو بھی اہل سنت میں سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ سلامتی اور احتیاط کا راستہ یہی ہے کہ بلا وجہ ان اختلافات میں کوئی محاکمہ نہ کیا جائے۔ تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔ لہٰذا عمرو کا یہ کہنا کہ توقف اختیار کرنے والا اہل سنت سے خارج ہے درست نہیں۔ مقدمہ اعلاء السنن اور الملل والنحل لابن حزم میں جو بات لکھی گئی ہے اور جن حضرات کی طرف اسے منسوب کیا گیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اہل سنت سے خارج نہیں۔

② اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف اگر مجتہدین کے مابین ہو تو وہ خطاء اور صواب کا اختلاف نہیں کہلائے گا لیکن اگر یہ اختلاف غیر مجتہدین کے مابین ہو (مثلاً غیر مجتہد اولیٰ کو غیر اولیٰ کہتا ہے) تو یہ اختلاف خطا اور صواب کا اختلاف کہلائے گا کتبہٗ محفوظ احمد۔ دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔

نقل اصل کے مطابق ہے۔ محمد عبدالحنان الجواب صحیح

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

تبصرہ

① بالکل صحیح فرمایا کہ مندرجہ دونوں قولوں کی بنا پر کسی کو اہل سنت سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا اور استفتا میں جو تیسرا قول درج کیا گیا ہے۔ یہ اہل سنت میں سے کسی کا بھی قول نہیں ہے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک اجتہادی اختلاف میں صواب وخطا کا تقابل ہوتا ہے نہ کہ حق و باطل کا۔

(ب) یہ بھی صحیح ہے کہ بلا وجہ اختلافات صحابہ میں کوئی محاکمہ نہ کیا جائے احتیاط اسی میں ہے لیکن ضرورت کے وقت جمہور اہل السنّت والجماعت کے ارجح اور اقوی موقف کی دلائل سے تائید وتصویب جائز ہے اور اسی ضرورت کے تحت متکلمین نے اس

میں بحث کی ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء وغیرہ میں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث نے تحفہ اثنا عشریہ میں اور اکابر دیوبند میں سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی وغیرہ اکابر نے مشاجرات صحابہ پر بحث کی ہے۔ چنانچہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ بعنوان ''صحابہ کرام وخلفائے راشدین کے متعلق ضروری عقائد'' عقیدہ نمبر ۱۱ کے تحت لکھتے ہیں:

صحابہ کرام کے مشاجرات یعنی ان کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا حرام ہے مگر بضرورت شرعی بہ نیت نیک جن صحابہ کرام میں باہم کوئی جھگڑا ہوا تو ہمیں دونوں فریق سے حسن ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے جس طرح دو پیغمبروں کے درمیان میں اگر کوئی بات اس قسم کی ہو جائے تو ہم کسی کو برا نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں پر ایمان لانا نص قرآنی سے ہم پر فرض ہے۔'' اسکے بعد (فائدہ) کے تحت مولانا لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس (یعنی جنگ صفین کی) لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی مگر اس خطا پر ان کو بُرا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں صاحبِ فضائل ہیں اور ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے۔ ایسی خطاء کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں۔ جس پر عقلاً وشرعاً کسی طرح مواخذہ نہیں ہوسکتا۔ (مقدمہ کتاب خلفائے راشدین ص ۱۱، ۱۲)

اور اس ضرورت کی بنا پر خود امام حزم رحمہ اللہ نے الفصل فی الملل والا ہواء والنحل حصہ چہارم میں بحث کی ہے۔ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ بھی سکوت اور احتیاط پر قائم نہیں رہے۔ اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے تو اپنے پسندیدہ اور قوی ترین مسلک ''توقف وسکوت'' کا اتنا مذاق اڑایا کہ ۴۸۰ صفحات کی ضخیم کتاب

''اظہارحقیقت'' جلد دوم صرف جنگ جمل اور جنگ صفین کے محاکمہ میں تحریر کردی۔ اس بحث میں مؤلف ''اصل حقیقت'' کے نزدیک یہ حضرات قصوروار نہیں ہیں۔ قصور صرف میرا ہے کہ خارجی فتنہ حصہ اوّل میں مشاجرات صحابہ پر بحث کر کے کیوں جمہور اہل السنّت والجماعت کا مسلک (خطائے اجتہادی) مدلل اور منقح کردیا ہے۔

② اہل السنّت والجماعت کے نزدیک انبیائے کرام علیہم السلام سے ترک اولیٰ کا صدور ہو جاتا ہے۔ جس کو زلّت اور لغزش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ زلت فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ازیں محققین اہل سنت انبیائے کرام کی طرف اجتہادی کی نسبت بھی کردیتے ہیں۔ لیکن یہ خطا صوری ہوتی ہے نہ کہ حقیقی۔ البتہ ان کے بلند مقام کی نسبت سے ان کو خطاء کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے حسنات الابرار سیئات المقربین۔

خطائے اجتہادی کا اطلاق

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: حضرت حق وسبحانہ وتعالیٰ بوحی قطعی آں سرور راعلیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اطلاع برسہو ونسیاں اومی فرمودہ وصواب راازخطا متمیز ساختہ کہ تقریر نبی برخطا مجوز نیست کہ مستلزم رفع اعتماد است۔

(مکتوبات جلد دوم مکتوب نمبر ۹۶)

حق تعالیٰ قطعی وحی کے ذریعہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے سہو ونسیاں پر اطلاع دے دیتا ہے۔ اور صواب وخطا میں تمیز کردیتا ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا خطا پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے شریعت پر اعتماد اٹھ سکتا ہے۔

یہاں حضرت مجدد نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ خطا استعمال کیا ہے۔ جس سے مراد سہو اور ترک اولیٰ بھی ہے۔ مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب ''علمی محاسبہ'' اور مختصراً یہ بحث میں نے ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں بھی کی ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۷۵ تا ص ۸۱) اور یہ بھی ایک حیرت انگیز غلو

ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی تو امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کے لیے لفظ خطا استعمال کریں تو وہ عصمت نبوت کے منافی نہ ہو۔لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اگر خطائے اجتہادی کا اطلاق کیا جائے تو یہ عظمتِ صحابہ کے منافی بلکہ بغض معاویہ رضی اللہ عنہ پر محمول کیا جائے۔

نقل فتویٰ دارالافتاء والارشاد کراچی

الجواب باسم ملہم الصواب۔ زید کا کہنا درست ہے۔توقف افضل ہے اور قائل توقف کو دائرہ اہل سنت سے خارج کہنا درست نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

② یہ اختلاف صرف لفظی ہے اگر باطل کو عقائد حقہ کے مقابلہ میں کہا جائے تو اولیٰ وغیر اولیٰ کو حق و باطل کا اختلاف نہ کہیں گے اور عقائد اہل سنت والجماعت کے مابین جو مسائل مختلف فیہا ہیں جن میں بعض اقوال غیر اولیٰ۔بعض راجح اور بعض مرجوح ہوتے ہیں۔ باطل سے مراد ان میں مرجوح یا غیر اولیٰ ہوں تو اس معنی سے صحیح ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ:......دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کی اس نقل پر مفتی صاحب کا نام جمیل احمد لکھا ہے۔اور الجوابؒ صحیحؒ پر نام مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کا ہے۔ پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ مؤلف مذکور نے استفتاء نمبر۲ اور اس کا جواب نقل نہیں کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان جوابات سے ان کا مقصد حل نہیں ہوسکتا۔مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے جواب میں یہ لکھا ہے کہ: باطل سے مراد ان میں مرجوح یا غیر اولیٰ ہوں تو اس معنی سے صحیح ہے۔" چنانچہ اسی بنا پر اکابر اہل سنت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے باطل اور جور وغیرہ کے الفاظ کا اطلاق کیا ہے۔جس سے مراد صورت ہے نہ حقیقت۔اور بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں گناہ نافرمانی کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور پھر ساتھ ہی اس کی توجیہ بھی کر دی ہے۔لیکن باوجود اس کے مؤلف مذکور اس کو معاویہ دشمنی قرار دیتے ہیں۔اگر مفتی رشید احمد صاحب کا یہ جواب نقل کر دیتے تو ان کی بہتان تراشیوں کا پردہ چاک ہو جاتا تھا اس لیے انہوں نے خلاف دیانت وامانت استفتاء نمبر۲ اور اس کا جواب ہی حذف کر دیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۲۸ مفترض الطاعۃ کی بحث

مؤلف ''اصل حقیقت'' لکھتے ہیں: بلکہ چکوالی صاحب تو مسلک رفض کی تائید میں اپنے ان پیشواؤں سے بھی آگے نکل گئے کیونکہ ان دونوں (یعنی مودودی صاحب اور مولانا لعل شاہ صاحب) نے کہیں کھل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مامور من اللہ مفترض الطاعۃ اور معصوم عن الذنوب ہونے کی بات نہیں کی جبکہ چکوالی صاحب اس خطرناک عقیدے کے بھی قائل ہیں وہ اپنے خارجی فتنہ میں لکھتے ہیں:

آیت استخلاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گویا اللہ تعالیٰ نے خود خلیفہ مقرر فرمایا ہے اور ان کا انتخاب بھی اس کی خصوصی توفیق اور وعدہ کے تحت صحیح ہوا ہے۔ لیکن سندیلوی صاحب خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی طرفداری نہیں کرتے۔ (ص ۴۵۱)

آگے چل کر لکھتے ہیں: جب حکمین نے آپ کو معزول کر دیا تو چونکہ یہ فیصلہ آیت استخلاف کے خلاف تھا اس لیے آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) اس کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔** کہ جس کام میں خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔ اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے اور اگر حضرت علی المرتضیٰ حکمین کا فیصلہ منظور فرما لیتے تو یہ بھی آیت کے تقاضا کے خلاف ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام وہ کر ہی نہیں سکتے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہی عمل صادر ہوا جو مرضی خدا تعالیٰ کے عین مطابق تھا۔ (ص ۴۵۵)

مزید آگے چل کر لکھتے ہیں: یہاں تو معاملہ حضرت مرتضیٰ کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حسب آیت استخلاف اپنے وعدہ کے مطابق خلیفہ مقرر فرمایا ہے اگر خلیفہ موعود کسی گورنر کو معزول کرنے کا حکم دیں تو ان کو اس کا استحقاق بھی ہے اور ان کا یہ حکم صحیح بھی ہے کیونکہ خلیفہ موعود کی رہنمائی اس قسم کے اہم معاملات میں وہی کرنے والا ہے جس نے ان کو

منصب خلافت عطا فرمایا ہے۔ (ص ۶۲۷)

اس قسم کی عبارتیں چکوالی صاحب کے خارجی فتنہ میں بہت ہیں۔ ہمارے استدلال کے لیے پیش کردہ اقتباسات بھی کافی ہیں۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ چکوالی صاحب کی ان عبارتوں میں رافضیوں کا تصور امامت جھلک رہا ہے یا نہیں؟ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ صرف اللہ کا مقرر کردہ خلیفہ (مامور من اللہ) کہتے ہیں بلکہ ان کو مفترض الطاعۃ قرار دیتے ہوئے ان سے کسی قسم کے اختلاف کا حق بھی رعایا کو نہیں دیتے اور نہ ان سے مرضی الٰہی کے خلاف کسی کام کے ہونے کا امکان سمجھتے ہیں (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ (معصوم عن الذنوب تھے) سوال یہ ہے کہ اگر ان عقائد و تصورات کے باوجود چکوالی صاحب سنی مسلمان ہیں تو پھر رافضیوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم ان کے نظریہ امامت کو کفر اور انکار ختم نبوت قرار دیتے ہیں۔ ع

ہے سوچنے کی چیز اسے بار بار سوچ

(اصل حقیقت ص ۷۳)

الجواب

① میری مذکورہ عبارتوں سے مؤلف مذکور کا یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ شیعہ عقیدہ امامت ہے ان کی جہالت وغباوت ہے یا ضد وعداوت۔ کیونکہ کسی سنی عالم نے ان کا مطلب یہ نہیں سمجھا اور نہ کوئی علم و دیانت والا ان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے اگر ایسا ہوتا تو تبصرہ نگار علمائے کرام میرے پیش کردہ موقف وعقیدہ کی کیونکر واضح تائید کر سکتے تھے۔ کیا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی وغیرہ علماء مؤلف کے نزدیک رافضی عقیدہ امامت کے قائل ہیں؟ مؤلف کا یہ جھوٹ ان کو کیونکر ہضم ہو سکے گا۔

② اگر میری مذکورہ عبارتیں شیعہ عقیدہ امامت پر دلالت کرتی ہیں تو پھر مولانا سندیلوی بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مامور من اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ کی قرآنی موعودہ خلافت کے لیے وہی الفاظ استعمال کیے ہیں جو

مولانا سندیلوی نے حضرت صدیق اکبر کے لیے استعمال کیے ہیں اور میں نے سندیلوی صاحب ہی پر اتمام حجت کے لیے یہ الفاظ دہرائے ہیں۔ چنانچہ میں نے قرآن کی موعودہ خلافت کے سلسلہ میں مولانا سندیلوی کے ایک غیر مطبوعہ مضمون محررہ ۱۸/ محرم ۱۳۹۳ھ کے حسب ذیل اقتباسات نقل کیے ہیں۔ جو انہوں نے حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی حقانیت کے ثبوت میں لکھا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص اور مرضی الٰہی تھی

(مولانا محمد اسحاق سندیلوی)

(۱) بعنوان ''نص قرآنی سے خلافت صدیقی کا ثبوت'' لکھتے ہیں:

''خلافت صدیقی مرضی الٰہی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا کہ انہی کو خلیفہ و امام بنایا جائے۔ (ص ۳)

(۲) اگر خلافت صدیقی کو موعودہ اور مامور بہا خلافت نہ سمجھا جائے تو آیت کے اس جزو کے کوئی صحیح معنی نہیں بن سکتے اور نہ وعدۂ الٰہی کا ایفاء سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس لیے اس نص قرآنی کا اقتضاء یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو موعودہ منصوصہ خلافت اور آں ممدوح کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بلافصل اور امت کا امام برحق تسلیم کیا جائے۔ (ص ۸)

(۳) یہ آیت خلافت صدیقی کے لیے نص ہے جس کا اقتضاء یہ ہے کہ آں محترم کو خلیفہ منتخب کرنا رضائے الٰہی اور حکم الٰہی کے مطابق تھا۔ (ص ۱۱)

(۴) خلافت صدیقی کا کتاب الٰہی میں منصوص ہونا ثابت ہو چکا۔ (ص ۱۱)

مولانا سندیلوی کی مذکورہ عبارتیں بندہ نے ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' میں درج کر دی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا سندیلوی حضرت صدیق کی خلافت کو مرضی الٰہی۔ مامور بہا (جس کا اللہ نے حکم دیا ہے) اور منصوص (قرآن سے ثابت) مانتے ہیں علاوہ ازیں اسی مضمون کے بعض اقتباسات میں نے ''خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۴۴

پر درج کر دیئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

گویا کہ صحابہ کرام سے فرمایا جارہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد تم خلیفہ کا انتخاب کرنا۔ ہماری توفیق خاص تمہاری رفیق ہوگی اور یہ نظام خلافت ہمارا موعودہ اور پسندیدہ ہوگا۔ (ص۵)

② اس لیے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا گویا یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملے میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب بالکل صحیح انتخاب ہوگا۔

③ اس لیے امر بصورت وعدہ فرمایا گیا تاکہ انتخاب کے بعد وہ مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ عین مرضی الٰہی تھا۔''

④ یہ بات روز روشن سے زیادہ روشن ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں۔ اور اُنہیں کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں مقرر فرمایا تھا۔ کیونکہ استخلاف کو آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ نے خود اپنی ذات اقدس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

⑤ خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت کا منکر بھی فاسق اور مستوجب عذاب آخرت ہے۔ یہ ان کی خلافت کے حق ہونے کا اعلان ہے اور ان کے مخالفین کے لیے تہدید۔ ظاہر ہے کہ شیعہ ہی ان کی خلافت کے منکر ہیں۔ (ص۱۱)

قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ میں نے حضرت علی المرتضٰی کی خلافت موعودہ کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں کیا وہی نہیں ہیں جو مولانا سندیلوی نے حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے لیے لکھے ہیں۔ یعنی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت مرضی الٰہی تھی۔ مامور بہا تھی۔ آں محترم کو خلیفہ منتخب کرنا رضائے الٰہی اور حکم الٰہی کے مطابق تھا۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں مقرر فرمایا تھا۔ خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت کا منکر بھی فاسق اور مستوجب عذاب آخرت ہے۔ تو اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے ایسی عبارت لکھی جائے تو وہ مسلک اہل السنّت

والجماعت کے مطابق ہو۔ اور یہی الفاظ حضرت علی المرتضٰی کے لیے استعمال کیے جائیں تو اس کو شیعیت قرار دیا جائے کیا مؤلف اصل حقیقت کا یہ فرق کرنا بغض علی رضی اللہ عنہ پر مبنی نہیں ہے؟ مؤلف کے اندر اگر دیانت کی کوئی رمق بھی ہوتی تو ان پر لازم تھا کہ مولانا سندیلوی کی بھی مذکورہ عبارتیں نقل کرتے۔ کیونکہ ان کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد ہی میں نے حضرت علی المرتضٰی کے لیے مذکورہ الفاظ لکھے تھے اور اس سے مولانا سندیلوی پر اتمام حجت کیا تھا اور یہ اس بنا پر تھا کہ مولانا سندیلوی خود تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کی مصداق ہے یعنی حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے۔ (جواب شافی ص ۱۰)

مولانا سندیلوی کی اسی عبارت کی بنا پر میں نے یہ لکھا ہے کہ:

چونکہ سندیلوی صاحب کے اپنے قول کے مطابق حضرت علی المرتضٰی بھی خلیفہ موعود ہیں اس لیے باقتضائے نص قرآنی یہ ایمان رکھنا ہوگا کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی المرتضٰی امام برحق ہیں اور انہی کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں مقرر فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ان کا انتخاب خلافت بھی بالکل صحیح تھا۔ اور اس انتخاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں پائی گئی۔"

(خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۵۰)

اگر مؤلف اصل حقیقت حضرت صدیق اکبر کو تو مذکورہ الفاظ کا مصداق مانتے ہیں اور اس کو شیعہ عقیدہ امامت نہیں قرار دیتے۔ مگر ان الفاظ کا مصداق حضرت علی المرتضٰی کو قرار نہیں دیتے (حالانکہ میں نے مولانا سندیلوی کے الفاظ ہی دوہرائے ہیں) اور اسکو شیعہ عقیدہ سمجھتے ہیں تو پھر ہر ذی شعور آدمی اس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مؤلف مذکور کا پیٹ حضرت علی المرتضٰی کے بغض سے بھرا ہوا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن کی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق نہیں مانتے۔ تو پھر خارجیت کس بلا کا نام ہے؟

④ انہی آیات اور ان کے تقاضا کے تحت میں نے مولانا سندیلوی کی بعض

عبارتیں پیش کی تھیں جن میں سے نمبر ۵ کے تحت ان کی یہ عبارت لکھی تھی:

''حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۳)

اس عبارت پر میں نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ تو فرمایا تھا کہ موعودہ خلفاء کے انتخاب میں غلطی نہیں ہونے دے گا۔ اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے حکم اور وعدہ کے تحت خلیفہ بنا ہی دیا۔ لیکن فریق ثانی کی اتنی قوت تھی کہ دوبارہ انتخاب میں ہوسکتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شکست کھا جاتے۔ یہ ہے سندیلوی صاحب کا قادر مطلق کے وعدہ اور حکم پر ایمان؟

(خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۵۳)

نقطہ بحث

جب مولانا سندیلوی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذوالنورین کی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی قرآن کا موعودہ خلیفہ مان لیا یعنی وعدہ کی صورت میں یہ ایک امر خداوندی تھا اور اسکے مطابق چاروں حضرات کو منصبِ خلافت عطا ہوا تو اس کے بعد یہ لازم آجاتا ہے کہ ان کی معزولی کا مطالبہ عنداللہ ناجائز تھا۔ چنانچہ میں نے اسی بنیاد پر لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قرآنی وعدے اور فیصلے کے بعد بھی اگر سندیلوی صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حالات کے تحت یہ مطالبہ صحیح تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہوجائیں اور دوبارہ آزادانہ انتخاب کرایا جائے۔

② ان کے لیے حالات کے تحت قرآن کے موعودہ خلیفہ کا معزولی کے سلسلہ میں حکم ماننا جائز ہی نہ تھا۔

③ بجائے حکم ماننے کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ وقتال کرنا جائز تھا خواہ وہ دفاعی ہو۔

④ جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار کے بیعت کرنے کے باوجود بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیعت نہ کرنا صحیح تھا۔

⑤ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ منتخب کرنے کے باوجود بھی ان کے دور خلافت میں حکمین یا غیر جانبدار کا یہ فیصلہ صحیح تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی جگہ مستقل خلیفہ ہیں۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۸۱)

حکمین کی خطائے اجتہادی مؤلف کا جھوٹ ۲۹

مؤلف اصل حقیقت ماتمیوں کی طرح یہ واویلا کر رہے ہیں کہ میں نے حکمین کو ضال اور مضل قرار دیا ہے (اصل حقیقت ص ۹) حالانکہ میں نے یہ الفاظ نہیں لکھے۔ میری طرف ان الفاظ کی نسبت کرنا ان کا کھلا جھوٹ ہے۔ بلکہ میں نے بعنوان ''حکمین خطا کریں گے'' یہ لکھا تھا کہ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: باز از واقعہ تحکیم اِخبار فرمود فی الخصائص اخرج البیھقی عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انّ بنی اسرائیل اختلفوا فلم یزل اختلافھم فیما بینھم حتی بعثوا حکمین فضلّا وَاضلّا و ان ھذہ الامۃ مختلفۃ فلا یزال اختلافھم بینھم حتیٰ یبعثوا حکمین ضلّا و ضلّ من اتبعھما۔ مراد از ضلاّ آنست کہ خطا کردہ اندر اجتہاد خود و مراد از ضلّ من اتبعھما آنست کہ ایں خطاء موجب مفاسد کثیرہ گشت از انجملہ خروج خلافت از دست مہاجرین اوّلین بسوئے سائر قریش واز اں جملہ برآمدن خوارج متمسک بآنکہ تحکیم در دین اللہ صحیح نبود۔ (ازالۃ الخفاء فارسی جلد دوم ص ۲۷۶ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)۔

ترجمہ: ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ تحکیم کی خبر دی۔ خصائص میں ہے کہ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اختلاف پیدا ہوا جو بڑھتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے حکمین (دو ثالث) مقرر کیے تو انہوں

نے غلط فیصلہ کیا اور دوسروں کو بھی غلطی پر ڈالا۔ اور اس امت میں بھی اختلاف پیدا ہوگا۔ ان کا اختلاف بھی بڑھے گا حتیٰ کہ وہ حکمین کو مقرر کریں گے جو غلطی کریں گے اور جو ان کی پیروی کریں گے وہ بھی غلط راہ پر چلیں گے۔ ان ثالثوں کے گمراہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے اور ان کی پیروی کرنے والے گمراہ ہوں گے سے مراد یہ ہے کہ یہ خطا بہت مفاسد کا موجب بن گئی جن میں سے ایک یہ ہے کہ خلافت مہاجرین اوّلین میں سے نکل کر دوسرے قریش کی طرف چلی گئی اور ایک یہ ہے کہ خوارج پیدا ہوئے جنہوں نے یہ قول اختیار کیا کہ اللہ کے دین میں تحکیم (کسی کو ثالث مقرر کرنا) صحیح نہیں ہے۔

مؤلف کی بددیانتی

یہ ساری عبارت میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پیش کی تھی جس میں انہوں نے ایک حدیث نبوی کی تشریح فرمائی ہے لیکن مؤلف اصل حقیقت نے یہ بددیانتی کی کہ نہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا نام لیا اور نہ ان کی عبارت کا۔ اور ضلّا واضلّا کے الفاظ کی نسبت میری طرف کردی تاکہ ناواقف قارئین یہ سمجھیں کہ چکوالی نے حضراتِ حکمین کے لیے ضلّا واضلّا کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث شریف کے الفاظ تھے اور اس حدیث سے استدلال کرنے والے حضرت شاہ ولی اللہ محدث ہیں۔ اگر مؤلف کا اعتراض ہے تو دراصل حدیث پر ہے اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی پر اس کے بعد میری باری آتی ہے۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ نے ضلّا واضلّا کی مراد بھی واضح کردی ہے کہ ان ثالثوں سے اجتہادی غلطی سرزد ہوگی تو اب اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ ہاں اگر مؤلف اجتہادی خطاء کی حکمین کی طرف نسبت کرنے کو بھی گناہ سمجھتا ہے تو اس کا اپنا مذہب ہے۔ جس کا مذہب اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں۔

حکمین کی نافرمانی اور گناہ صورتاً ہے نہ حقیقتاً

حکمین کے فیصلہ کے بارے میں بندہ نے یہ بھی لکھا کہ یہ دونوں فیصلے آیت استخلاف کے خلاف ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ موعود کو کوئی معزول نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافت کی موجودگی میں کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ سندیلوی صاحب اپنے اوہام و وساوس کے جال کو وسیع دائرہ میں پھیلاتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے وقت آیت استخلاف اور اس کے تقاضے سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ آخر اس کا باعث کونسا داعیہ ہے؟

سندیلوی صاحب کا زیر بحث مسئلہ میں یہ کہنا کہ: نصب وعزل امام کا مسئلہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۸۱) بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد ان کو معزول کرنا اختلافی واجتہادی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۵۸)

میرا یہ اعتراض مولانا سندیلوی پر ہے اور وہ بھی اس بنیاد پر کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قرآن کی نص کے تقاضا کے تحت خلیفہ موعود مان رہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے وعدہ کے مطابق اسی طرح خلیفہ برحق بنایا جس طرح پہلے تین خلفاء راشدین کو بنایا تھا۔ یہ عقیدہ تسلیم کرنے کے بعد کوئی سلیم الطبع اور ذی شعور انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسے خلیفہ موعود کو معزول کرنے اور نئے انتخابات کرانے کا مطالبہ یا ان کی موجودگی میں کسی اور کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ جائز ہوسکتا ہے؟ اگر کوئی اس نتیجہ کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ انتہائی جاہل اور غبی ہے یا ضدی اور عنادی۔

② جس طرح قرآن کے تیسرے خلیفہ موعود کی معزولی کا مطالبہ جائز نہ تھا اسی طرح قرآن کے چوتھے خلیفہ موعود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ بھی جائز نہ تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ حضرت مرتضیٰ علی کے حق میں

ایک دوسری ایسی وجہ پائی جاتی ہے جو قتال کے بارے میں ان کے سخت ہونے کو ضروری قرار دیتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت مرتضیٰ خلافت کا خلع نہ کریں (یعنی دستبردار نہ ہوں) اور اس کے قواعد کے مستحکم کرنے میں پوری پوری سعی کو کام میں لائیں تاکہ قیامت کے دن خلفاء کے زمرے میں مبعوث ہوں اس کی نظیر ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے (کہ آپ نے حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہونا گوارا کیا مگر خلافت سے خلع منظور نہ کیا۔ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد چہارم ص ۵۳۵۔ ناشر قدیمی کتب خانہ کراچی)

چاروں خلفائے راشدین کی باہمی افضلیت تو بترتیب خلافت ہے لیکن قرآن کی موعودہ خلافت کا مصداق چاروں ہیں۔ اگر بالفرض حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ جائز قرار دیا جائے تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کی معزولی کے مطالبہ کا جواز بھی نکل سکتا ہے بلکہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کا بھی۔ اور اس سے اوپر حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی مخالفت کا جواز بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہی کی خصوصیت ہے کہ ان خلفائے راشدین کی مخالفت۔ ان کی معزولی کا مطالبہ اور ان سے جنگ وقتال کے جواز کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معذور تھے

البتہ فرق یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جو شدید اختلاف کیا حتیٰ کہ جنگ وقتال کی نوبت آ گئی تو اس میں وہ حضرات معذور ہیں کیونکہ اس وقت کسی کو یقین نہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ اور بندہ نے اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل میں بھی اس کی تصریح کر دی ہے کہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ نصوص صحابہ کرام کے پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت وحدیث میں

خلفائے اربعہ کے نام نہیں تھے۔اس وقت صحابہ کرام نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کرلیا اور وہ اس میں معذور تھے۔بحیثیت شرف صحابیت کے ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص میں شبہ نہیں کرسکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوگیا تھا اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیصِ شان کیونکہ اجتہادی خطا پر بھی از روئے حدیث بخاری ایک گونہ ثواب ملتا ہے تو کارِ ثواب پر ملامت کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔ (ص ۵۳۴)

صحابہ کرام آپس میں اختلاف کا حق رکھتے تھے

اور بندہ مولانا سندیلوی کے جواب میں یہ بھی لکھ چکا ہے کہ:

یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔فرمایئے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ یقین ہوجاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے معزول ہونے کا مطالبہ کرسکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔وہ معذور تھے لیکن اب جب ہمیں یہ یقین حاصل ہے اور (بقول مولانا سندیلوی) ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا ہمارے لیے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے'' اور اسی بنا پر امام غزالی رحمہ اللہ بھی خلفائے اربعہ کو بالترتیب امام حق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔چنانچہ احیاء العلوم جلد اوّل کی عبارت کتاب ہٰذا ص ۳۲۱ پر پیش کی جاچکی ہے۔تو اب زیرِ بحث مسئلہ میں اہل السنّت والجماعت کا یہی موقف صحیح قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے قرآن کے خلیفہ راشد وموعود کے ساتھ جنگ وقتال کرنے میں خطا ہوگئی تھی اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ تنقیص ہے اور نہ بے ادبی۔(خارجی فتنہ جلد اوّل ص ۵۲۲)

بندہ نے جو کچھ لکھا ہے قرآن وحدیث کی نصوص کی روشنی میں لکھا ہے اور محققین اہل سنت کے مطابق لکھا ہے۔اس وقت ہماری بحث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ

ان لوگوں سے ہے جو حضرت علی المرتضٰی کا قرآن کو خلیفہ موعود مان کر بھی یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے معزولی کا اور جدید انتخاب کا مطالبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صحیح تھا۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے ان کا جنگ وقتال کرنا بھی صحیح تھا بلکہ اس جنگ صفین میں بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے۔ حالانکہ کوئی اہل علم وفہم بھی حضرت علی المرتضٰی کو موعودہ خلیفہ تسلیم کرنے کے بعد یہ نظریہ اختیار نہیں کرسکتا۔ جمہور اہل السنّت والجماعت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کا قول قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد سے قتال کرنے کی بنا پر ہی کیا ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا تسلیم کرنے سے آپ کی ادنیٰ سے ادنیٰ تنقیص و بے ادبی بھی لازم نہیں آتی۔ اور نہ اس کو ایسی تنقید کہہ سکتے ہیں جس سے تمام صحابہ کرام بالاتر ہیں اور نہ اس کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق اور معیارِ حق ہونے کی نفی لازم آتی ہے کیونکہ اجتہادی اختلاف حق کے دائرہ میں ہی رہتا ہے۔ یہ صرف خارجیت ہی کی نحوست ہے کہ اجتہادی خطا کے قول کو بغض معاویہ رضی اللہ عنہ پر محمول کیا جارہا ہے۔ العیاذ باللہ

اجتہادی خطاء ماننا عقیدہ اہل سنت میں داخل ہے

حافظ ابن کثیر مفسر ومحدث متوفی ۷۷۴ھ حدیث اولی الطائفتین بالحق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وان اصحاب علیؓ اولی الطائفتین الی الحق وھذا ھو مذھب اھل السنة والجماعة ان علیا ھو المصیب وان کان معاویہؓ مجتھدًا وھو ماجور ان شآء اللہ ولکن علیّا ھو الامام فلہ اجران (البدایة والنھایة جلد ۷ ص ۲۸۰ طبع بیروت) ''اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں گرہوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ زیادہ حق پر تھے اور اہل السنّت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (اپنے اجتہاد میں) صواب پر تھے۔ اگرچہ حضرۃ معاویہ کو بھی مجتہد ہونے کی وجہ سے (ایک) اجر ملے گا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اس وقت

امام تھے۔ اس لیے ان کو دو اجر ملیں گے‘‘

فرمائیے! حافظ ابن کثیر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخطی ہونے کو اہل السنّت والجماعت کا مذہب قرار دے رہے ہیں۔

۲ علاوہ ازیں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

’’شیخ ابوشکو سالمی در تمہید تصریح کردہ کہ اہل السنّت والجماعت برانند کہ معاویہ رضی اللہ عنہ با جمع از اصحاب کہ ہمراہ او بودند بر خطا بودند وخطائے ایشاں اجتہادی بود۔ وشیخ ابن حجر در صوائق گفتہ کہ منازعت معاویہ رضی اللہ عنہ با امیر از روئے اجتہاد بودہ۔ وایں قول را از معتقدات اہل سنت فرمودہ۔‘‘ (مکتوبات جلد اوّل مکتوب نمبر ۲۵۱)

شیخ ابوشکور سالمی رحمہ اللہ اپنی کتاب تمہید میں تصریح فرماتے ہیں کہ اہل السنّت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مع اپنے حامی صحابہ کے خطا پر تھے اور ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اور شیخ ابن حجر مکی اپنی کتاب ’’صواعقِ محرقہ‘‘ میں فرماتے ہیں کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نزاع اجتہاد کی بنا پر تھا اور آپ نے فرمایا ہے کہ یہ قول عقائد اہل سنت میں سے ہے۔‘‘

علاوہ ازیں اور اقوال بھی محققین اہل سنت کے بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں نقل کر دیئے ہیں۔

لیکن مؤلف ’’اصل حقیقت‘‘ کا جو روگ ہے اس کے سامنے نہ قرآن کی موعودہ خلافت کی کوئی اہمیت ہے نہ ہی وہ اہل السنّت والجماعت کے اجماعی مسلک کو قبول کر سکتے ہیں۔ ان کو تو ہادیٔ مطلق کی طرف سے ہی کوئی ہدایت نصیب ہو تو راہ صدق وامانت پر آ سکتے ہیں۔ البتہ ناواقف قارئین کے لیے ہم نے مسئلہ مشاجرات صحابہ میں یہاں ضروری بحث کر دی ہے۔ تفصیلات خارجی فتنہ حصہ اوّل میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گناہ کی نسبت، ایک سخت علمی اشکال اور اس کا حل

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (پارہ ۲۶۔ سورۃ محمدؐ رکوع ۲) اس آیت کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے۔ اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لیے اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ اسیر مالٹا نے بھی یہی ترجمہ لکھا ہے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی یہ ترجمہ لکھا ہے: وامروز طلب کن برائے گناہاں خود ودرحق مردان مسلماں وزنان مسلمان (آپ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے بھی)۔

اس ترجمہ پر بندہ کو یہ سخت اشکال پیش آیا تھا کہ ان حضرات نے ذنب کا ترجمہ گناہ کیوں کیا ہے۔ ذنب بمعنی گناہ سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام المعصومین گناہوں سے معصوم نہ تھے۔ العیاذ باللہ۔ اس اشکال کا حل بفضلہٖ تعالیٰ یہ دل میں آیا کہ گناہ سے یہاں مراد صورتاً ہے نہ حقیقتاً اور چونکہ علماء اس قسم کے استعمال کو سمجھتے ہیں اس لیے ان حضرات نے ذنب کا ترجمہ گناہ ہی لکھ دیا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ہر ایک کا ذنب (گناہ) اس کے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہت اچھا پہلو چھوڑ کر کم اچھا پہلو اختیار کرنا گو وہ حدود جواز واستحسان میں ہو بعض اوقات مقربین میں ذنب (گناہ) سمجھا جاتا ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن کے یہی معنی ہیں (یعنی ابرار کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیاں قرار پاتی ہیں) حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو بار استغفار فرماتے تھے۔'' مؤلف مذکور کو پہلے تو حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی اور حضرت شیخ الہند پر اعتراض کرنا چاہیے تھا کہ انہوں نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گناہ کی نسبت کیوں کی ہے؟ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ پھر میری باری آنی چاہیے تھی۔ حالانکہ میں نے حکمین کی طرف نافرمانی اور گناہ کی نسبت کی ہے جو معصوم بھی نہیں اور میں نے تو ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد صورتاً گناہ اور نافرمانی ہے نہ کہ حقیقتاً۔ جس کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں لیکن جب مؤلف کی نیت میں ہی فساد ہو تو پھر کیا علاج؟

خلافت صدیقی کے متعلق ایک اہم سوال کا جواب

اہل السنّت والجماعت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ چاروں خلفائے راشدین کی خلافت از روئے وعدہ قرآنی برحق ہے۔ اس پر شیعوں کی طرف سے یہ سوال پیش کیا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو پھر سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار صحابہ نے یہ کیوں فرمایا کہ مِنّا اَمِیرٌ وَمنکم اَمیرٌ (کہ ایک امیر (خلیفہ) ہم میں سے اور ایک تم (مہاجرین) میں سے ہونا چاہیے)۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ الائمة من قریش۔ ائمہ یعنی خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔ تو انصار نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔ اگر حضرت ابوبکر کی خلافت نص قرآنی سے ثابت تھی (اور اس کو مولانا سندیلوی بھی تسلیم کرتے ہیں) تو انتخاب خلیفہ کے لیے مشورہ کیوں کیا گیا۔ اور انصار نے نص قرآنی کے خلاف اپنی امارت (خلافت) کی تجویز کیوں پیش کی؟

الجواب

① حضرت ابوبکر صدیق کے لیے قرآن کی نص بطور عبارت النص کے نہ تھی یعنی نام لے کر آپ کی خلافت کی پیشگوئی نہ تھی بلکہ بطور اقتضاء النص کے یہ وعدہ تھا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وعدہ (جو آیت استخلاف میں ہے) بنائے جانے والے خلفاء کی صفات بیان کی گئی تھیں اور وعدہ ان اصحاب سے تھا جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے۔ آیت قرآنی کے تحت کسی کو معلوم نہ تھا کہ وعدہ خداوندی کا مصداق کون کون صحابہ ہیں۔ لیکن جب بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا (اور حضرت علی المرتضیٰ نے بھی آپ کی بیعت کر لی)۔ اور آپ کی زندگی میں اور کسی صحابی کو خلافت و (حکومت) حاصل نہ تھی تو وفات کے بعد یہ بات یقیناً ثابت ہوگئی کہ اللہ کے ارادے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ بلا فصل تھے۔ اسی طرح باقی خلفائے راشدینؓ کے بارے میں بھی ان کی وفات کے بعد ہی یہ یقین حاصل ہوا کہ حضرت عمر فاروق حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق برحق خلیفہ تھے۔

سوال دوم

اسی موعودہ خلافت راشدہ کے سلسلہ میں ہی یہ سوال ہوتا ہے کہ اہل السنّت والجماعت کے عقیدہ میں جب آیت تمکین کے تحت بوجہ مہاجرین اوّلین میں ہونے کے یہی چار خلفا ہی ثابت ہوتے ہیں تو پھر انصار نے آیت تمکین کا یہ مطلب کیوں نہ سمجھا کہ خلافت مہاجرین اوّلیں کے ساتھ مختص ہے؟ اور اسی وجہ سے انہوں نے انصار میں سے بھی خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کردی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النور رکوع ۷ کی آیت استخلاف میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو تم میں سے ایمان اور عمل صالح والے ہیں کہ ضرور ان کو خلیفہ بنائے گا۔ اس آیت میں منکم عام ہے (مہاجرین اوّلین کی کوئی تخصیص نہیں ہے) جن میں انصار صحابہ بھی شامل ہیں اور سورۃ الحج کی آیت تمکین میں فرمایا: اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ یعنی اذن جہاد ان مظلوموں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا تھا کہ رب ہمارا صرف اللہ ہے۔'' اس سے مراد مہاجر صحابہ کرام ہیں۔ اسی سلسلہ کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ یعنی جن لوگوں کو گھروں سے نکالا گیا ہے (یعنی مہاجرین صحابہ) اگر ان کو ہم اس زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔'' ...... اس میں اِنْ شرطیہ ہے کہ اگر ہم مہاجرین کو اقتدار دیں تو وہ مذکورہ کام کریں گے۔ اس سے اس وقت یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا تھا کہ آیت استخلاف سے مراد بھی مہاجرین اوّلین ہی ہیں۔ کیونکہ یہ ممکن تھا کہ آیت استخلاف کے تحت انصار کو خلافت مل جائے اور آیت تمکین کے تحت مہاجرین کو۔ اس وقت یہ تخصیص نہیں سمجھی

جا سکتی تھی کہ بطور وعدہ خلافت صرف مہاجرین صحابہ کو ملے گی۔ لیکن بعد میں جب انصار میں سے کوئی خلیفہ نہیں بنا۔ اور یہ چاروں خلفائے راشدین مہاجرین اوّلین میں سے ہی ہوئے تو بعد میں اس بات پر یقین حاصل ہو گیا کہ آیت استخلاف میں منکم سے مراد انصار نہیں بلکہ مہاجرین صحابہ ہی تھے۔ اس لیے اہل السنّت والجماعت نے قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کا دور گزرنے کے بعد اس عقیدہ پر اجماع کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ صرف مہاجرین صحابہ سے تھا اور مہاجرین میں سے صرف یہی چار یارؓ خلیفہ بنے ہیں۔ اس لیے ان موعودہ خلفاء میں کسی پانچویں خلیفہ کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا اور ان چار میں سے کسی کو اس آیت کے مصداق سے نکال نہیں سکتے۔ اور گو حضرت علی المرتضیٰ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد بالاجماع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ برحق ہیں لیکن یہ دونوں حضرات باوجود خلیفہ برحق ہونے کے بوجہ مہاجرین اوّلین میں نہ شامل ہونے کے آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق نہیں قرار دیے جا سکتے اور اصل معیاری خلافت انہی چار یارؓ کی خلافت راشدہ ہے۔ جو وعدۂ خداوندی کے مطابق ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور جس طرح انبیائے کرام علیہم السلام کے مراتب میں فرق ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (یہ سب رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو خلفاء ہوئے ہیں گو سب برحق ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی برحق ہیں لیکن جو چار خلفاء کرام وعدہ الٰہی کا مصداق ہیں ان کا مرتبہ امت کے تمام برحق خلفاء میں سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ ہے خلافت راشدہ کے بارے میں اہل السنّت والجماعت کا برحق عقیدہ۔ جس سے رافضی، خارجی بلکہ مودودی بھی اتفاق نہیں کر سکتے۔ اور گو مودودی صاحب ان چاروں کو خلفائے راشدین مانتے ہیں۔ لیکن سیاسی طور پر حضرت عثمان ذوالنورین کی خلافت کی مرکزی پالیسی پر اعتراضات کر کے ان کی قرآنی خلافت راشدہ کو مجروح کرتے ہیں۔ شیعہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کے منکر ہیں۔ اور زمانہ حال کے خارجی حضرت علی المرتضیٰ کی قرآنی خلافت

راشدہ کو مجروح کرتے ہیں۔ اور مودودی صاحبان حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی قرآنی خلافت راشدہ پر اپنے تنقیدی تیر برساتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۳۰

مؤلف صاحب لکھتے ہیں کہ: چکوالی صاحب تو مسلک رفض کی تائید میں اپنے ان پیشواؤں (یعنی مودودی صاحب اور مولانا لعل شاہ بخاری) سے بھی آگے نکل گئے۔ کیونکہ ان دونوں نے کہیں کھل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مامور من اللہ۔ مفترض الطاعۃ اور معصوم عن الذنوب ہونے کی بات نہیں کی جبکہ چکوالی صاحب اس خطرناک عقیدے کے قائل ہیں۔ (اصل حقیقت ص ۷۲)

جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ مولانا سندیلوی کے الفاظ میں ہی لکھا ہے اگر اس سے عقیدہ رفض ثابت ہوتا ہے تو پھر آپ کے امام اہل سنت بھی رافضی ہیں۔ پہلے اس کی بحث گزر چکی ہے پھر دیکھ لی جائے۔ یہاں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے کہیں مامور من اللہ کی اصطلاح استعمال کی ہے اور نہ مفترض الطاعۃ ہونے کی اور نہ ہی کہیں آپ کو معصوم عن الذنوب لکھا ہے یہ مؤلف کا کھلا جھوٹ ہے۔ اگر کہیں استعمال کیے ہیں تو پیش کیجئے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین حقیقت یہ ہے کہ مؤلف مذکور بہتان تراشی اور کذب بیانی کے فن میں بڑے ماہر ہیں۔ اور شاید ہی اس فن میں کوئی مرزائی اور رافضی ان کا مقابلہ کر سکتا ہو۔

② میں نے تو نص قرآنی کے تقاضا کے تحت حضرت علی المرتضیٰ کو واجب الاطاعت قرار دیا ہے اور یہ تمام اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کا ارشاد

چنانچہ میں نے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی حسبِ ذیل عبارت جو حدیث نبوی فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (یعنی اختلاف کے زمانہ میں تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت

کی پیروی لازم ہوگی، کی تشریح میں آپ نے لکھی ہے) پیش کی تھی کہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ واجب الاطاعت خلیفہ ہیں

اسی بناء پر علمائے امت نے اطاعت امام کو غیر منصوصہ مقام میں صحت قیاس پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کی اطاعت کو باوجود اس کے ضعیف قیاس کے بھی واجب جانا ہے اور اس کے مخالف کو اگر چہ اس کا قیاس امام کے قیاس سے اظہر اور قوی ہو جائز نہیں رکھا اور اس میں راز یہی ہے کہ اس کا حکم بذاتہٖ اصول دین سے ایک اصل ہے اور ادلہ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔"

(بحوالہ منصبِ امامت مترجم اردو۔ ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۳۱/۵۵۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ مفترض الطاعۃ ہیں۔ ابن حزم

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں: وھو الامام الواجب اطاعته، الفصل ص ۶۰) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اس وقت امام تھے جن کی اطاعت واجب تھی۔

(خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۵۸)

(ب) نیز امام حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فصح ان علیا ھو صاحب الحق والامام المفترضة طاعته ومعاویة مخطئ ماجور مجتھدٌ (ایضاً الفصل جلد ۴، ص ۱۶۳)۔ اور بے شک یہ صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے حقدار اور امام مفترض الطاعۃ ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں خطا کرنے والے اور ان کو بھی (اس خطائے اجتہادی پر اجر ملے گا) لیجئے امام حزم رحمہ اللہ نے تو حضرت علی المرتضیٰ کو صراحتاً مفترض الطاعۃ امام لکھ دیا۔ (حالانکہ میں نے تو یہ الفاظ نہیں لکھے)

دیکھئے مؤلف بے حقیقت امام حزم رحمہ اللہ پر کس قسم کا تبرا ایجاد کرتے ہیں؟

امام اہل سنت رحمہ اللہ کا ارشاد

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ آیت تمکین کی تشریح کرتے

ہوئے فرماتے ہیں: ظاہر ہے کہ جماعت مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں اور زمانہ خلافت میں جو کام انہوں نے کیے ان کاموں کے پسندیدہ ہونے کا یقین کریں۔''
(تحفہ خلافت، تفسیر مجموعہ آیات قرآنی ص ۴۶۷)

امام اہل سنت کی یہ تفاسیر حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی امیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب نے تحفہ خلافت کے نام سے نئی شائع کی ہیں۔

(ب) آیت تمکین کی تفسیر میں اہل سنت لکھتے ہیں: اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ یہ مہاجرین اپنے تمکین کے زمانہ میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور امر معروف ونہی منکر کریں گے۔ اس بات کا اطمینان دلایا کہ حضرات مہاجرین مین سے جو خلیفہ مقرر ہوگا۔ زمانہ خلافت میں اس سے کوئی کام خلافِ شریعت نہ ہوگا۔ اس کے تمام احکام مطابقِ شریعت ہوں گے۔ مخالفین صحابہ اپنے ائمہ کے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عصمت کا ثبوت کرنا ان کے اوّلین وآخرین کے امکان سے باہر ہے۔ البتہ اس آیت سے حضرات مہاجرین کے لیے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان میں سے جو شخص مسند آرائے خلافت ہوگا خلافت میں ایک نمونہ عصمت جو مہاجرین کے لیے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ مخالفین صحابہ کرام کے مزعومہ معصومین کی کروڑوں عصمتیں ان پر قربان ہیں۔'' (ایضاً ص ۴۶۴)

فرمائیے! امام اہل سنت نے خلفائے اربعہ (چار یار) کے واجب الاطاعت ہونے کی پوری پوری تصریح فرمادی۔ کیا امام اہل سنت کو بھی شیعہ عقیدہ امامت سے متہم قرار دیا جائے گا۔

حضرت معاویہؓ امام مفترض الطاعۃ ہیں (عباسی)

جدید خارجیت کے بانی محمود احمد صاحب عباسی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مودودی

صاحب کی جارحانہ تنقید کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگوں نے امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اجماع کیا اور انہیں امام مفترض الطاعت جانا (یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو) وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ اور رسول اور جمہوریت کے نزدیک ان کا کیا درجہ ہے؟ (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص ۳۶)

لیجئے! عباسی صاحب نے واضح طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مفترض الطاعۃ قرار دے دیا۔ حالانکہ میں نے تو قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کے لیے بھی یہ الفاظ نہیں لکھے تھے۔ کیا مؤلف اصل حقیقت عباسی صاحب کو بھی شیعہ قرار دے کر ان پر تبرّا بازی کی مشق کریں گے سچ ہے۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

دیکھئے۔ مؤلف صاحب اب بھی شرمندہ ہوتے ہیں یا نہیں؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور امام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور آپ کے حکم نافذ کرنے والا ہے لہٰذا اس کی فرمانبرداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی آپ کی نافرمانی ہے مگر جب امام معصیت کا حکم دے تو بات ظاہر ہے کہ اس کی فرمانبرداری خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ مترجم ص ۶۰۲)

(ب) حضرت شاہ صاحب آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: باز معنی لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ایجاب انقیاد قوم است در آنچہ حق خلیفہ باشد...... ایں لفظ گویا مختصر ایجاب جمیع حقوق تفصیلیہ خلافت است وہیچ فرق نیست درمیان آنکہ گویند استخلفت فلاناً علیکم ودرمیان آنکہ وعدت فلان ان استخلفه علیکم غدًا: پھر (یہ بھی سمجھ لو کہ) لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم

پر (موعودہ خلفاء کی) اطاعت واجب کردی۔ ان امور میں جن میں خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے گویا یہ لفظ خلافت کے تمام تفصیلی حقوق کے وجوب کو بالاجماع ادا کر رہا ہے اور (بغائر نظر دیکھنے سے) ایسا کہنے میں کہ میں نے فلاں کو تم پر خلیفہ بنایا اور ایسا کہنے میں کہ میں نے فلاں شخص سے وعدہ کرلیا ہے کہ کل اس کو خلیفہ بناؤں گا کوئی فرق نہیں ہے بعد اس کے کہ کل کا دن آجائے اور وہ وعدہ پورا ہو جائے۔

(ازالۃ الخفاء جلد اوّل ص ۷۷ مترجم از امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ)

بہرحال موعودہ خلفاء راشدین کی اطاعت واجب ہے اس میں اختلاف کرنے والے شیعہ۔ خارجی اور مودودی ہی ہو سکتے ہیں۔ فرمایئے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید۔ علامہ ابن حزم اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور امام اہل سنت لکھنوی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واجب الاطاعت امام تسلیم کرنے کی بنا پر مؤلف مذکور کے نزدیک شیعہ امامیہ میں سے ہیں یا یہ فتویٰ صرف چکوالی کے لیے گھڑا گیا ہے؟

شیعہ عقیدہ امامت اور سُنّی خلافت راشدہ کا فرق

شیعوں کے عقیدہ میں منصب امامت منصب نبوت سے افضل ہے اور بارہ امام (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امام غائب حضرت مہدی تک)...... انبیائے سابقین علیہم السلام سے افضل ہیں۔ العیاذ باللہ۔ چنانچہ پاکستان کے ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو لکھتے ہیں:

خداوند عالم نے انبیاء کو اس وقت تک مرتبہ نبوت و رسالت پر فائز نہیں فرمایا جب تک ان سے اپنی توحید اور سرکار ختمی مرتبت کی رسالت اور ائمہ اہل بیت کی خلافت و امامت کا اقرار نہیں لیا۔'' (احسن الفوائد فی شرح العقائد)

بندہ نے اپنی کتاب ''علمی محاسبہ بجواب علمی جائزہ'' میں ڈھکو صاحب اور ان کے دوسرے مجتہدین کی عبارتیں درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: شیعوں کا عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اور حضرت علی المرتضیٰ اور بقیہ ائمہ اثنا عشر کی محبت وعقیدت کا دعویٰ اس لیے ہے کہ اس پردہ میں آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا انکار منظور ہے چنانچہ امامت کی بحث کتب شیعہ میں جس شخص نے دیکھی ہے وہ اس کو خوب جانتا ہے۔ امام کو مثل انبیاء علیہم السلام کے معصوم ومفترض الطاعۃ کہنا اور یہ کہنا کہ امام کو اختیار ہے جس چیز کو چاہے حلال کردے اور جس چیز کو چاہے حرام کردے اور ہر امام پر سال بہ سال خدا کی طرف سے کتاب کا نازل ہونا ختم نبوت کا انکار نہیں تو کیا ہے'' (ماہنامہ النجم لکھنؤ ۲۱ر شوال ۱۳۴۹ھ ص ۱۲۰۔ ملاحظہ ہو علمی محاسبہ ص ۲۷۹ تا ص ۲۸۱)

میری یہ کتاب ''علمی محاسبہ'' ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی ہے [1] جو مودودی صاحب کے ایک عقیدت مند عالم مفتی محمد یوسف صاحب کی کتاب ''مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' کے جواب میں ہے بندہ نے ''علمی محاسبہ'' میں مسئلہ ''عصمتِ انبیاء'' اور صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے پر ''مفصل ومدلل بحث کر کے فتنہ مودودیت کو پوری طرح بے نقاب کردیا ہے۔ اسی طرح اس میں شیعہ عقیدہ امامت کا بھی ابطال کردیا گیا ہے۔ یہ کتاب علمائے اہل السنّت والجماعت کے ہاں اتنی مقبول ہوئی ہے کہ اس کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب ''مراجع برائے دیگر فرق باطلہ'' کے تحت شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

> ''محاسبۂ علمی جائزہ۔ مودودی مذہب'' از قاضی مظہر حسین'' (ص ۱۵ ضمیمہ نمبر ۲ برائے نصاب تعلیم درجہ عالمیہ (مساوی ایم اے) سال اوّل ''سولہ سالہ نصاب تعلیم۔'' یہ نصاب تعلیم مع دورہ حدیث وفاق المدارس کے اجلاس مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء کوئٹہ میں منظور کیا گیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود مؤلف ''اصل حقیقت'' میرے عقیدے کو شیعہ عقیدہ امامت قرار دے کر عقیدہ اہل السنّت والجماعت پر ایک ناپاک حملہ کر رہے ہیں۔

---

[1] اور اب ہمارے ادارہ مظہر التحقیق لاہور نے نہایت خوبصورت انداز میں راقم الحروف کے مقدمہ کے ساتھ دوبارا شائع کردی ہے۔ (عبد الجبار سلفی)

② بندہ نے ''دفاعِ صحابہ'' میں بھی شیعہ عقیدہ امامت کی تردید کی ہے۔

③ اپنی کتاب ''سنی مذہب حق ہے۔'' محررہ اکتوبر ۱۹۷۸ میں شیعہ عقیدہ امامت پر بحث کرتے ہوئے بندہ نے لکھا ہے:

''موجودہ قرآن میں جہاں توحید ورسالت اور قیامت کا جابجا ذکر ملتا ہے وہاں امامت کا مثل نبوت ورسالت کے کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ (ص ۳۸)۔

④ اپنے کتابچہ ''سنی شیعہ طلبہ کا اتحادی فتنہ'' مطبوعہ ۱۳۹۶ھ میں مسئلہ امامت پر بحث کرتے ہوئے بندہ نے لکھا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ ائمہ نبی نہیں اس لیے ان کی امامت بھی منصب نبوت سے افضل نہیں ہوسکتی۔ امتی کی امامت کا درجہ بہرحال نبی کی نبوت سے کمتر ہے'' (حاشیہ ص ۳۰)

اس میں شیعہ کلمۂ اسلام پر بحث کرکے اس کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اس میں عرض حال کے تحت میں نے لکھا ہے کہ:

صحابہ رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں

رسالت محمدیہ کے عینی گواہ اور سنت وحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راوی (جو مابعد والوں کی جرح وتنقید سے بالا ہیں) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہی ہیں۔ جن لوگوں نے براہ راست محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہیں کیا۔ اور جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض نہیں پاسکے وہ صحابہ کرام پر کلی اعتماد کرکے ہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت کے جلوؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب اداؤں کو اپنے لیے اُسوۂ حسنہ بناسکتے ہیں۔ اگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت کا اعتماد درمیان میں سے اٹھ جائے تو مابعد والی امت کا علمی وعملی تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھ جاتا ہے۔'' (ص ۶/۷)

(ب) حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ارشاد کا حوالہ دیا ہے کہ: (حدیث ما انا علیہ واصحابی میں) صحابہ کرام کے ذکر کی وجہ یہ ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ میرا طریقہ وہی

ہے جو میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور راہ نجات فقط ان کے طریقہ کی پیروی کے ساتھ وابستہ ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ جو فرقہ اصحاب رسول ﷺ کی اتباع کو لازم قرار دیتا ہے وہ اہل السنّت والجماعت ہی ہیں ۔ (ایضاً حاشیہ ص ٦)

⑤ مودودی جماعت اسلامی پاکستان کے موجودہ امیر میاں طفیل محمد صاحب کی دعوت اتحاد کے جواب میں بندہ نے ایک کتاب محررہ ٨ر مئی ١٩٨٣ء بنام ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ'' شائع کی ہے جس میں شیعہ عقیدہ امامت پر بحث کی ہے اور شیعہ نائب امام غائب خمینی صاحب کی کتابوں سے بھی عقیدہ امامت پیش کر کے میاں طفیل محمد صاحب کے سامنے سنی شیعہ اتحاد کی دیگر صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی پیش کی ہے کہ:

خمینی صاحب یہ بھی اعلان کریں کہ غیر نبی کا منصب امامت منصب نبوت سے افضل نہیں ہے اور حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر امام مہدی تک بارہ امام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بذریعہ وحی نامزد امام نہیں ہیں۔'' (ص ١٠٩)

بہرحال بندہ تو اپنی تصانیف میں شیعہ عقیدہ امامت کو خلاف اسلام قرار دے رہا ہے۔ لیکن مؤلف اصل حقیقت کسی ایسے مشن کے کوئی خاص فرد ہیں جو مجھ پر ہی شیعہ عقیدہ امامت کا فرد جرم عائد کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

عقیدہ خلافت راشدہ

شیعہ عقیدہ امامت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ امام کو اپنی وحی کے ذریعہ نامزد کرتا ہے اور امامت نہ صرف یہ کہ نبوت کے مساوی مقام ہے بلکہ اس سے افضل ہے اور مثل انبیائے کرام کے یہ بارہ امام بھی معصوم ہیں۔ ان کی اطاعت نبی کی اطاعت کی طرح فرض ہے وغیرہ لیکن اس کے برعکس سنی عقیدہ خلافت راشدہ یہ ہے کہ خلفائے اربعہ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ کسی کو نامزد نہیں کیا نہ رسول اللہ ﷺ نے نام لے کر ان کی خلافت کا اعلان فرمایا ہے۔ ان حضرات کی خلافت قرآن کی عبارت النص

سے ثابت نہیں یعنی ان کو نامزد نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کی خلافت اقتضاء النص سے ثابت ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے بلا اعلانِ نام خلفاء بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ان خلفاء کی مخصوص علامات وصفات کا ذکر کردیا ہے اور جب وہ حضرات خلیفہ بنائے گئے اور ان پر قرآن کی موعودہ صفات منطبق ہوگئیں تو اہل السنّت والجماعت نے یہ سمجھ لیا کہ جن خلفاء کے لیے بلا نام حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا وہ چار یارؓ تھے۔اب اس عقیدہ پر اہل السنّت والجماعت کا اجماع ہو چکا ہے۔

خلفائے راشدین محفوظ ہیں نہ کہ معصوم

اہل السنّت والجماعت کے عقیدے میں معصوم وہ ہے جس سے گناہ کا صدور محال ہوتا ہے۔ اور راجح اور قوی مسلک یہ ہے کہ پیدائش سے لے کر وفات تک انبیائے کرام علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔اگر قرآن مجید میں کسی نبی علیہ السلام کی طرف معصیت یا ذنب وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے تو اس سے مراد زلّت (لغزش) اور ترک اولیٰ ہے۔ جو عصمت کے منافی نہیں۔اور مسئلہ عصمت انبیاء کی بحث بندہ نے مفصل اور مدلل ''علمی محاسبہ'' میں کردی ہے وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

② غیر نبی معصوم تو نہیں البتہ محفوظ ہو سکتے ہیں یعنی اس سے گناہ سرزد تو ہوسکتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل شامل حال ہو جائے تو وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے البتہ اس سے گناہ کا احتمال ختم نہیں ہوتا۔قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین اصحاب بدر۔اصحاب بیعت رضوان۔عشرہ مبشرہ اور اکثر صحابہ کرام اسلام لانے کے بعد محفوظ رہے ہیں۔اور اگر بطور شاذ ونادر کسی صحابی سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو اس کو رحمتِ خداوندی سے کامل توبہ کی بھی توفیق مل گئی ہے۔اور شرف صحابیت کا یہی وہ ممتاز مقام ہے جو غیر صحابی کے لیے ضروری نہیں۔تمام صحابہ کرام کی وفات ایمان کامل پر ہوئی ہے۔اور وہ براہ راست جنت میں جائیں گے۔

③ مقام حدیبیہ میں ۱۴ یا ۱۵ سو صحابہ کرام جن کو نبی کریم ﷺ کی بیعت کا خصوصی

شرف حاصل ہوا ہے۔ لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مومنین سے اس وقت راضی ہوگیا جو اس درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔'' اس آیت کی بنا پر اہل السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اصحاب بیعتِ رضوان (جن میں خلفائے اربعہ حسب ترتیب خلافت سب سے افضل ہیں) سے اس کے بعد ایسا کوئی کام نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنے۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق نے ان کو اپنی رضا پر قائم رکھا ہے البتہ ان سے اجتہادی خطا سرزد ہوسکتی ہے اور بعض سے اس کا وقوع بھی ہوا لیکن اجتہادی خطا رضائے خداوندی کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ان کو اس خطا پر بھی حسب حدیث بخاری ایک ثواب ملتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہ چاروں خلفائے راشدین اجتہادی خطا سے محفوظ نہیں ہیں۔ البتہ ان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق خلیفہ بنایا ہے اس لیے خلافت کی مرکزی اہم پالیسی میں وہ خطائے اجتہادی سے بھی محفوظ ہیں تاکہ قیامت تک ایک معیاری خلافت کا نمونہ باقی رہے۔

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۳۱

مؤلف اصل حقیقت لکھتے ہیں کہ چکوالی صاحب اس خطرناک عقیدے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معصوم عن الذنوب کے بھی قائل ہیں۔'' (ص ۷۲)

(ب) ورنہ اس سے قبل وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیعہ تصورِ امامت کے مطابق معصوم ماننے کے بجائے ان سے خطائے اجتہادی ہونے کا امکان تسلیم کرتے تھے بلکہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تاخیر کو ان کی خطائے اجتہادی قرار دیتے تھے۔'' (ص ۷۴)

- اس بہتان تراشی پر سوائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق عقیدہ عصمت کے سایہ سے بھی بفضلہ تعالیٰ میری تحریریں محفوظ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خطائے اجتہادی سے محفوظ نہیں

اسی عنوان کے تحت بندہ نے مولانا سندیلوی کا جواب دیتے ہوئے نمبر ۲ کے تحت لکھا ہے کہ: محققین اہل سنت ہر امر میں حضرت علی المرتضیٰ کے اجتہاد کا صحیح ہونا لازمی نہیں قرار دیتے۔ بلکہ وہ بیعت وانتخاب خلافت اور جنگ جمل وصفین کے مسئلہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق وصواب پر مانتے ہیں۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ...... لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ مُحق باشند ومخالف ایشان برخطا ہر چند در امر محاربہ حق بجانب امیر بودہ۔ الخ

(مکتوبات جلد دوم مکتوب نمبر ۳۶ طبع قدیم ص ۵۸)

''یہ لازم نہیں ہے کہ حضرت امیر تمام (اجتہادی) امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔ البتہ محاربہ (جنگ وقتال باہمی) میں حق وصواب حضرت امیر (علی المرتضیٰ) کی طرف تھا۔'' (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۰۹)

فرمایئے! اپنی کتاب خارجی فتنہ میں بندہ نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ حضرت علی بھی ہر امر میں خطائے اجتہادی سے محفوظ نہیں ہیں لیکن مؤلف اصل حقیقت اس عبارت کو نظر انداز کر کے یہ افتراء کر رہے ہیں کہ پہلے تو میرا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ممکن بلکہ واقع ہے اب شیعہ عقیدہ امامت اختیار کرنے کے بعد میرا وہ عقیدہ نہیں ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

بشارت الدارین کی عبارت میں تلبیس

مؤلف صاحب میرے بارے لکھتے ہیں: ''وہ اپنی کتاب بشارت الدارین میں مودودی صاحب کی کتاب خلافت وملوکیت سے پہلے تو یہ عبارت لکھتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمان کے

بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے بادلِ ناخواستہ ان کو برداشت کررہے تھے اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے...... پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو ان کے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی اس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمان کے ذمہ دار ہیں۔ اور انہوں نے جواب میں فرمایا لعن اللّٰہ قتلة عثمان (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الأشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے درآنحالیکہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جسے غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں۔'' (خلافت وملوکیت ص ۱۴۶)

پھر اس کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن اگر حضرت علی المرتضیٰ کے ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ برحق ہونے کے مقام کو محفوظ نہ رکھا جائے اور جس ذہنیت کے تحت روافض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص وغیرہ صحابہ کرام کو طعن وملامت کا نشانہ بناتے ہیں اسی کے تحت حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید کی جائے تو جس امر کو مودودی صاحب نے صرف ایک غلط کام قرار دیا ہے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ کی شخصیت کو مجروح کرنے کا بہت بڑا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ ملعون ومردود ہیں جیسا کہ آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے تو پھر بجائے اس کے کہ حسب وعدہ خلیفہ برحق حضرت عثمان ذوالنورین کے قاتلوں سے قصاص لیں اور ان کی قوت وشوکت کو توڑنے کی کوشش کریں۔ ان کو گورنری جیسے بڑے بڑے مناصب ملکی عطا فرمارہے ہیں یہ کیا پالیسی ہے اس سے تو بظاہر اس شبہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں آپ کا بھی ہاتھ تھا اور اسی طرح کے وجوہات

کی بنا پر خوارج حضرت علی کے بدترین مخالف بن گئے تھے۔ اور آج بھی اس ذہن کے لوگ موجود ہیں۔ لہٰذا مسلک اہل السنّت والجماعت کے مطابق یہی کہا جائے گا کہ اصحاب رسول اور خلفائے رسول ﷺ تسلیم کر لینے کے بعد ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیش نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے جو کچھ انہوں نے کیا دین کے لیے کیا اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کیا۔ سوائے اجتہادی خطا کے ان کی طرف کسی امر کو منسوب کرنا اپنے ایمان کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ ان سب صحابہ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (بشارت الدارین ص ۱۹۰، ۱۹۱)

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۳۲...... الجواب

① مؤلف صاحب نے بڑی کاوش کے بعد میری تضاد بیانی کا سراغ لگایا ہے لیکن اس میں انہیں کوہ کندن اور کاہ برآمدن کی دولت بھی نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ جو کچھ میں نے حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق مودودی صاحب کے بیان پر تبصرہ کیا ہے وہ الزاماً ہے اور میری عبارت کے حسب ذیل الفاظ خود ہی اس پر دلالت کر رہے ہیں

''لیکن اگر حضرت علی المرتضیٰ کے ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ برحق ہونے کے مقام کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور جس ذہنیت کے تحت روافض نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص وغیرہ صحابہ کرام کو طعن و ملامت کا نشانہ بنایا ہے اسی کے تحت حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید کی جائے...... اس سے تو بظاہر اس شبہ کو تقویت پہنچتی ہے...... ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیش نظر الخ

لیکن ہم چونکہ روافض وغیرہ کی ذہنیت کے تحت اور ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیش نظر تبصرہ نہیں کرتے بلکہ ان کے شرعی مقام کے پیش نظر چونکہ تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین پر تنقید کی تھی اور آپ کے بلند مقام کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس لیے میں نے الزاماً لکھا ہے کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ کی بلند دینی شخصیت کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو پھر اس قسم کے اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔

② اور میری جو عبارت مؤلف اصل حقیقت نے یہاں درج کی ہے۔ اس سے

پہلے کی بھی چار سطریں اگر لکھ دیتے تو قارئین کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتے تھے۔
چنانچہ میں نے بعنوان ''حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید مودودی'' لکھا ہے کہ:
اس دور کے ایک اور فلسفی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی چونکہ اپنی عقل ناقص سے شرعی اصول وعقائد کو حل کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورین کی بھی خوب تنقیص کی اور بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تو صریح توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کی بھی پورے طور پر صفائی نہ کر سکے چنانچہ لکھتے ہیں الخ۔
یہ بھی میں نے الزاماً لکھا تھا کیونکہ وہ اپنی ناقص عقل کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی صفائی نہ کر سکے اور مخالفین کے لیے اعتراض کی گنجائش پیدا کر دی۔ ہم اس معاملہ میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو صحیح سمجھتے ہیں اور حاشیہ بشارت الدارین ص ۱۹۰ پر میں نے یہ نوٹ دے دیا ہے کہ:
حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اگرچہ پہلے مخالفت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں حصہ لیا تھا۔ لیکن وہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہیں اور بعد میں انہوں نے توبہ وندامت کا بھی اظہار کیا۔ جیسا کہ البدایہ کے حوالہ سے یہ بات پہلے ثابت کی جا چکی ہے۔'' اور مؤلف ''اصل حقیقت'' نے بھی یہ نوٹ ص ۴۷ کے حاشیہ پر درج کر دیا ہے۔ اس نوٹ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ میں نے مودودی صاحب پر بطور الزام یہ تنقید کی تھی۔ کیونکہ وہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو قتل عثمان میں حصہ لینے والا سمجھتے ہیں۔ اور میں نے مالک ابن اشتر کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اور یہاں بھی اس کے متعلق بحث کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے کہ علامہ علی قاری محدث حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقال ابو حنيفة لولا علی لما يعرف السيرة فی الخوارج (شرح فقہ اکبر)

اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو خوارج کا حکم معلوم نہ ہوتا (امام اعظم)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو خوارج کے بارے میں کوئی طریقہ معلوم نہ ہو سکتا۔ علاوہ ازیں امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اور

سب سے اوّل بدعتیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجادلہ کا ڈھنگ نکالا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خارجیوں سے بحث کرنے کو بھیجا (مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد اوّل ص ۱۳۳) اور قاضی ابوبکر بن العربی باغیوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ''اہل علم نے کہا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ جنگ (یعنی جمل و صفین) نہ ہوتی تو ہمیں باغیوں سے جنگ کرنے کا طریقہ معلوم نہ ہوتا۔'' (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۱۶) ملاحظہ ہو: خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۵۷ تا ص ۵۵۹)

اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب محدث رحمہ اللہ عثمانی کا یہ قول پہلے درج کیا جا چکا ہے کہ باغیوں سے جنگ کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ قدوہ (مقتدا) ہیں۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اقضا اُمّتی علی بن ابی طالب (میری امت میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے علی بن ابی طالب ہیں) (فتح الباری وعمدۃ القاری۔ کتاب التفسیر، اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ تصحیح نامہ خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۲/۳)

جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اقضاءِ امت کا مقام دیں اور حضرت فاروق اعظم اور دوسرے صحابہ کرام بھی آپ کی اس خصوصیت کو تسلیم کرلیں تو آج کون ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کی پالیسی پر آزادانہ تنقید کرتا پھرے؟ اسی طرح قرآنِ کے تیسرے موعودہ خلیفہ راشد مان کر حضرت عثمان ذوالنورین کی خلافت کی پالیسی پر بے باکانہ تنقید کا کسی کو حق نہیں پہنچتا جیسا کہ مودودی صاحب نے ''خلافت وملوکیت'' میں اس کی جسارت کی ہے۔ بلکہ ہمیں حضرت امیر معاویہ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص وغیرہ صحابہ کرام پر اس قسم کی تنقیدی جسارت کا کوئی حق نہیں ہے جیسا کہ مودودی صاحب نے کی ہے اور بندہ نے بشارت الدارین کی منقولہ عبارت میں اس کی تصریح کردی ہے مگر مؤلف اصل حقیقت نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ عبارت نقل نہیں کی۔

③ بندہ نے مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں شیعوں کے مطاعن کا جواب دیتے ہوئے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا واقعہ پیش کیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں

ہے کہ: اَخَذَ بِرَأسِ اَخِیْہِ یَجُرُّہٗ اِلَیْہِ حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی حضرت ہارون کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے لکھا ہے کہ:
اگر ان آیتوں کا ترجمہ اور ذکر عام مجمع میں بیان کیا جائے تو کیا عوام اس شبہ میں نہیں پڑ سکتے کہ نبی ہو کر یہ دونوں آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں۔ ان میں ایک ہی سچا ہو سکتا ہے۔ نعوذ باللہ حالانکہ دونوں معصوم پیغمبر ہیں۔ بے شک ان کے اختلاف کی ظاہری صورت تو یہی ہے لیکن ان کا منشا دین ہی ہے۔ نفسانیت اور دنیوی اغراض کا اس میں دخل نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب عوام کے سامنے یہ بیان کیا جائے کہ ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی آپس میں جنگیں ہوئیں۔ تو اگر کسی کے ذہن میں آئے کہ قرآن کے حکم کے مطابق تو حضرت عائشہ صدیقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور تمام مومنوں کی ماں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی ایمانی اور روحانی ماں ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود بلند دینی مقام رکھنے کے اپنی ماں کے ساتھ کیوں جنگ کی تو کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق نعوذ باللہ وہ کسی بغض میں مبتلا نہیں ہو جائے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان جنگوں کی وجہ سے ایک گروہ خارجیوں کا پیدا ہوا جو العیاذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مومن بھی نہیں سمجھتے تھے الخ۔ آخر میں بندہ نے لکھا ہے کہ: اگر کوئی فرقہ اور گروہ مشاجرات صحابہ (یعنی ان کے باہمی جھگڑوں میں) صحیح اور عادلانہ موقف پر قائم رہا ہے تو وہ اہل السنّت والجماعت ہیں کیونکہ یہ ہر ہر صحابی کو واجب الاحترام مانتے ہیں۔ لیکن باوجود خلوص نیت کے رائے اور طریق کار میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اس لیے اہل سنت کا اس بارے میں یہ موقف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں خطاء ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا منشا چونکہ نفسانیت نہیں اس لیے اس کو اجتہادی خطا کہا جائے گا۔

(ملاحظہ ہو بشارت الدارین ص ۱۸۶/ ۱۸۷)

دو معصوم پیغمبروں علیہما السلام کا واقعہ میں نے اسی لیے پیش کیا ہے کہ اگر ظاہری سطح کو دیکھا جائے تو العیاذ باللہ ان انبیاء سے بد ظنی کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اسی کے تحت میں نے

بشارت الدارین میں مودودی صاحب کے طرزِ عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:
اصحاب رسول اور خلفائے رسول ﷺ تسلیم کر لینے کے بعد ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیشِ نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے جو کچھ انہوں نے کیا دین کے لیے کیا اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کیا۔ سوائے اجتہادی خطا کے ان کی طرف کسی امر کو منسوب کرنا اپنے ایمان کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے کیونکہ ان صحابہ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (بشارت الدارین ص ۱۹۱)

مؤلف کی کج فہمی اور جھوٹ نمبر ۳۳

مؤلف صاحب بشارت الدارین کی مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

ورنہ اس سے قبل وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیعہ تصورِ امامت کے مطابق معصوم ماننے کے بجائے ان سے خطائے اجتہادی ہونے کا امکان تسلیم کرتے تھے بلکہ قصاص عثمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تاخیر کو ان کی خطائے اجتہادی قرار دیتے تھے۔ الخ

الجواب

① خطائے اجتہادی کا امکان تو تمام صحابہ کرام بلکہ حضرت علی المرتضیٰ سمیت چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے ہے۔ اور حضرت علی کے متعلق ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' ص ۵۰۷ پر عنوان ہی یہی ہے کہ ''حضرت علی بھی خطائے اجتہادی سے محفوظ نہیں۔'' اور پوری عبارت کتاب ہٰذا ص ۲۷۴ پر منقول ہے۔

② مؤلف کا یہ کہنا کہ میں نے قصاص حضرت عثمان کے بارے میں حضرت علی کی اجتہادی غلطی تسلیم کی ہے، ایک سفید جھوٹ ہے۔ مندرجہ عبارتوں میں تو میں نے یہ بالکل نہیں لکھا۔ البتہ مولانا مودودی پر الزام قائم کیا ہے اور اگر وہ میری اس عبارت سے یہ نتیجہ نکال رہے ہیں کہ: اصحابِ رسول اور خلفائے رسول ﷺ تسلیم کر لینے کے بعد ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیشِ نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ سوائے اجتہادی خطا کے ان کی طرف کسی امر کو منسوب کرنا اپنے ایمان کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے

کیونکہ ان صحابہ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ تو یہاں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص میں تاخیر کرنے کا ذکر۔ یہ تو اہل السنّت والجماعت کا عام اصول پیش کیا ہے۔ اور یہ میں نے تمام صحابہ کے متعلق لکھا ہے چنانچہ میرے الفاظ یہ ہیں: ''اصحاب رسول اور خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کر لینے کے بعد ان کے کام کی ظاہری سطح کے پیش نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

اس میں تو حضرت علی المرتضیٰ کے علاوہ دوسرے خلفاء بھی شامل ہیں۔ اور اگر اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کا وقوع ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ مؤلف یہی کہہ رہے ہیں) تو خلفائے ثلٰثہ کے لیے بھی اس سے وقوع ماننا پڑے گا اور یہ اصول میں نے دراصل مودودی صاحب کی ان توہین آمیز عبارتوں کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے۔ جن میں انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورین خلیفہ راشد اور جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کڑی تنقید کی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ پر تو مودودی صاحب نے اس زبان میں تنقید کی ہی نہیں جو زبان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں استعمال کی ہے جس کی وجہ سے میں ان سے کہوں کہ سوائے خطا اجتہادی کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ نہ کہیں۔ بہرحال مؤلف ''اصل حقیقت'' بیچارے انتہائی کج فہمی اور بددیانتی اور جھوٹ کی ظلمت میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائیں۔ آمین

مؤلف صاحب کا جھوٹ نمبر ۳۴

مؤلف صاحب لکھتے ہیں ''اپنی اس کتاب میں چکوالی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف خطائے اجتہادی کی اس نسبت پر بھی بس نہیں کی بلکہ حضرت علیؓ پر طنز بھی کی ہے۔''

فرماتے ہیں: ...... یہ بھی عجیب فلسفہ امامت وخلافت ہے کہ جس نے غزوہ تبوک کی تکمیل کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی نے ہرقل شاہ روم کے لشکروں کو شکست دی جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آنا چاہتا تھا وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین اور امت کا

امام اوّل نہ تسلیم کیا جائے بلکہ اس کے ایمان میں بھی شک کیا جائے۔لیکن جس نے ۲۴ سالہ خلافت ثلاثہ کے بعد اپنے دورحکومت میں بھی ملک کفر میں سے کچھ بھی نہ فتح کیا ہو اور بزعم شیعہ اپنی خلافت بلافصل بھی چھینوالی ہو......تو ایسا شخص خواہ انفرادی علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں کتنا ہی عظیم سمجھا جائے خاتم النبیین ﷺ کا جانشین اوّل اور خلیفہ بلافصل کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ (بشارت الدارین ص۳۷۶۔۳۷۷)

اس عبارت میں چکوالی صاحب نے آخری بات تو بزعم شیعہ قرار دے کر کہی ہے لیکن اس سے اوپر کی عبارت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر خود ان کا تبصرہ ہے۔ہم نے ان کے اس تبصرے کے نیچے لائن کھینچ دی ہے۔اس پر دوبارہ نگاہ ڈالیے تو آپ کو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دوطنز نظر آئیں گے۔ایک تو یہ کہ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلامی فتوحات سے دلچسپی نہیں لی۔دوسرے یہ کہ اپنے عہد خلافت میں بھی وہ غیر ملکی فتوحات میں دلچسپی لینے کے بجائے خانہ جنگیوں میں الجھے رہے۔ فرمایئے! چکوالی صاحب کی ان قدیم وجدید تحریروں میں کیا تضاد محسوس نہیں ہوتا؟ اور کیا ان کی اس تلون مزاجی سے یہ بات سامنے نہیں آتی کہ وہ جس طرف بھی رُخ کرتے ہیں اس میں انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اعتدال کی سعادت انہیں نصیب نہیں ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے اور جمہور صحابہ اور جمہور متقدمین کے مسلک اعتدال پر انہیں کاربند ہونے کی توفیق بخشے۔ (ص۷۶۔۷۷)

الجواب

بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادت الحسین رضی اللہ عنہ رد ماتم میں ایک مدلل ضخیم کتاب ہے۔اس کے ''آغاز سخن'' کے تحت میں نے لکھا ہے کہ: اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ محرم ۱۳۹۲ھ میں ایک پمفلٹ بنام ''ہم ماتم کیوں کرتے ہیں۔'' مؤلفہ ملک غلام عباس صاحب بی اے شیعانِ تلہ گنگ ضلع کیملپور (اٹک ❶) کی طرف سے شائع ہوا تھا۔جس کے جواب میں تلہ گنگ کے سُنّی احباب کی فرمائش پر میں نے ایک رسالہ

---

❶ ضلع چکوال میں ہے۔س

''ہم ماتم کیوں نہیں کرتے'' لکھا۔ اس کے جواب میں ملک عباس صاحب نے ایک سائیکلو سٹائل اشتہار بنام ''کھلی چٹھی بنام مظہر حسین مولوی چودہویں صدی'' تقسیم کیا۔ جس کا جواب بھی ہماری طرف سے شائع کر دیا گیا بعد ازاں ان دونوں جوابی رسالوں کا مجموعہ ''ہم ماتم کیوں نہیں کرتے'' ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوا...... ہمارے جوابی رسالہ ''ہم ماتم کیوں نہیں کرتے'' نے سارے ملک کو متاثر کیا اور چونکہ اہل تشیع ماتمی ہنگاموں کے ذریعہ ہی ناواقف سُنّی عوام کو متاثر کرتے تھے اور اس ذریعہ سے اپنے مذہب کو فروغ دے رہے تھے۔ اس لیے ان کی راہ میں ہمارا جوابی رسالہ بڑی رکاوٹ بن گیا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے علماء و مجتہدین سے اس کا جواب الجواب تیار کرنے پر بہت اصرار کیا جس کے نتیجہ میں انجمن حیدری چکوال کی طرف سے ایک کتاب بنام ''فلاح الکونین فی عزآء الحسین'' رمضان ۱۳۹۳ھ میں شائع کی گئی۔

اس کتاب فلاح الکونین کے جواب میں بندہ نے کتاب بشارت الدارین شائع کی [1]۔

(۲) فلاح الکونین کے مؤلف نے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر افشانی کی ہے کہ: ''غار میں دشمنوں کے خوف کی وجہ سے آپ دل چھوڑ گئے تھے۔ اور جی ہار بیٹھے تھے۔'' اس کا جواب دیتے ہوئے بندہ نے لکھا ہے کہ: یہ جملہ دراصل ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نہیں اس ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی ترجیح دے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سفر ہجرت میں اپنا رفیق بنایا تھا (ص ۳۷۵)

اس بحث میں اس سے پہلے بہ عنوان: ''خلافت صدیقی میں روم و شام کی فتوحات'' بندہ نے یہ لکھا ہے۔

(۷) اگر حضرت علی المرتضیٰ کو بستر نبوی پر سونے کی وجہ سے کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا اشارہ تھا تو یہ صحیح نہیں اور شاید اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو غزوہ تبوک میں مدینہ منورہ میں شہر کی

---

[1] ادارہ مظہر التحقیق لاہور نے دیدہ زیب طباعت کے ساتھ اس کا جدید اڈیشن چھپوا دیا ہے۔ اور راقم الحروف کا اس پر تفصیلی مقدمہ بھی ہے۔ یہ کتاب اہل سنت کے لیے مثالی تحفہ ہے۔ (عبدالجبار سلفی)

حفاظت اور امامت کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا لیکن رفیق ہجرت اور یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے اس تاریخی سفر پر اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ جہاں شاہ روم سے مقابلہ کی توقع تھی تاکہ اس موقع پر بھی ثانی اثنین کی خصوصیت حضرت ابوبکر صدیق کو ہی نصیب ہو۔ اور چونکہ حضرت صدیق نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّل خلیفہ بننا تھا اس لیے آپ کو ہی اس سخت معرکہ میں لشکر اسلام کی قیادت کا تجربہ کرانا مقصود تھا اور گو اس موقع پر قیصر شاہ روم مرعوب ہو گیا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر نہ آیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وہ عظیم ثانی اثنین کی شخصیت ہے جنہوں نے اپنے قلیل اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں فتوحات عراق کے علاوہ ہرقل قیصر روم کی حدود سلطنت کو بھی پامال کرنا شروع کر دیا تھا...... تو جب آئندہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی ہرقل کے مقابلہ میں اسلامی لشکر بھیجنے تھے اور ملک شام کی حدود میں پرچم اسلام لہرانا تھا تو پھر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی یار غار کو ہی اس خصوصی سفر میں اپنے ساتھ رکھنا تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اوّل کی حیثیت سے شاہ روم کا مقابلہ کرنا تھا اور چونکہ من جانب اللہ حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق اوّل خلیفہ ہونے کا فیصلہ نہ تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ مطلوب نہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ بنیں اس لیے شاہ روم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیا اور حضرت علی المرتضیٰ کو شہر کی حفاظت کے لیے اپنا نائب بنا دیا۔ اور اپنے ہونے والے جانشین اعظم کو اپنے ہمراہ لے گئے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ثانی رسول اور نائب مطلق یہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

قارئین کرام انصاف کریں کہ یہ وہی حضرت ابوبکر ہیں جن کو مصنف فلاح الکونین یہ لکھ رہے ہیں کہ غار میں دشمنوں کے خوف کی وجہ سے آپ دل چھوڑ گئے تھے اور جی ہار بیٹھے تھے۔'' یہ حملہ دراصل ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نہیں اس ذات سرور کائنات پر ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی ترجیح دے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سفر ہجرت میں اپنا رفیق بنا لیا تھا الخ (ص ۳۷۴۔۳۷۵)

اس کے بعد یار غار حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں علامہ اقبال مرحوم کے اشعار

پیش کر کے میں نے نمبر ۸ کے تحت لکھا ہے: یہ بھی عجیب فلسفہ امامت وخلافت ہے الخ.
اور مؤلف مذکور نے سابقہ عبارتوں کو نظر انداز کر کے یہاں سے عبارت پیش کی ہے۔
تا کہ قارئین کو دھوکہ دیا جا سکے۔ جو اس مضمون کے سیاق وسباق کو نہیں جانتے بہر حال
بندہ کی مندرجہ عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ میں نے شیعہ حملوں سے حضرت صدیق
اکبر کا دفاع کیا ہے اور ان کے عقیدہ امامت وخلافت (کہ حضرت علی اللہ کے نامزد
پہلے (بلافصل) خلیفہ ہیں) کا ابطال کر کے حضرت صدیق کا خلیفہ اوّل ہونا ثابت کیا
ہے۔ اور غزوہ تبوک میں حضرت صدیق کو ساتھ لے جانے اور حضرت مرتضٰی کو پیچھے
مدینہ منورہ میں چھوڑ جانے کی حکمت بیان کی ہے۔ میرا مقصود شیعی عقیدہ امامت کی بنا پر
حضرت علی المرتضٰی کی خلافت بلافصل پر اعتراض کرنا ہے نہ کہ اپنے عقیدہ خلافت راشدہ
کی بنا پر۔ یہ شیعوں پر الزام اور اتمام حجت ہے۔

③ مؤلف مذکور نے ایک اور چالاکی اور یہ بددیانتی کی ہے کہ میری عبارت کا وہ
حصہ درمیان سے حذف کر دیا ہے جس سے میرا مقصود واضح ہوتا تھا۔ چنانچہ مؤلف
صاحب نے ص ۶۷ سطر ۸ کے آخر میں اہم عبارت حذف کر کے وہاں پر لکیر ڈالدی ہے
جو حسب ذیل ہے: ...... اور بزعم شیعہ اپنی خلافت بلافصل بھی چھنوالی ہو اور ۲۴ سال کا
طویل عرصہ یوں بے بسی اور بیکسی میں گذارا ہو کہ بظاہر دشمنان اسلام کے مذہب کا ہی
پیروکار اور اپنا سچا مذہب ظاہر کرنے کی بھی توفیق نہ ملی ہو (جس کو تقیہ سے تعبیر کیا جاتا
ہے) تو ایسا شخص خواہ انفرادی علم وعمل اور زہد وتقوٰی میں کتنا ہی عظیم سمجھا جائے۔ الخ

یہ سب میں نے عقیدہ شیعہ کی بنا پر الزام دیا ہے۔ اور بزعمِ شیعہ کے الفاظ سے
پہلے بھی جو کچھ لکھا ہے اسی بنا پر لکھا ہے نہ کہ اپنے عقیدہ کی بنا پر کیونکہ ہم اہل سنت کا تو یہ
عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کو دل سے تسلیم
کیا اور ان کے دور خلافت میں آپ ان حضرات کے مشیر رہے ہیں۔ اور گو حضرت علی
المرتضٰی اس دور میں سپہ سالار کی حیثیت سے کفار کے مقابلے میں جنگ کے لیے تشریف
نہیں لے گئے (اور ایسی مرکزی شخصیتوں کو خلفاء اپنے پاس رکھتے تھے) لیکن دور

خلفائے ثلٰثہ کی فتوحات ساری قوم کی ہی فتوحات سمجھی جاتی ہیں جن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شخصیت نمایاں ہے۔

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۳۵۔۳۶

لہذا مؤلف کا یہ لکھنا کہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دو طنز کیے ہیں۔ ایک تو یہ کہ خلفائے ثلٰثہ کے عہد میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلامی فتوحات سے دلچسپی نہیں لی۔ ''دوسرے یہ کہ اپنے عہد خلافت میں بھی وہ غیر ملکی فتوحات سے دلچسپی لینے کے بجائے خانہ جنگیوں میں الجھے رہے۔''

میری مندرجہ بالا عبارت میں تو کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ (ا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دور خلفائے ثلٰثہ میں اسلامی فتوحات سے دلچسپی نہیں لی۔ (ب) یا یہ کہ آپ کو اپنے دور خلافت میں بھی اس سے دلچسپی نہیں تھی۔ مؤلف کے یہ دونوں جھوٹ ہیں اور مجھ پر بہتان تراشی۔ دور حاضر کے خارجی تو حضرت علی المرتضیٰ پر اس طرح کی الزام تراشی کرتے ہیں۔ لیکن اہل سنت میں سے کوئی یہ نظریہ نہیں رکھتا۔ البتہ شیعہ عقیدہ امامت کے ابطال کے لیے علمائے اہل سنت یہ کہتے رہتے ہیں اور بندہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ خدا تعالیٰ کے نامزد پہلے خلیفہ تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر وکسریٰ کے مفتوح ہونے کے متعلق جو پیشگوئیاں فرمائی تھیں (اور شیعہ مذہب کی مستند کتب فروع کافی جلد دوم وحیات القلوب [1] وغیرہ میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے)۔

وہ حضرت علی المرتضیٰ کے ہاتھوں پوری ہونی چاہیے تھیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ خلفائے ثلٰثہ کے دور میں بلا واسطہ اور نہ اپنے دور خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ کو یہ فتوحات نصیب ہوئیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات خلفائے ثلٰثہ برحق خلیفہ تھے کہ جن کے دور خلافت میں یہ عظیم الشان پیشگوئیاں تکمیل پذیر ہوئیں۔ بلکہ شیعہ عقیدہ امامت کی بناء پر تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ ہر طرح ناکام رہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو آفتاب ہدایت ص ۱۵۵ تا ص ۱۵۹ مؤلفہ مولانا محمد کرم الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

خلفائے ثلٰثہ کی از روئے تقیہ بیعت کر کے اپنا دین چھپایا اور اپنے دور خلافت میں بھی وہ (حسب زعم شیعہ) اپنے دین کے مطابق اصلاحات نافذ نہ کر سکے چنانچہ میں نے بشارت الدارین کے ضمیمہ میں ماتمی مجتہد محمد حسین ڈھکو کی کتاب ''تجلیات صداقت'' پر ''ایک اجمالی نظر'' ص ۵۷۴ پر بھی یہ لکھ دیا ہے کہ:

حسب اعتقاد شیعہ وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اپنے دورِ خلافت میں بھی اقامت دین نہیں کر سکتے اور خلفائے ثلٰثہ کی بدعات نماز تراویح وغیرہ کو ختم نہیں کر سکے نہ ہی متعہ کو حلال قرار دے سکے۔ ملاحظہ ہو فروع کافی جلد ۳، کتاب الروضۃ ص ۳۰۔۲۹) اور نہ ہی شیعہ مذہب کی اذان ونماز کا انتظام کر سکے۔ چنانچہ شیعوں کے شہید ثالث (جس کو جہانگیر بادشاہ نے قتل کروادیا تھا) قاضی نور اللہ شوستری صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ:

والحاصل ان امر الخلافة ما وصل اليه الّا بالاسمْ دون المعنی اور حاصل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت برائے نام پہنچی تھی نہ کہ از روئے معنی وحقیقت۔'' اور ماتمی مجتہد نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ: مؤلف (یعنی میرے والد مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ) کے بزرگوں کی وجہ سے نہ آنجناب کو ثابت قدم حاصل ہوا نہ وہ موعودہ اصطلاحات کر سکے۔'' (تجلیات صداقت بجواب آفتاب ہدایت ص ۴۲۲)۔

اگر مؤلف اصل حقیقت کو کچھ بھی خدا کا خوف ہوتا اور ان کو کچھ بھی صدق ودیانت کا حصہ ملتا تو وہ میری مذکورہ عبارات کے پیش نظر کوئی رائے قائم کرتے۔ لیکن خارجیت کی ظلمت نے تو ان کو کسی کام کا رہنے نہیں دیا۔ بہر حال بشارت الدارین میں بندہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ شیعہ عقیدہ امامت کی بنا پر ہے۔

خلافت علوی میں غیر ملکی فتوحات نہ ہونے کی حکمت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غیر ملکی فتوحات حاصل نہ ہونے کی ایک وجہ تو عالمِ اسباب میں یہی ہے کہ اندرونی خانہ جنگی کی وجہ سے آپ اس کے لئے فارغ ہی نہ ہو سکے۔ (نہ یہ کہ آپ کو اس کی دلچسپی ہی نہ تھی) علاوہ ازیں منجانب اللہ اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر آپ کو غیر ملکی فتوحات حاصل ہوتیں تو شیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات

کے متعلق ان پیشگوئیوں کا مصداق حضرت علی المرتضٰی کو قرار دے سکتے تھے۔ جس کے بعد اس امر میں شبہ ہو سکتا تھا کہ خلفائے ثلاثہ کی فتوحات بھی ان پیشگوئیوں کا مصداق ہیں یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے شبہات کی گنجائش نہ باقی رہنے دی۔ اور حضرت علی المرتضٰی کے عہد میں غیر ملکی فتوحات کا دروازہ بند کر دیا تاکہ ہر دیانتدار شخص یہ حقیقت تسلیم کر سکے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی ان عظیم الشان پیشگوئیوں کا مصداق پہلے تین خلفائے راشدین ہی تھے اگر ان کو موعودہ برحق خلفاء نہ تسلیم کیا جائے تو پھر امام الصادقین ﷺ کی پیشگوئیاں صحیح نہیں قرار دی جاسکتیں یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی حکمتیں ہیں۔ اور غیر ملکی فتوحات نہ ہونے کی وجہ سے حضرت علی المرتضٰی کی موعودہ خلافت راشدہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ اور اگر آپ کو چوتھا خلیفہ راشد نہ تسلیم کیا جائے تو پھر قرآن مجید کی سورۃ الحج کی آیت تمکین کی پیشگوئی بھی صحیح قرار نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں مہاجرین اوّلین کے متعلق وعدہ ہے اور حضرت علی المرتضٰی بھی یقیناً مہاجرین اوّلین میں سے ہیں لہٰذا حضرت علی سمیت چاروں خلفاء (چار یارؓ) آیت تمکین کا مصداق ہیں۔ قرآن حکیم کی ان آیات اور وعدہ خداوندی کی بناء پر مسئلہ خلافت کے متعلق شیعہ اور خارجی نظریات قطعی باطل قرار پاتے ہیں۔ اور سنی عقیدہ خلافت راشدہ آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ وللہ الحمد۔

اعتراض نمبر ۳ کی بحث

مؤلف اصل حقیقت لکھتے ہیں:

چکوالی صاحب کے رافضیت زدہ دل و دماغ میں جو تعفن ہے اس کا ایک اور مظہر ان کا یہ اعتراض ہے۔ اور حضرت امام اہل سنت کے خلاف جب ان کی رجعت شروع ہوئی ہے تو اس وقت سب سے پہلے جو اعتراض جو انہوں نے کیا تھا وہ یہی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نیز اپنے باقی ائمہ عشر (بارہ امام) کے لیے شیعہ حضرات اپنے تصور امامت یعنی امامت برتر از نبوت کے مطابق امام اور علیہ السلام لکھتے اور بولتے ہیں

اسی لیے شیعی پروپیگنڈے کے زہریلے اثرات سے آشنا محتاط اہل علم۔ اہل سنت میں شیعی ائمہ کے لیے ان الفاظ کے استعمال کو نامناسب سمجھتے ہیں اور شیعوں کی مشابہت سے بچنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ بات بھلا باطنی شیعوں کو کہاں پسند آسکتی ہے۔ اسی لیے چکوالی صاحب بھی (جن میں اپنے والد کے بریلویانہ اثرات اب تک باقی ہیں) بزرگوں کی آڑ میں اپنے اس قلبی مرض کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ: بعض لوگ ان حضرات کے لیے امام کا لفظ بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔ یہ دراصل خارجی مشن کے اثرات ہیں جو شعوری یا غیر شعوری طور پر اہل سنت کے عنوان سے پھیلائے جا رہے ہیں۔'' (یادگار حسین مؤلفہ قاضی مظہر حسین چکوالی ص ٦)

اس کے جواب میں ہم خود کچھ کہنے کے بجائے قاضی مظہر حسین چکوالی کے اکابرین میں سے بعض ''خارجی'' حضرات کی تحریریں پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں (ا) سب سے پہلے تو ہم اس مضمون کا حوالہ دیں گے جو محدث العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ کا تحریر کردہ ہے اور اسے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ النجم لکھنو (محرم ١٣٦٣ھ) میں شائع کیا تھا۔ اسی مضمون کو اب دوبارہ دارالمبلغین لکھنو کے ترجمان ماہنامہ ''ندائے سنت لکھنو'' نے بھی نومبر ١٩٨٠ء کی اشاعت میں درج کیا ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے۔ ''حضرت حسین کو امام اور سید الشہدا کہنا درست نہیں۔'' چکوالی صاحب کے غیض وغضب میں مزید اضافہ کرنے کے لیے ہم انہیں یہ اطلاع بھی دینا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں انہوں نے حضرت امام اہل سنت مدظلہ کے جس رسالہ ''اہل سنت اور نظریہ امامت'' پر اعتراضات کیے تھے اب یہی رسالہ اللہ کے فضل وکرم سے دارالمبلغین لکھنو کے اس ترجمان ماہنامہ ''ندائے سنت'' میں بھی بہ تمام وکمال شائع ہو گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو۔ ندائے اہل سنت لکھنو شمارہ ١٠ اکتوبر نومبر ١٩٨٣ء)

مؤلف کا جھوٹ نمبر ۳۷......الجواب

مؤلف ''اصل حقیقت'' نے یادگار حسین سے جو میری عبارت پیش کی ہے۔ اگر

ماقبل کی عبارت پیش کر دیتے تو ناظرین بندہ کے مسلک سے واقف ہو جاتے لیکن مؤلف کے دامن میں غالباً بد دیانتی اور کذب بیانی ہی کی دولت پائی جاتی ہے اس لیے وہ اخفائے حق پر مجبور ہیں۔ میں نے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارے میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے ایک طویل مکتوب سے حسبِ ذیل عبارت نقل کی ہے:

جب یہ سولہ (۱۶) مقدمات تمہید کے طور پر بیان ہو گئے تو شیعوں کے اعتراضات کی دھجیاں بکھر گئیں اور سنیوں کے طرزِ فکر کے مطابق جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کے امام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وعن اولادہ کی شہادت پر انگلی اٹھانے کی گنجائش نہ رہی اور اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید پلید کو ولیعہد بنانے میں بھی کوئی خدشہ موجب انکار نہ نکلا۔'' (قاسم العلوم مترجم اردو ص ۱۷۳)

اس میں حضرت نانوتوی قدس سرہ نے یزید کو تو اپنی تحقیق کے مطابق پلید لکھا ہے (جس پر یزیدی گروہ مشتعل ہوگا) لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کر دیا ہے کیونکہ بعد میں یزید کی خرابیوں کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔ اس کے بعد بندہ نے یہ لکھا ہے کہ: ''حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت زیادہ افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ رافضی آپ کو دیگر ائمہ اہل بیت کی طرح بذریعہ وحی خدا کی طرف سے نامزد امام معصوم مانتے ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔ موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ وغیرہ انبیائے سابقین علیہم السلام سے بھی افضل مانتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ اور خارجی فرقہ کے لوگ حضرت علی المرتضیٰ کو بھی کافر قرار دیتے ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بھی توہین وتکفیر کرتے ہیں۔ لیکن اہل السنت والجماعت ان دونوں کے خلاف مسلک حق واعتدال پر قائم ہیں۔ وہ ان حضرات کو اپنے اپنے درجہ پر تسلیم کرتے ہوئے ان کی محبت کو جزو ایمان قرار دیتے ہیں۔ نہ انبیاء وخلفائے راشدین پر ان کو فوقیت دیتے ہیں اور نہ کسی پہلو سے ان کی تنقیص وتوہین کرتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''منصب امامت'' میں امامت کے متعدد اقسام بیان کیے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس خود خلیفہ سیاست ایمانی میں نبی کے مشابہ ہے اسی واسطے اسے امام کہتے ہیں۔

پس نمازیوں کی جماعت کا متبوع ادائے نماز میں نبی کے مشابہ ہے اور وہی نماز کا امام ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جو کوئی مذکورہ کمالات میں سے کسی کمال میں انبیاء اللہ سے مشابہت رکھتا ہو وہی امام ہے (منصب امامت مترجم اردو ص ۵۹)

نیز فرماتے ہیں۔ پس مطلق لفظ امام سے صاحب امامت باطنہ سمجھا جاتا ہے اور بس۔ کسی امام سے ظہور ہدایت کی قلت اس کے درجہ غلو و کمال کے سقوط یا کمی کا باعث نہیں بن سکتی۔ یہی ائمہ اہل بیت ہیں کہ ان میں سے ایک امام جعفر صادق رحمۃ اللہ جو پیشوائے عالم اور رہنمائے بنی آدم ہیں۔ ایک ان میں سے ان کے جد امجد حضرت سجاد رحمۃ اللہ ہیں جو سوائے چند اکابر اہل بیت کے بہت کم لوگ ان سے مستفید ہوئے'' (ص ۷۲)

اور تحریر فرماتے ہیں کہ: امامت تامہ کو خلافت راشدہ۔ خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافت رحمت بھی کہتے ہیں۔ (ص ۷۵)

بعض لوگ ان کے لیے امام کا لفظ بھی ناجائز قرار دیتے ہیں اور ان کو اہل بیت بھی تسلیم نہیں کرتے یہ دراصل خارجی مشن کے اثرات ہیں جو شعوری یا غیر شعوری طور پر اہل سنت کے عنوان سے پھیلائے جا رہے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ امت کے مجددین و محدثین وغیرہ بھی لفظ امام اور اہل بیعت کے مفہوم سے ناآشنا رہے ہیں۔ اور سنیت کے نام سے یہ طریق تبلیغ و اصلاح مذہب اہل السنت والجماعت کو ہی مجروح کرنے والا ہے۔ (یادگار حسین ص ۴ تا ۶)

② بندہ نے یہاں شیعی عقیدہ امامت کا بھی رد کیا ہے اور خارجی عقیدہ کا بھی اور مؤلف اصل حقیقت نے میری مذکورہ عبارت اس لیے نقل نہیں کی تا کہ ان کے اس جھوٹ کا پردہ چاک نہ ہو جائے جو وہ مجھ پر شیعی عقیدہ امامت کا ایک عظیم بہتان تراش رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو اصل حقیقت ص ۷۳)

③ میں نے یہ نہیں لکھا کہ جو شخص حضرت حسین وغیرہ ائمہ اہل بیت کے ساتھ روافض کے تشابہ سے بچنے کے لیے احتیاطاً لفظ امام استعمال نہیں کرتا وہ خارجی ہے۔ بلکہ میں نے یہاں دو باتیں لکھی ہیں:

(۱) جو لوگ ان حضرات کو اہل بیت نہیں مانتے (۲) اور ان کے لیے امام کا لفظ بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں باتوں کے مجموعہ کو میں نے خارجیت سے متاثر ہونا بتایا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ محمود احمد عباسی اور ان کی پارٹی حضرت علی المرتضیٰ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو اہل بیت نہیں تسلیم کرتے اور مسلم شریف کی اس حدیث کو وضعی قرار دیتے ہیں۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **اللھم ھٰؤلآء، اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس فطھرھم تطھیرًا۔** ''(اے اللہ۔ یہ میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں ان سے رِجس کو دور فرما اور ان کو اچھی طرح پاک کر دے)۔'' گو قرآن کی آیت تطہیر ❶ کا خطاب نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ازواج (امہات المومنین) کو ہے اور وہی اس کا اوّلین مصداق ہیں۔ لیکن از روئے حدیث نبوی حضرت علی وغیرہ مذکورہ حضرات بھی اہل بیت ہیں اور اہل السنّت والجماعت اجماعی طور پر ان کو بھی اہل بیت قرار دیتے ہیں۔ لیکن عباسی صاحب نے سرے سے اس حدیث کا ہی انکار کر دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۳۰)

لیکن مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی از روئے حدیث ان حضرات کو اہل بیت تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی بھی ان حضرات کے اہل بیت ہونے کے قائل ہیں۔ لہٰذا مؤلف کا ان علماء کو بھی میری زیر بحث تحریر کا مصداق قرار دینا جھوٹ اور افتراء ہے۔ اور اسی بہتان تراشی کے لیے مؤلف نے میری عبارت کے صرف یہی الفاظ لکھے ہیں کہ: بعض لوگ ان حضرات کے لیے امام کا لفظ بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔'' اور اسکے متصل یہ عبارت نہیں لکھی۔ اور ان کو اہل بیت

---

❶ انما یُرید اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنکُمُ الرجسَ اَھْلَ البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (سورۃ احزاب ع۴۔ آیت ۳۳) اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے پیغمبر کے گھر والو تم سے (معصیت و نافرمانی کی) آلودگی دور رکھے اور تم کو (ظاہراً و باطناً، عقیدتاً و عملاً و خلقاً بالکل) پاک صاف رکھے'' (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)۔ اس آیت تطہیر کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بندہ نے یادگار حسین رضی اللہ عنہ ص ۱۸ پر نقل کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمالیں۔

بھی تسلیم نہیں کرتے۔'' مؤلف کا اوڑھنا بچھونا یہی بددیانتی اور افتراء ہے جس کا مظاہرہ اس سارے کتابچہ میں ہے جس کا نام ''اصل حقیقت'' رکھا ہے۔ ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

اسی موقع پر بولا جاتا ہے۔ یہ کتابچہ ''اصل حقیقت'' نہیں بلکہ بے حقیقت اور خلاف حقیقت ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اوران کا مضمون

بہت عرصہ ہوا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا گرامی نامہ میرے پاس آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ تحفہ شیعہ مؤلفہ جناب مولانا نور بخش صاحب توکلی ایم اے مرحوم (جو دو جلدوں میں ہے) کا اپنے نسخہ سے تبادلہ کرو۔ چنانچہ میں نے ''تحفہ شیعہ'' کی دونوں جلدیں ان کو اور انہوں نے اپنی دونوں جلدیں میرے پاس بھیج دیں۔ اس پر مولانا موصوف نے شکریہ کا خط لکھا تھا۔ ان کے پاس جو نسخہ تھا وہ غیر مجلد تھا اور ابتدائی صفحات کچھ بوسیدہ تھے۔ بعد ازاں خط و کتابت کا کوئی موقع نہ مل سکا مؤلف صاحب نے ندائے سنت لکھنو نومبر ۱۹۸۰ء کے حوالہ سے حضرت مولانا اعظمی صاحب کے جس مضمون کا ذکر کیا ہے وہ میں نے دیکھا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ ''تحقیق انیق۔'' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء اور امام کہنا درست نہیں۔'' لیکن اس کے نیچے لکھا ہے۔ از تبرکات حجۃ الاسلام حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ۔''

اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مضمون امام اہل سنت مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کا ہے نہ کہ مولانا اعظمی کا۔ البتہ اس کے بعد دسمبر ۱۹۸۰ء کے پرچہ میں ایڈیٹر صاحب کی طرف سے اس پر معذرت کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ یہ مضمون حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا ہے۔ غلطی سے یہاں امام اہل سنت کا نام درج ہو گیا ہے۔

سید الشہداء کی بحث

اس مضمون میں حضرت مولانا اعظمی لکھتے ہیں: احادیث نبویہ میں میں صرف دو

صحابیوں کے لیے سید الشہداء کا لفظ وارد ہوا ہے ایک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دوسرے بلال مؤذن رضی اللہ عنہ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں: ان دو صحابیوں کے علاوہ اور کسی باب میں یہ لفظ میری نگاہ سے کسی روایت میں نہیں گذرا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ریحانۃ الرسول جگر گوشہ بتول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام نامی کے ساتھ سید الشہداء کا استعمال کسی مذہبی روایت یا نص نبوی پر مبنی نہیں۔ الخ

تبصرہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے سید الشہداء اور امام الشہدا کے الفاظ تو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس سرہٗ استعمال فرماتے ہیں۔ چنانچہ ''یادگار حسین'' میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی جو عبارت بندہ نے درج کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: ''جگر گوشۂ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم امام الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ۔ الخ (ص ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ سید الشہداء کا ارشاد نبوی بوجہ مخصوص لقب کے نہیں ہے۔ ورنہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اس کا اطلاق حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر نہ کرتے یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ شہداء تو انبیائے کرام میں بھی ہیں۔ اور خلفائے راشدین میں سے حضرت فاروق اعظم۔ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ بھی شہید ہیں اور ان سے پہلے ۱۴۔ اصحاب بدر بھی شہید ہوئے ہیں۔ تو کیا ان سب کے بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما سردار ہیں؟ کیوں نہ یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ حضرت حمزہ شہدائے احد کے سردار ہیں۔ اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی سید شہدائے کربلا قرار دینا جائز ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء کا وسیع مفہوم

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ متوفی ۳۷۰ھ (جو متقدمین محققین میں سے ہیں اور طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیے جاتے ہیں) لکھتے ہیں: عن ابن عباس قال النبی

صلی اللّٰہ علیہ وسلم سیّد الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ورجل قام الی امام جائر فامرہٗ ونہاہ فقتلہ (احکام القرآن جلد دوم ص ۳۴ ناشر سہیل اکیڈمی لاہور) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب سید الشہداء ہیں اور وہ شخص (بھی) جو کسی ظالم امام (یعنی سربراہ مملکت) کے مقابلہ میں کھڑا ہو جائے اور اس کو امر و نہی کرے۔ پھر وہ امام جائر اس کو قتل کر دے۔ (ایضاً الجامع الصغیر للسیوطی ج ۲، ص ۳۴)

فرمایئے! اب تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہو گیا کہ صرف حضرت حمزہ سید الشہداء نہیں بلکہ ہر اس شخص کو بھی سید الشہداء کہا جا سکتا ہے جس کو اعلان حق کی بنا پر کوئی ظالم و جابر حکمران قتل کر دے۔ لہٰذا نہ صرف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بلکہ ان کے علاوہ دوسرے شہیدوں کو بھی سید الشہداء قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی سید الشہداء قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے حدیث کے تحت لکھا ہے۔ کاش کہ اصاغر علماء حضرات اکابر علماء کی تحقیق پر اعتماد کرتے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی بصیرت اور حقیقت شناسی کا مقام آج کسے نصیب ہو سکتا ہے۔

حضرۃ حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہنا رسالت کی توہین ہے

(مولانا عبیداللہ انور رحمہ اللہ)

مؤلف ''اصل حقیقت'' اپنے کتابچہ کے آخری صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں: جانشین شیخ التفسیر یادگار سلف حضرت مولانا عبیداللہ انور اپنے ایک خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں: حضرت رضی اللہ عنہ کی اس عظیم نسبت اور ان کے شرف صحابیت کے انکار کی مجال نہیں لیکن انہیں سید الشہدا کہنا رسالت کی اس لیے توہین ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس شرف کا مصداق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے۔ انہیں امام کہنا رفض و سبائیت کی غیر شعوری تبلیغ ہے اس لیے کہ روافض کے نزدیک امامت کا ایک مخصوص مفہوم ہے جس کے پیش نظر وہ نبی سے

امام کو افضل ترین قرار دیتے ہیں اور امام کو معصوم گردانتے ہیں۔'' (ہفت روزہ خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور ص ۸۔۱۴ر محرم ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۵ر دسمبر ۱۹۷۸ء)

الجواب

① حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور جانشین ہیں شیخ التفسیر قطب زماں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہٗ کے اور حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا جو سابقہ خطبہ خدام الدین ۱۱ر محرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۲ء میں شہادت حضرت حسین کے متعلق دوبارہ شائع ہوا تھا۔ وہ حال ہی میں انجمن خدام الدین لاہور نے ''شہادت حسین'' کے نام سے کتابی صورت میں دوبارہ شائع کیا ہے۔ اور اس میں جا بجا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امام کا لفظ لکھا ہے تو ہم یہ کیسے باور کریں کہ حضرت جانشین صاحب موصوف نے اپنے شیخ اور مقتدا حضرت لاہوری کے معمول کے خلاف لفظ امام کو ممنوع قرار دیا ہوگا اور نہ ہی بات قابل تسلیم ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے سید الشہداء کے الفاظ استعمال کریں لیکن مولانا عبید اللہ صاحب انور اتنے سخت الفاظ میں اس استعمال پر تنقید کریں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہنا رسالت کی توہین ہے۔'' غالباً یہ الفاظ حضرت مولانا موصوف کے خطبہ میں الحاقی ہیں۔ کیونکہ ہمیں پہلے تجربہ ہو چکا ہے کہ ان کے نام سے ایک خطبہ پہلے بھی شائع کیا گیا تھا اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی تھا۔

حضرۃ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے غلط بیانی سے کام لیا (مولانا عبید اللہ انور)

ہفت روزہ خدام الدین لاہور مورخہ ۱۵ر۔۲۲ر جون ۱۹۶۲ء میں مولانا عبید اللہ صاحب انور جانشین حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا جو خطبہ شائع ہوا تھا اس میں لکھا تھا کہ: اسلامی تاریخ میں نفاق کی ایک لکیر ہے اس لکیر کا اسلامی حکومت کے زوال سے گہرا تعلق ہے۔ یہ لکیر بنی ہاشم اور بنی امیہ کی خاندانی رقابت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نفاق کی تین تحریکیں پیدا ہوئیں۔ بنی امیہ میں نفاق، عرب اور غیر عرب میں

نفاق۔ قریش اور غیر قریش میں نفاق۔ یعنی حکومت کے اعلیٰ۔ درمیانی اور ادنیٰ تینوں طبقوں میں حسبِ مدارج نا اتفاقی کا اثر موجود تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اب میں ایک ایسی چال چلتا ہوں یا تو جنگ ختم ہو جائے گی یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں نفاق بڑھ جائے گا۔ اس نے اپنی فوج کے متعدد نیزوں پر قرآن بندھوائے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فریب سے کام لے کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ کو اعلان فیصلہ کے لے منبر پر کھڑا کر دیا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری عمرو بن العاص کی اس غلط بیانی پر ششدر رہ گئے اور فرمایا کہ: یہ اعلان صریح غداری اور بے ایمانی ہے...... خلفائے راشدین کی سنت یہ ہے کہ مسلمانوں کی مجلس شوریٰ خلیفہ منتخب کرے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر و کسریٰ قائم کر دیا''۔

فرمایئے مؤلف صاحب! خدام الدین کے اس خطبہ جمعہ پر کیا کچھ کہیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ خطبہ مولانا عبید اللہ انور صاحب نے نہیں لکھا بلکہ ڈاکٹر مناظر حسین صاحب نظر (سابق ایڈیٹر خدام الدین) نے لکھا ہے ہم خود یہ خطبہ پڑھ کر بہت پریشان ہوئے تھے۔ مودودی جماعت نے ٹریکٹ کی صورت میں اس خطبہ کی سارے ملک میں اشاعت کی اور پروپیگنڈا کیا کہ ان کے امیر ابو الاعلیٰ مودودی صاحب پر الزام لگاتے ہو کہ انہوں نے خلافت و ملوکیت میں حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص کی توہین کی ہے۔ اب شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے جانشین صاحب کے اس خطبہ کو دیکھ لو۔ آخر جب ہم نے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور سے دریافت کیا تو فرمایا کہ حضرت لاہوری کی وفات کے بعد مصروفیات کی وجہ سے میں خود خطبہ جمعہ نہیں لکھ سکا تھا۔ ڈاکٹر مناظر حسین صاحب نظر نے یہ خطبہ خود لکھا اور میرے نام سے شائع کر دیا۔ جس کی بعد میں ہمیں اطلاع ہوئی۔'' اس خطبہ کی اشاعت کے متعلق یہ داستان علامہ خالد محمود صاحب ایم اے (پی ایچ ڈی) بھی جانتے ہیں۔ ان سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے وصال کے بعد خدام الدین کے مضامین کی نگرانی نہیں کی گئی۔ اسی کمزوری کی وجہ سے خدام الدین ۱۲ر دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۲۰ میں وہ

مضمون شائع ہو گیا تھا جس میں ایران کے خمینی کے متعلق یہ القاب لکھے تھے۔

حضرت مجاہد ملت غازی دین متین علامہ آیت اللہ خمینی دامت برکاتہم۔ اس مضمون کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے۔ (دیکھیے کتاب ہٰذا)

خدام الدین کے نئے تبصرہ نگار

خدام الدین لاہور ۳۰ نومبر ۱۹۸۴ء میں دو کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے:

(۱) کتاب خارجی فتنہ حصہ اوّل پر علمائے اہل السنّت والجماعت کے تائیدی تبصرے۔ اس کے مرتب قاری شیر محمد صاحب علوی سلمہٗ (لاہور) ہیں۔ تبصرہ نگار خارجی فتنہ حصہ اوّل کے متعلق لکھتے ہیں کہ: کتاب کے نام کے اوّل میں مولانا اسحٰق صاحب کی طرف ان عقائد کی جو نسبت کی گئی ہے وہ محلِ نظر ہے کیونکہ مولانا صاحب کی ساری عمر ردِ رفض میں صرف ہوئی اور ایسے تعاقب وتردید میں شاید ہی مولانا موصوف راہ اعتدال سے ہٹے ہوں۔ جہاں اس بات کا تعلق ہے کہ مولانا صدیقی صاحب محمود عباسی کی کتاب سے متاثر ہیں۔ یہ بات بھی قرین قیاس نہیں کیونکہ ایک عمومی مجلس میں جب مولانا سے ''خلافت معاویہ ویزید'' کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا یہ کتاب اہل السنّت والجماعت کے عقائد ونظریات کی ترجمان نہیں صرف شیعہ کا جواب ان کی اپنی زبان میں ہے۔

الجواب

معلوم ہوتا ہے کہ تبصرہ نگار نے میری کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' کے مباحث پڑھے ہی نہیں۔ میں نے زمانہ حال کے خارجی فرقہ کے جو عقائد بعنوان ''خارجیت کا طوفان'' درج کیے ہیں ان عقائد کی نسبت مولانا کی طرف نہیں کی گئی بلکہ مولانا سندیلوی کو بتایا ہے کہ خارجی فرقہ اس قسم کے عقائد کی تبلیغ وتشہیر کر رہا ہے کیونکہ مولانا موصوف نے اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' جلد اوّل ص ۲۰ پر لکھا ہے کہ:

اگر اس سے مراد نواصب وخوارج ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان وہندوستان میں نہیں ہے''

(ب) مولانا سندیلوی نے محمود احمد عباسی کی کتاب مذکور کی تائید کی ہے۔ چنانچہ ان کی تائید عبارت کتاب ہٰذا ص ۳۰۵ پر منقول ہے ملاحظہ فرمالیں۔ حالانکہ عباسی صاحب کی کتاب میں حضرت علی المرتضٰی اور حضرت حسین کی صریح توہین پائی جاتی ہے۔

(ج) جمہور اہل السنّت کا یہ عقیدہ ہے کہ مشاجرات صحابہ میں حضرت علی المرتضٰی صواب پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر۔ البتہ ان کی یہ خطا اجتہادی تھی لیکن مولانا سندیلوی اس عقیدے کو بے دلیل بلکہ خلافِ دلیل قرار دیتے ہیں اور خارجی فتنہ حصہ اوّل میں اسی مسئلہ پر بحث کی گئی ہے۔

(د) جمہور اہل سنت کے نزدیک یزید فاسق تھا لیکن مولانا سندیلوی اس کو صالح اور عادل قرار دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ خارجی فتنہ حصہ دوم میں زیر بحث آئے گا۔ علاوہ ازیں مولانا موصوف نے قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضٰی پر تنقیدیں بھی کی ہیں اور وہ عبارتیں کتاب ہٰذا ص ۳۴۱ پر بھی منقول ہیں۔

② تبصرہ نگار صاحب نے مرتب رسالہ قاری شیر محمد صاحب پر یہ تنقید کی ہے کہ انہوں نے خدام الدین جلد ۲۸ شمارہ ۱۷ کے خطبہ حضرت شیخ التفسیر رحمہ اللہ کا مرتب مولانا سعید الرحمٰن علوی کو بتایا ہے۔ حالانکہ یہ عقل و روایت کے خلاف ہے۔'' اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا یہ خطبہ خدام الدین میں سالہا سال پہلے شائع ہوا تھا اور جو خطبات مولانا احمد علی حصہ اوّل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اب علوی صاحب نے اسے دوبارہ شائع کیا ہے۔ مرتب سے مراد یہاں مصنف نہیں بلکہ یہ ہے کہ خدام الدین ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کے دیگر مضامین کی ترتیب میں مذکورہ خطبہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ خود قاری شیر محمد صاحب موصوف تائیدی تبصروں کے مرتب ہیں نہ کہ مصنف۔

کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ''

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے تبصرہ نگار موصوف لکھتے ہیں:

رفض اپنے کھلے انداز و روپ میں ہو یا تقیہ و منافقت کی آڑ میں یہ قاضی صاحب

اس حقیقت کو بھانپ کر اس کے تعاقب میں اپنے متعلقین سمیت چل پڑتے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں حضرت قاضی صاحب کا رویہ خاندان بنوامیہ کے سلسلہ میں راہ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے اور بنوامیہ کے سلسلہ میں آپ جو شدت اختیار فرماتے ہیں اس کا شکوہ صرف غیروں ہی کو نہیں بلکہ آپ کے متعلقین اور ارادت مندوں کو بھی ہے۔ زیرنظر کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ قاضی صاحب کے متعلقین میں سے مولانا مہر حسین شاہ صاحب نے آپ کی مایہ ناز کتاب ''خارجی فتنہ'' میں بعض مقامات پر اس قسم کی عبارات کی تلخی کو محسوس کر کے حضرت قاضی صاحب کو ایک تفصیلی خط لکھا جس میں ان تلخ اور سخت عبارات کی نشاندہی کی گئی ہے...... کتاب کی علمی حیثیت مسلّم ہے مگر اکثر و بیشتر مقامات پر یہ احساس ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو اپنی مُغلق اور تلخ عبارات کی وضاحت میں سخت مشکل پیش آ رہی ہے۔ مثال کے طور پر ص ۵۳ پر (علمی محاسبہ) کی عبارت ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حقیقتاً'' باغی نہ تھے کہ اس عبارت کو بار بار پڑھئے پھر بھی وضاحت نہیں ہوتی کہ حضرت قاضی صاحب کیا فرمانا چاہتے ہیں۔ ایک ہی عبارت کو بار بار لوٹایا جا رہا ہے۔

تبصرہ

تبصرہ نگار صاحب نے اس مختصر کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ مولوی مہر حسین شاہ صاحب بخاری مؤلف ''کھلی چٹھی'' کے شیخ واستاد مولانا لعل شاہ بخاری کی کتاب ''استخلاف یزید'' پر تنقید کرتے ہوئے میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں یہ لکھا تھا کہ بخاری صاحب موصوف کا مطالعہ وسیع ہے متعدد کتابوں کے انبار لگا دیئے ہیں لیکن وہ بھی راہ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد ناواقف قاری کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ حُسنِ ظن نہیں رہتا جو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ مثلاً حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں الخ (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۲۵) اور ص ۴۲۹ پر میں نے لکھا:

بہر حال شاہ صاحب موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس طریق سے تنقید و مذمت کا ہدف بنایا ہے نا جائز ہے (ایضاً حاشیہ ص ۴۲۹)

مولانا لعل شاہ صاحب بخاری پر میری تنقید سے مولوی مہر حسین شاہ صاحب بخاری برافروختہ ہوئے اور میرے نام کھلی چٹھی لکھی جس میں یہ بھی لکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی نہیں اور آپ مجتہد بھی نہیں وغیرہ۔ درحقیقت مولوی مہر حسین شاہ صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعیت کے راستہ پر گامزن ہیں۔

② انہوں نے الزاماً کھلی چٹھی میں مجھے یہ لکھا کہ تم نے بھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ بندہ نے تو ساتھ ہی اس کی توجیہ بھی لکھ دی ہے کہ باطل، جور، باغی کے الفاظ جو بعض اکابر اہل سنت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں استعمال کیے ہیں ان سے مراد صورتاً جور و بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ نے بھی لکھا ہے:...... اس لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں صاحب فضائل ہیں۔ ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں۔ (خلفائے راشدین ص ۱۱، ۱۹)

امام اہل سنت کی پوری عبارت میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۸۳ پر نقل کر کے اس کی توجیہ بھی کر دی ہے کہ یہاں بغاوت سے مراد صورتاً بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً۔ کیونکہ یہ اجتہادی خطا کی بنا پر ہے میں نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہر جگہ دفاع کیا ہے اور تبصرہ نگار اس کے برعکس نتیجہ نکال رہے ہیں۔

③ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے تقابل کی تو میں نے کسی کتاب میں بحث ہی نہیں کی اور اس قسم کے تقابل کو میں صحیح نہیں سمجھتا جس کو شیعہ اور خارجی اپنی اپنی بنیاد بناتے ہیں۔ بحث تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ کی ہے اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے موقف کی۔ ان دونوں مسئلوں میں بندہ نے اہل السنّت والجماعت کی ترجمانی کی ہے۔ تبصرہ نگار صاحب ان کتابوں کو غور سے پڑھنے کی کوشش

کریں اور مسلک اہل السنّت والجماعت کا تحفظ کریں۔ آخر میں خدام الدین کے نگران حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور شیخ التفسیر قطب زمان حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہور رحمہ اللہ کی یادگار ہے اس کے مضامین اور تبصرے بغیر تحقیق اور نظر ثانی کے نہیں شائع ہونے چاہئیں۔

تبصرہ نگار موصوف (جن کا نام معلوم نہیں) بالکل نئے اور نا تجربہ کار معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ان زیر بحث مسائل سے واقف ہی نہیں اور نہ انہوں نے ان کتابوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اصل مقصد تو مسلک اہل السنّت والجماعت کا تحفظ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خود تبصرہ نگار ہی مسلک اہل السنّت والجماعت کو شعوری یا غیر شعوری طور پر مجروح کرتے رہیں۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

خمینی کون ہیں؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خمینی صاحب کٹر شیعہ ہیں اور عموماً شیعہ اثنا عشریہ ان کو نائب امام غائب قرار دیتے ہیں۔ خمینی صاحب نے اپنی کتابوں میں صاف لکھا ہے کہ ابوبکر اور عمر نے قرآن کی مخالفت کی۔ الخ

(ملاحظہ ہو کشف الاسرار فارسی ص ۱۳۶، ۱۴۷)

میں نے اپنی کتاب ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ'' میں خمینی صاحب کی کتابوں سے ان کے شیعی عقائد لکھے ہیں اور پھر میاں طفیل محمد صاحب سے سوال کیا ہے کہ ان عقائد کی وجہ سے اہل سنت اور اہل تشیع میں اگر اسلامی اتحاد کی کوئی بنیاد پائی جاسکتی ہے تو اس کی نشاندہی کریں؟

میں نے کتاب ''تحفۂ خلافت'' اور ''دعوت اتحاد کا جائزہ سے'' زیادہ نفع اٹھایا ہے۔ (مولانا منظور نعمانی)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دام فیضہم کو ہم تحریک خدام اہل سنت کی مطبوعہ کتابیں بھیجتے رہتے ہیں۔ چنانچہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب

لکھنوی رحمہ اللہ کا مجموعہ تفسیر آیات قرآنی (جو حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی امیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب نے ''تحفہ خلافت'' کے نام سے شائع کیا ہے) اور کتاب میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ وغیرہ بھیجی گئی تھیں۔ تو حضرت مولانا موصوف نے حافظ عبدالوحید صاحب حنفی (ناظم دفتر تحریک خدام اہل سنت چکوال) کے نام اپنے گرامی نامہ محررہ ۸/ ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ میں تحریر فرمایا کہ:

آپ کی مرسلہ کئی کتابوں سے استفادہ کیا۔ خاص کر ''تحفہ خلافت'' اور ''دعوت اتحاد کا جائزہ'' سے میں نے زیادہ نفع اٹھایا۔ جزاکم الله تعالیٰ۔ لکھنؤ حالانکہ شیعوں کا مرکز ہے لیکن شیعوں کی کتابیں یہاں بلکہ ہندوستان بھر میں کہیں نہیں ملتیں۔ آپ کی مرسلہ بعض کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مجلسی کی جلاء العیون وغیرہ یا ان کے ترجمے پاکستان میں چھپ گئے ہیں۔ زحمت برداشت کر کے مجھے شیعوں کی ان قدیم کتابوں کے نام اور ملنے کا پتہ لکھ دیجئے جو پاکستان میں دستیاب ہیں...... ایرانی انقلاب اور خمینی کے متعلق جو کچھ الفرقان میں آیا ہے وہ اصل کتاب کا ابتدائی حصہ ہے اصل کتاب کی کتابت ہو رہی ہے۔ ابھی مجھے بھی کچھ لکھنا باقی ہے۔

محترمی جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ الخ

حضرت مولانا نعمانی موصوف کی کتاب کا جو حصہ الفرقان لکھنؤ میں شائع ہوا ہے اس سے بھی کئی ناواقف اہل سنت کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ معلوم ہو گیا ہے کہ شیعیت اور خمینیت کیا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت مولانا کی اس کتاب سے (جو ہندوستان میں ایرانی انقلاب۔ امام خمینی کے نام سے چھپ گئی ہے جس کا ایک نسخہ حضرت مولانا نعمانی نے ہمیں بھیجا ہے)۔ عالم اسلام کو بہت نفع حاصل ہوگا۔ یہ حق تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ مولانا دام فضلہم کو اس پیرانہ سالی میں اس عظیم فتنہ رفض کے تعاقب اور نشاندہی کی توفیق ملی۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشآء۔

ایک کتاب آتشکدہ ایران (اختر کاشمیری)

لاہور کے ایک صحافی جناب اختر کاشمیری نے انقلاب ایران کے سلسلہ میں ایک

کتاب ''آتشکدہ ایران'' شائع کی ہے۔ موصوف ایران کی دعوت پر ۱۹۸۲ء کی عالمی سیرت کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے ایران میں جو کچھ دیکھا وہ پوری جرأت سے قلمبند کر دیا ہے۔ کتاب قابل مطالعہ اور باعثِ عبرت ہے۔ اختر کاشمیری نے ''شمع سخن'' کے تحت انقلاب ایران کا جو مختصر تجزیہ کیا ہے حسب ذیل ہے:

انقلاب ایران کی مثال بھی چراغ کی سی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے دور سے دیکھا تو انہیں صرف نور کا ہالہ نظر آیا۔ مگر ہم نے اس کی تپش کو بہت قریب سے محسوس کیا ہے اس لیے ہمارے نزدیک تو وہ نور کا ہالہ نہیں۔ شعلۂ جوالہ ہے۔'' (ص ۱۱)

② لکھتے ہیں: جب کسی مقرر کی تقریر کے دوران امام خمینی کا نام آتا ہے تو ان پر درود پڑھا جاتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی آنے پر ایک بار بھی درود نہیں پڑھا گیا'' (ص ۱۱۲)

امام خمینی اور ان کے رفقاء عرب دشمنی میں بہت آگے جاچکے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کعبے کو فتح کر کے وہاں سے امام خمینی کے امام مہدی ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور پھر عالم اسلام کے نوے کروڑ مسلمان امام خمینی کے ہاتھ پر ازسرِ نو اسلام قبول کریں۔ اس سے قبل وہ کسی کو مسلماں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں'' (ص ۱۱۸)

④ امام خمینی نے اپنے موجودہ منصب پر فائز ہونے کے بعد بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو جو مبینہ نامۂ محبت تحریر کیا اس میں یہ ارشاد رشد و ہدایت بھی موجود ہے کہ ''ہندوستان کی سرزمین پر مہاتما گاندھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیمات کے ترجمان تھے اس لیے ہندوستان اور ایران کے درمیان محبت کا لازوال اور ناقابل شکست رشتہ موجود ہے'' (ص ۸۴)

یہ ہے انقلاب ایران اور نائب امام غائب خمینی کے شیعہ مذہب کی حقیقت کہ مسٹر گاندھی ہندوستان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تعلیمات کے ترجمان تھے۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔**

دوسری کتاب سفرنامۂ ایران (اسعد گیلانی)

اختر کاشمیری صاحب نے ''انقلاب ایران'' کے مشاہدہ کے بعد اپنے جو تاثرات لکھے ہیں اس کا خلاصہ آپ نے پڑھ لیا ہے۔ اب جماعت اسلامی پاکستان کے ایک لیڈر سید اسعد صاحب گیلانی کے تاثرات کا خلاصہ بھی قارئین حضرات پڑھ لیں۔ گیلانی صاحب ۱۹۸۰ء، ۱۹۸۳ء میں ایرانی انقلاب کی تقریبات آزادی میں شرکت کے لیے ایران گئے تھے۔ انہوں نے بھی سفرنامۂ ایران کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں اپنے تاثرات مکمل طور پر پیش کر دیے ہیں۔ وہ اس ایرانی انقلاب کو خاص اسلامی انقلاب قرار دیتے ہیں اور دوسرے سنی ممالک کو متنبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: کیا عالم اسلام کے ۴۴ سنی ممالک کے لیے یہ بات چیلنج کی حیثیت نہیں رکھتی کہ دنیا کا واحد شیعہ ملک دین کی بنیاد پر اپنے تصورات دینی کے مطابق ایک انقلاب برپا کر چکا ہے لیکن دنیا کے چوالیس (۴۴) سنی ممالک میں سے کسی ایک ملک کے اندر بھی ان کے فقہی تصورات کے مطابق کوئی انقلاب برپا نہیں ہوا ہے (ص ۹) پھر ص ۱۰ پر گیلانی صاحب لکھتے ہیں: ہم اپنے علم اور تربیت کے مطابق ہر حال میں سچ کی حمایت کرنے پر مجبور ہیں اور سچ یہی ہے کہ ایران کا انقلاب بلاشبہ ایک اسلامی انقلاب ہے۔

خمینی مودودی اتحاد

گیلانی صاحب ''حرف اوّل'' کے تحت لکھتے ہیں:

اور جب ۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء کو انقلاب رونما ہو گیا تو عالم اسلام کی مختلف اسلامی تحریکوں کے مقتدر رہنما مولانا مودودی کے مشورے پر طیارہ چارٹر کر کے تہران پہنچے تاکہ ایران میں اسلامی انقلاب کے بانیوں کو پر خلوص مبارکباد پیش کریں۔ یہ عالم اسلام کی طرف سے ایران کے اسلامی انقلاب کا خیر مقدم کرنے والا پہلا وفد تھا جو خود وہاں پہنچا۔ (ص ۷)

خمینی مودودی ملاقات

گیلانی صاحب موصوف بعنوان ''انقلاب ایران اور مولانا مودودی'' لکھتے ہیں: اس صدی میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اسلامی انقلاب کے زبردست مفکر۔ داعی اور مجاہد تھے انہوں نے اسلام کو ایک مشن کی حیثیت سے پیش کیا اور مقصد زندگی بنا کر عمر بھر اس کے نفاذ کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ انہوں نے ۱۹۵۶ء میں امام خمینی سے مکہ مکرمہ میں دوران حج ملاقات کی تھی اور انہوں نے امام خمینی کی اسلامی تحریک پر ظلم وتشدو کے خلاف ۱۹۶۳ء میں اپنے رسالے ترجمان القرآن میں ایک زبردست معلوماتی مضمون دے کر ایران کی اسلامی تحریک کی علی الاعلان حمایت کی تھی جب شاہ نے قم کے اندر ۱۵ ہزار سے زائد اسلامی تحریک سے وابستہ انسانوں کو گولیوں سے بھون دیا تھا۔ جب خمینی کو جلا وطن کیا گیا تو مولانا مودودی کو ان سے مکمل ہمدردی اور ان کے نظریات سے اتفاق تھا۔ (ص ۲۴۵)

میاں طفیل صاحب کا انٹرویو

مودودی جماعت اسلامی کے امیر کا ایک انٹرویو مصر کے اخبار الدعوۃ میں شائع ہوا تھا۔ جس کا مستند ترجمہ جماعتی نظریات کے ترجمان ماہنامہ ''زندگی'' رامپور'' (انڈیا) کے فروری و مارچ ۱۹۸۱ء کے مشترک شمارے میں (جو انٹرویو نمبر کے عنوان سے چھپا ہے) شائع ہوا ہے۔ اس انٹرویو میں ایک سوال کا جواب میاں طفیل محمد صاحب کی زبان سے اس طرح ادا ہوا ہے:

ایران کے اسلامی انقلاب سے ہمارا تعلق پہلے ہی سے تھا لیکن ہم اس کا اظہار غیر مناسب وقت میں پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ خمینی سے ہمارا تعلق ۱۹۶۳ء ہی سے ہے جبکہ وہ ایران سے نکلے۔ ایران سے نکلنے کے بعد علامہ خمینی حج کے لیے تشریف لے گئے اور مولانا مودودی بھی حج کے لیے تشریف لے گئے تھے دونوں قائدوں میں وہاں ملاقات ہوئی اور علامہ خمینی نے مولانا مودودی کے سامنے تمام باتوں کی تشریح کی۔ مولانا مودودی جب پاکستان لوٹے تو انہوں نے ایران کے حادثات کے سلسلے میں ایک

زبردست مقالہ لکھا جو ترجمان القرآن میں شائع ہوا اور اس مقالے کی وجہ سے پرچہ چھ مہینے کے لیے بند کردیا گیا اور مولانا مودودی اور چالیس اراکین جماعت کو جیل بھیج دیا گیا۔ غرض کہ ایران کے اسلامی انقلاب سے ہمارا تعلق ابتداء سے اب تک ہے''

(بحوالہ ماہنامہ ندائے سنت'' لکھنو۔ مارچ، اپریل ۱۹۸۱ء)

جماعت اسلامی ہند کی قرارداد

ایرانی انقلاب کے بارے میں اجلاس مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند منعقدہ دہلی مئی ۱۹۸۰ء میں جو قرارداد پاس ہوئی تھی وہ ان کے ماہنامہ ''زندگی'' رام پور ستمبر ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند کا یہ اجلاس ایران کے اسلامی انقلاب کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ دور جدید میں احیاء اسلام کا جو خواب حسن البناء شہید۔ سید قطب شہید۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمۃ۔ ڈاکٹر اقبال۔ علامہ حلی شریعتی نے دیکھا تھا اس کی تکمیل سب سے پہلے آیت اللہ خمینی کی قیادت میں ایران میں ہوئی اور افغانستان۔ پاکستان نیز کئی مسلم ممالک اس منزل کی طرف گامزن ہیں۔

(بحوالہ ندائے سنت ص ۴۴)

مقام عبرت

مودودی جماعت اسلامی ایک مستقل تحریک ہے پاکستان ہو یا ہندوستان کمیونسٹوں کی طرح اسلام کے نام پر ان کا ایک ہی نظام اور پروگرام ہوتا ہے۔ طہران (ایران) کی قریباً ستر لاکھ کی آبادی میں کوئی ایک سنی مسجد بھی نہیں ہے نہ اس کی اجازت ہے۔ سنی مسلمان نماز جمعہ بھی علیحدہ نہیں پڑھ سکتے۔ ایران خالص شیعہ اسٹیٹ ہے اور پھر جو قائد انقلاب گاندھی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیمات کا ترجمان سمجھتا ہے اس کا اسلام کیسا ہوگا؟ خمینی ایران کا کلمہ ہے۔ **لا الہ الا اللّٰہ خمینی روح اللّٰہ**۔ درمیان سے محمد رسول اللہ بھی حذف ہوگیا اور شیعوں کا علی ولی اللہ بھی۔ چنانچہ جناب اختر

کاشمیری صاحب لکھتے ہیں:

امام خمینی کے ملاقات ہال میں مقدس نژاد نعرہ زن ہوئے تو لا الہ الا اللّٰہ خمینی روح اللّٰہ۔ اللّٰہ واحد۔ خمینی قائد اللّٰہ اکبر خمینی رہبر۔ مرگ برضد ولایت فقیہ۔ مرگ بر امریکا۔ مرگ برشو روی (روس) مرگ بر اسرائیل کے نعروں کا طوفان آ گیا۔ (آتشکدہ ایران ص ۴۶)

فرمائیے! جہاں حضور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تلقین فرمودہ کلمہ اسلام میں لا الہ الا اللّٰہ کے بعد محمد رسول اللہ حذف کر کے اس کی جگہ خمینی روح اللّٰہ پڑھا جائے۔ وہ اسلام کونسا اسلام ہے؟ واقعی یہ انقلاب تو بڑا ہے لیکن اسلامی نہیں غیر اسلامی ہے۔ یہ انقلاب مودودی صاحب اور خمینی صاحب کے اسلام پر ہی مبنی ہوسکتا ہے۔ اس کا اس اسلام سے کوئی تعلق نہیں جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لائے اور آپ کی جماعت صحابہ کے واسطہ سے مابعد کی امت کو پہنچا ہے۔ خمینی صاحب تقیہ اور متعہ دونوں عبادتوں کے قائل ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ'')

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کی مخالفت کی (خمینی)

ایرانی انقلاب کے سربراہ خمینی کی فارسی تصنیف ''کشف الاسرار'' کا ایک عنوان ہے:

''مخالفتہائے ابوبکر بانص قرآں ص ۱۳۹''

یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے قرآن کی نصوص کی مخالفتیں کیں۔ اس کے بعد دوسرا عنوان ہے:

مخالفت عمر با قرآن خدا'' (ص ۱۴۷)

یعنی حضرت عمر فاروق نے بھی قرآن کی مخالفت کی۔''

اب مودودی جماعت اسلامی سے ہمارا سوال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما تو قطعی طور پر قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کے وعدے اور پیشگوئی کے مطابق خلیفہ راشد ہیں تو جو شخص ان کو قرآن کا مخالف قرار دیتا ہے کیا وہ

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کا نظام نافذ کرسکتا ہے؟ آپ لوگ دوراہے پر نہ کھڑے ہوں۔ ایک راستہ اختیار کرلیں خلفائے راشدین کا یا خمینی روح اللہ صاحب کا! علاوہ ازیں یہ بھی ظاہر ہے کہ خمینی صاحب پاکستان اور سعودی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں حالانکہ مودودی جماعت سعودی حکومت سے بھی منافع حاصل کرتی ہے۔ حتیٰ کہ مودودی صاحب نے ملوکیت کے راستہ سے شاہ فیصل ایوارڈ بھی قبول کرلیا تھا۔ اور پاکستان کے ساتھ بھی وفاداری کا دعویٰ رکھتی ہے اور صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے ریفرنڈم کی تائید کرتی ہے حالانکہ اختر کاشمیری صاحب یہ انکشاف بھی کر رہے ہیں کہ مولانا آزاد کی روایت ہے کہ اس دوران کچھ ''مردان بزرگ'' تشریف لائے اور ان سے تبادلہ خیال کیا۔ ایک آیت اللہ نے کہا آخر آپ میں کس بات کی کمی ہے آپ عالم ہیں۔ شاہی مسجد کے خطیب ہیں۔ عوام میں اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔ آپ کے چاہنے والوں کی کثرت ہے۔ مولانا آزاد نے کہا بے شک اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔'' انہیں مشورہ ملا کہ پھر انقلاب کے ذریعے آپ ملک کے صدر کیوں نہیں بنتے؟ کیا فوج میں آپ کا کوئی رسوخ نہیں؟ مولانا آزاد نے مصنوعی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا میرا تو کوئی رسوخ نہیں البتہ قاضی اسرار الحق ''فوجی خطیب'' کی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔'' ارشاد ہوا پھر تو کسی تردد کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ فوج کے ذریعے انقلاب لائیں۔ یہ ملک کے صدر بنیں اور آپ وزیرِ خارجہ۔ انقلاب کے بعد ''منصب ولایت فقیہ'' بنائیں جس کے اختیارات علماء کے پاس ہوں اور کلیدی آسامیوں پر علماء کو مامور کیا جائے۔ مولانا آزاد نے واپسی پر ہمیں حکم دیا کہ قاضی اسرار صاحب کا احترام کیا جائے کیونکہ انہیں ملک کا صدر بنا دیا گیا ہے۔ (ص ۱۲۱)

یہ ہیں پاکستان میں انقلاب لانے کے لیے ایرانی اکابر کے عزائم ممکن ہے ایران نے پاکستان میں انقلاب لانے کے لیے مودودی جماعت سے سازباز کررکھی ہو۔ واللہ اعلم

تصویر پرستی

اختر کاشمیری لکھتے ہیں: بت پرستی اسلامی عقائد کی رو سے حرام ہے مگر ایران میں

انقلاب اسلامی کے بعد شخصیت پرستی کا طوفان جنون آیا ہے، تاریخ انسانی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ایسا لگتا ہے خدا بندوں کے درمیان آگیا ہے اور بندے اس کی آمد کا جشن منا رہے ہیں۔امام کی ذات بت کی حیثیت اختیار کر چکی ہے پوری قوم اس بت کی پوجا میں مصروف ہے۔امام خمینی کی تصویر ان کے پیروکاروں کے لیے تو خیر مقدس باپ کی تصویر ہے۔یہی تصویر پیشہ ور مجرموں کے لیے بھی ایک ڈھال ہے۔وہ اس تصویر کی آڑ میں بدکاری کے بیج بوتے اور جرائم کی فصل اگاتے ہیں۔حد یہ کہ ایران کے ارباب حکومت کی نظر میں وہی شخص مسلمان اور انقلابی ہے جس کے پاس امام کی تصویر دلپذیر ہے۔جس کے پاس یہ تصویر نہیں وہ اسلام دشمن۔انقلاب دشمن اور غدار ہے۔ جہاں معیار ایمان تصویر کی پرستش ہو وہاں معیار کفر خدا کی پرستش کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔(ص ۸۲)

جناب صلاح الدین صاحب کی کتاب ''انقلاب ایران'' سے حسب ذیل عبارت اختر کاشمیری صاحب نے درج کی ہے کہ:

''امام خمینی صاحب کی تصویر ایک بت کی صورت اختیار کر گئی ہے۔کوئی عمارت، اس کا اندرونی گوشہ، مکان، دکان، مدرسہ حتیٰ کہ مسجد کے صحن ومحراب۔بجلی کے کھمبے۔ درخت کے تنے، بسیں، ٹرک، گاڑیاں، غرض کوئی ایسی ساکت ومتحرک چیز موجود نہیں جس پر امام خمینی کی تصویر آویزاں یا چسپاں نہ ہو۔اب کوئی کتاب، اخبار، رسالہ ایسا نظر نہیں آتا جو ان کی تصویر سے مزین نہ ہو۔ (ص ۸۵)

اسی سلسلہ میں جناب کاشمیری صاحب موصوف لکھتے ہیں:

''میں نے ایک اردو شناس دوست کے سامنے ذرا جھجکتے ہوئے خیال ظاہر کیا کہ شاید یہ قرآن ہی وہ منفرد کتاب ہے جو اب تک امام خمینی کی تصویر سے بچی ہوئی ہے۔وہ دوست کہنے لگے اس حد تک تو آپ کا خیال درست ہے کہ قرآن پر امام خمینی کی تصویر شائع نہیں ہوئی۔لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ امام کی تصویر قرآن سے دور رہی ہے۔پھر وہ فخریہ طور پر گویا ہوئے کہ امام کے پیروکار نماز اور تلاوت کے وقت امام کی

تصویر الگ نہیں کرتے۔ نماز میں تصویر سامنے ہوتی ہے جبکہ تلاوت کے خاتمہ پر نشانی کے طور پر قرآن کے اوراق میں بھی یہی تصویر رکھی جاتی ہے۔ (ص۸۶)

یہ ہے ایران میں تصویرِ خمینی کی پرستش کی چند جھلکیاں، مودودی جماعت اس کو اسلامی انقلاب قرار دیتی ہے۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین خاتم النبیین ﷺ نے فتح مکہ (۸ھ) کے موقع پر تمام بتوں کو پاش پاش کروا دیا تھا اور بیت اللہ کی دیواروں پر سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی تصاویر بھی مٹا دی تھیں۔

ایران میں قالین تبرّا

جناب اختر کاشمیری ایک تقریب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

آیت اللہ شیرازی کی تقریر کے دوران مولانا نثار احمد نے ہال کی دیوار پر لگے ہوئے ایک نمائشی قالین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اسے پڑھیے۔ میں نے پوچھا کیا کوئی خاص بات ہے؟ کہنے لگے نیچے سے اوپر ساتویں سطر پڑھ لیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا میں نے جو اس سطر کو تلاش کر کے پڑھا تو اتحاد اسلامی کا بھانڈا پھوٹ گیا یہ ایک دعائیہ عبارت تھی جس میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب کبار پر لعنت کا ورد کیا گیا ہے۔ اب جو میں نے غور کیا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اوپر سے ٹھیک ساتویں سطر میں یہی بد دعا خلیفہ اوّل اور دوم کے بارے میں بھی موجود تھی۔ میں نے مولانا نثار احمد سے کہا کہ اب آپ اوپر سے ساتویں سطر پڑھیں اور مسلم اتحاد کے دعوت کی حقیقی بنیاد تلاش کریں۔ ہمیں یہ جان کر سخت رنج ہوا کہ آیت اللہ خمینی کے ایک دست راست نے چالیس ملکوں کے علماء کے سامنے اس قالین کی نمائش کیوں کی؟ اگر یہ باتیں ان کے عقیدے میں داخل ہیں تو ہوتی رہیں لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طرف امام خمینی کو امام امت قرار دیا جائے اور دوسری طرف ان کی حکومت کے زیر اہتمام پوری امت کی دلآزاری میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی جائے۔ کیا یہ بات بھی امام امت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اکابرین امت کی توہین کریں؟ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی (ص۳۵)

یہ ہیں خمینی انقلاب کی خصوصیات۔ جس کو مودودی جماعت اسلامی انقلاب قرار دیتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ شیعہ انقلاب ہے۔ اور تقیہ۔ متعہ کے علاوہ صحابہ کرام۔ امہات المومنین اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعنت وتبرا کرنا شیعہ مذہب کے ستون ہیں۔ اس سے تو یہی لازم آتا ہے کہ مودودی تحریک ایک گہری شیعہ تحریک ہے۔ اور اسی تحریک کی مسلکی تقویت کے لیے مودودی صاحب نے کتاب ''خلافت وملوکیت'' لکھی تھی علاوہ ازیں مودودی صاحب نے اضطراری حالت میں متعہ کو بھی حلال قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو (مودودی مذہب'' بحوالہ ترجمان القرآن ۱۹۵۵ء)

مودودی صاحب ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں (حضرت مدنی)

انہی عواقب اور نتائج کی بنا پر شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے اپنی خداداد بصیرت سے سالہا سال پہلے یہ فرمادیا تھا کہ اسلام کے نام پر بھی مودودی جماعت اسلامی سے اشتراک نہیں کرنا چاہیے اور حضرت نے اپنی کتاب ''مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت۔'' میں بھی اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ:

مودودی صاحب کا کتاب وسنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے وہ نہ کتاب کو کتاب مانتے ہیں اور نہ وہ سنت کو سنت مانتے ہیں بلکہ وہ خلافِ سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ (ص ۷۳)

سچ ہے۔ ع

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

پاکستان میں شیخ التفسیر قطب زماں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے رد مودودیت میں کتاب ''مودودیت سے علمائے حق کی ناراضگی کے اسباب'' شائع کی جس میں لکھا کہ مودودی صاحب دین کا ایک ایک ستون گرا رہے ہیں۔ اسی طرح اکابر علمائے دیوبند میں سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''فتنہ مودودیت'' لکھی۔ اور آخر وقت تک اپنے متوسلین کو فتنہ مودودی سے بچنے کی تلقین فرماتے رہے لیکن افسوس ہے ان حضرات کے کئی متوسلین نے ان اکابر حضرات کی

بصیرت تحقیق اور نصیحت کو نظر انداز کر کے مودودی جماعت سے اشتراک واتحاد قائم کرلیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لفظ امام کا استعمال

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی فرماتے ہیں: مثال کے طور پر امام کے لفظ کو لیجئے کہ بہتیرے سنی حضرات اس لفظ کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ بے شبہ مخالفین اہل سنت کی ایجاد ہے۔ اور وہ اپنے مزعومہ مسئلہ امامت کی بنیاد پر ان حضرات کو امام لکھتے ہیں جس کی رُو سے یہ حضرات ان کے نزدیک معصوم ومفترض الطاعۃ ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے کسی سنی کے لیے کسی غیر نبی پر امام کا اطلاق جائز نہیں ہے مگر سنی حضرات نے صرف اسی بنا پر کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہ بھی مثل دوسرے صحابہ کے ان کے نزدیک واجب التعظیم ہیں امام کے معنی مطلق پیشوا ومقتدا کے لے کر ان حضرات کو امام لکھنا شروع کردیا۔ حالانکہ اگر رواداری کا جذبہ غالب نہ ہوتا تو یہ بات غور طلب تھی کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کے مطلق پیشوا اور مقتدا ہونے میں تو بے شبہ کوئی کلام نہیں ہے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے یقیناً وہ امام ہیں لیکن چونکہ حضرات مخالفین اہل سنت اس لفظ کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کے حق میں ایک ایسے معنی کے لحاظ سے استعمال کرتے ہیں جس کی شریعت مطہرہ قطعاً اجازت نہیں دیتی اس لیے ان کے حق میں اس لفظ کو استعمال کرنے سے سخت التباس اور اشتباہ کا اندیشہ ہے اور مخالفین اس التباس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ناواقفوں کو مغالطہ دے سکتے ہیں۔ ہاں اگر کسی ایسے شخص کے حق میں یہ لفظ بولا جائے جس کو مخالفین معصوم اور مفترض الطاعۃ نہیں سمجھتے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ یہاں اصلاً کسی التباس ومغالطہ کا امکان نہیں ہے۔ (ایضاً ندائے سنت لکھنو نومبر ۱۹۸۰ء)

تبصرہ

① یقیناً شیعوں کا عقیدہ امامت عقیدہ ختم نبوت سے متصادم ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اور شیعہ اسی عقیدہ امامت کے تحت ان حضرات اہل بیت کو امام

کہتے ہیں لیکن سنی اس عقیدہ کے تحت ان حضرات کو امام نہیں کہتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سنی عموماً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گفتگو میں امام علی رضی اللہ عنہ نہیں کہتے۔ حالانکہ آپ ان سب سے افضل ہیں۔ خواص تو خواص عوام اہل سنت بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہما کو صرف پیشوا اور مقتدائے دین سمجھ کر امام کہتے ہیں بلکہ سنی عوام تو عموماً شیعہ عقیدہ امامت کو جانتے بھی نہیں۔ جس طرح سنّی عوام امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی وغیرہ کہتے ہیں اسی طرح وہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ التباس تو تب ہوسکتا تھا جب سنی عوام صرف ان حضرات اہل بیت کے ساتھ لفظ امام استعمال کرتے اور ان کے علاوہ کسی اور بزرگ پیشوا کو امام نہ کہتے۔ حالانکہ سینکڑوں اکابر اہل حق کے ناموں کے ساتھ بلا تکلف امام کا لفظ بولا جاتا ہے امام غزالی رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ زبان زدِ عوام ہیں۔ اس استعمال عام سے تو شیعہ عقیدہ امامت کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس تحریک کی نہ کوئی ضرورت ہے نہ افادیت کہ ان بارہ حضرات کے ناموں کے ساتھ لفظ امام نہ استعمال کیا جائے اور جو حضرات ان حضرات کے ساتھ لفظ امام استعمال کرنا درست نہیں سمجھتے ان کے پاس کوئی شرعی دلیل نہیں ہے انہوں نے صرف ایک پہلو سامنے رکھا ہے اور دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا ہے۔

② اکابر امت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ حضرت علامہ مولانا حیدر علی صاحب وغیرہ جنہوں نے ساری علمی زندگی ابطال شیعیت میں گذار دی ہے وہ بھی امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ تمام حضرات اکابر دیوبند جو مسلک اہل سنت کے داعی اور محافظ رہے ہیں وہ بھی بلا تامل امام حسن اور امام حسین وغیرہ لکھتے ہیں حتی کہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ جو سنی شیعہ اختلافی مسائل میں ایک خاص بصیرت رکھتے ہیں۔ وہ بھی ان حضرات کے ساتھ امام کا لفظ عموماً استعمال کرتے ہیں۔ ان کے صاحبزادگان مولانا عبدالمومن فاروقی۔ مولانا عبدالسلام صاحب فاروقی اور ان کے پوتے مولانا عبدالعلیم صاحب بھی (جو ندائے سنت لکھنو کے ایڈیٹر ہیں) اپنے مضامین میں ان

حضرات کے لیے لفظ امام استعمال کرتے ہیں تو مقام تعجب ہے کہ ندائے سنت میں شائع شدہ ایک مضمون کو حجت بنا کر مؤلف ''اصل حقیقت'' حضرات اہل بیت کے لیے لفظ امام کے استعمال کو ناجائز قرار دینے کی تحریک چلانا چاہتے ہیں)۔

امام اہل سنت اور لفظ امام

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ اپنی مشہور اور متداول کتاب ''خلفائے راشدین ص ۲۱۴ پر لکھتے ہیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے حسن بن زید فرماتے ہیں الخ۔ صفحہ ۲۲۰ پر لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ الخ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے لفظ امام نہیں لکھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے لکھا ہے۔ اور صفحہ ۲۳۸ پر خاتمۃ الکتاب کے تحت لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ۔ الخ

② تطہیر الجنان کے ترجمہ تنویر الایمان ص ۲۱ و ص ۲۵ پر امام اہل سنت لکھتے ہیں: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ صفحہ ۱۰۷ پر لکھتے ہیں: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا الخ۔

③ ''ندائے سنت لکھنو اکتوبر۔نومبر ۱۹۸۳ء میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کا مضمون ''اہل سنت اور نظریہ امامت'' شائع ہوا ہے۔ جس میں وہ حضرات اہل بیت کے لیے لفظ امام ناجائز قرار دیتے ہیں اور اسی شمارہ میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کا مضمون ''تفسیر آیت تبلیغ'' شائع ہوا ہے۔ جس میں امام اہل سنت نے ص ۱۳ پر امام رضا علیہ السلام اور ص ۱۴ پر امام جعفر صادق علیہ السلام کے الفاظ لکھے ہیں۔ اب کس امام اہل سنت کو ترجیح دیں۔ حضرت امام اہل سنت مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کو یا ''مؤلف اصل حقیقت'' کے امام اہل سنت مولانا سندیلوی کو یا مولوی عظیم الدین صاحب کے امام اہل سنت محمود احمد صاحب عباسی کو؟

اہل سنت و نظریہ امامت (مولانا سندیلوی)

④ مولانا سندیلوی کے رسالہ ''اہل سنت اور نظریہ امامت ص ۲۴'' پر لکھا ہے کہ

اسی طرح کا ایک جھوٹ یہ مشہور کیا گیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت جعفر صادقؒ کے شاگرد تھے۔ یہ بھی بالکل غلط اور شیعی افتراء ہے۔'' اس میں امام ابوحنیفہ کے الفاظ ہیں لیکن ''ندائے سنت'' میں جو مذکورہ مضمون شائع ہوا ہے اس میں صرف حضرت ابو حنیفہ لکھا ہے۔ امام کا لفظ نہیں ہے۔ امام کا لفظ کس نے حذف کیا ہے؟ معلوم نہیں۔ غالباً مضمون ارسال کرنے والے نے لفظ امام حذف کیا ہے۔ میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۱۶۰ پر مولانا سندیلوی کے ایک رسالہ ''اسلامی ذہن'' کی ایک عبارت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

مولانا نے یہاں دو بزرگوں کا ذکر کیا ہے یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اور امام محمد باقر رحمہ اللہ کا۔ حضرت ابوحنیفہ کے نام کے ساتھ امام کا لفظ لکھا ہے اور حضرت جعفر صادق کے نام کے ساتھ امام کا لفظ نہیں لکھا۔ کیا یہ بیجا تعصب نہیں؟ اگر لغوی معنی میں حضرت جعفر صادق کے ساتھ لفظ امام لکھ دیتے تو شرعاً کیا خرابی تھی کیا وہ کسی درجے میں بھی پیشوا نہیں ہیں؟ غالباً اسی اعتراض سے بچنے کے لیے ''ندائے سنت کے شائع کردہ مضمون میں حضرت ابوحنیفہ کے ساتھ لفظ امام نہیں لکھا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی عجیب نظریہ ہے کہ سندیلوی صاحب اور محمود احمد عباسی صاحب کے نام کے ساتھ از روئے عقیدت امام کا لفظ استعمال کیا جائے لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ناموں کے ساتھ اگر لفظ امام استعمال ہو تو دلوں میں ناگواری پیدا ہوتی ہے اور ماتھوں پر شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ کیا یہ لوگ امتِ مسلمہ کو یہی سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہ بزرگ کسی معنی میں بھی دین کے مقتدا و پیشوا نہ تھے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

مولانا اعظمی نے خود امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین کے الفاظ لکھے ہیں یزید ناپاک اور خبیث تھا (مولانا اعظمی)

مؤلف ''اصل حقیقت'' نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کے

مضمون مذکور کو بڑی اہمیت دی ہے۔ جس میں آپ نے لکھا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وحضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ اکابر اہل بیت کے ناموں کے ساتھ لفظ امام لکھنا درست نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک عجیب لطیفہ ہے کہ خود مولانا اعظمی نے بھی ان حضرات کے لیے لفظ امام استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے ایک مضمون ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں سوءادبی اوراس کا جواب'' میں خواجہ حسن نظامی کے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے کہ (حضرت معاویہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا تھا) لکھتے ہیں کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون سے جس ناپاک اور خبیث وجود کا ہاتھ رنگین ہے اُسی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی زہر دلوایا تھا۔ چنانچہ مسلم الثبوت ومستند مورخ ومحدث علامہ سیوطی نے اس دردناک داستان غم کو لکھتے ہوئے اس کی صاف تصریح کی ہے کہ جس ننگ انسانیت نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ ستم روا رکھا تھا وہ یزید علیه ما یستحقه ہے (تاریخ الخلفاص ۲۰) ''(انجم لکھنو جمادی الاولیٰ۔ جمادی الاخری ۱۳۴۹ھ ص ۳۹)

② مولانا اعظمی نے یزید کو ننگ انسانیت۔ ناپاک اور خبیث اور قاتل حسین رضی اللہ عنہ قرار دے دیا۔ حالانکہ مؤلف ''اصل حقیقت'' کے امام اہل سنت مولانا سندیلوی یزید کو صالح اور عادل قرار دیتے ہیں۔''

فرمایئے! مولانا اعظمی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امام بھی لکھ دیا اور یزید کو خبیث اور ناپاک بھی کہہ دیا۔ تو اب مؤلف صاحب حضرت مولانا اعظمی سے کس قسم کی عقیدت رکھیں گے اور کیا کیا بے نقط سنائیں گے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

مؤلف صاحب نے مولانا اعظمی صاحب کا بھی سہارا لیا تھا مگر وہ بھی کام نہ آیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گستاخ کو تین کوڑے اور یزید کو امیر المومنین کہنے پر بیس کوڑے (مولانا اعظمی)

اسی مضمون میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے حضرت مولانا

حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی لکھتے ہیں۔

پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت مذکور ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کی تھی تین کوڑے لگوائے۔ حالانکہ وہ اپنے زمانہ خلافت میں کسی کو جلدیں مارنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۶۱۔ صواعق محرقہ ص ۱۳۲)

نیز مولانا اعظمی لکھتے ہیں: حضرت ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے ایک دوسرے شخص کو جس نے یزید کو امیرالمومنین کے لقب سے یاد کیا تھا بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا۔

(تاریخ الخلفاء۔ صواعق محرقہ ص ۱۳۲، ۱۳۴، ایضاً النجم ص ۳۵)

لفظ امام کے استعمال کے متعلق حضرت مولانا اعظمی کی ایک رائے کو تو مؤلف صاحب نے بطور حجت پیش کر دیا۔ اب مولانا اعظمی موصوف کی اس تحقیق کو بھی مان لیں کہ یزید ناپاک اور خبیث تھا۔ (اور یزید کے فاسق ہونے پر اہل السنّت والجماعت کا اتفاق بھی ہے)۔

(ب) مولانا اعظمی نے بجائے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد لکھا ہے کیا مؤلف صاحب اِس بنا پر مولانا اعظمی موصوف کو اپنی تبرا بازی کا ہدف بنائیں گے۔

حضرات اہل بیت دینی و روحانی پیشوا ہیں

لفظ امام کی بحث میں مؤلف ''اصل حقیقت'' نے میرے رسالہ ''یادگار حسین'' کی عبارت تو نقل کر دی لیکن خارجی فتنہ حصہ اوّل میں اس کے متعلق جو میں نے لکھا ہے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے اس میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حسبِ ذیل عبارت بھی پیش کی تھی:

چونکہ در حق اصحاب اعتقاد نیک باید داشت ہمچناں در حق اہل بیت معتقد باید بود وصالحین ایشاں را مزید تعظیم تخصیص باید کرد...... ایں فقیر را معلوم شدہ است کہ ائمہ اثنا

عشر رضی اللہ عنہم اقطاب نسبتی بودند از نسبتہا۔ قطبیت ایشاں امریست باطنی

(تفہیمات الٰہیہ ج ۲، ص ۲۴۴۔ ۲۴۵)

اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھنا چاہیے اسی طرح اہل بیت کے حق میں بھی عقیدت رکھنی چاہیے اور ان کے صالحین افراد کی زیادہ تعظیم کے ساتھ تخصیص کرنی چاہیے۔ اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ بارہ ائمہ رضی اللہ عنہم اقطاب نسبتی ہوئے ہیں باطنی نسبتوں کے اعتبار سے اور ان کا قطب ہونا ایک باطنی امر ہے۔'' ...... علاوہ ازیں فرماتے ہیں: انی رأیت ائمة اھل البیت فی خطیرۃ القدس باتمه وجه واجمل وجه وعلمت ان منکرھم والمشاجن لھم فی خطرٍ عظیمٍ۔ (تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص ۱۰۷) ''یعنی میں نے ائمہ اہل بیت کو بہت کامل اور بہت اچھی حالت میں دیکھا ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کا منکر اور ان سے عداوت رکھنے والا بڑے خطرے میں ہے۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اہل سنت امامت کو پیشوائی دین کے معنی میں بولتے ہیں۔ اسی سبب سے امام اعظم رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کو کہ پیشوائے فقہ تھے اور امام غزالی رحمہ اللہ اور امام رازی کو کہ عقائد اور کلام میں اور نافع اور عاصم کو کہ قراءت میں امام تھے امام کہتے ہیں۔ اور ائمہ اطہار ان سب فنون میں پیشوا ہوئے ہیں۔ خصوصاً ہدایت باطن اور ارشاد طریقت کہ ان سے مخصوص تھا۔ اسی سبب سے اہل سنت ان کو بے قید امام جانتے ہیں نہ وہ امامت جس سے مراد خلافت ہے'' (تحفہ اثناعشریہ مترجم ص ۳۴۶)

مذکورہ اکابر محققین کے متعلق کوئی ذی فہم یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ شیعی پروپیگنڈے سے متاثر تھے۔ یا وہ لفظ امام کا استعمال نہیں جانتے تھے۔ وہ تو مصلحین امت تھے۔ انہوں نے ان حضرات اہل بیت کی دینی وروحانی عظمتوں کا اس طریق سے تحفظ کیا کہ خارجی اثرات سے بھی اہل السنّت والجماعت محفوظ رہیں۔

(خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۱۵۹۔ ۱۶۰)

اگر مؤلف اصل حقیقت میری مندرجہ عبارتیں بھی پیش کر دیتے تو قارئین پر مسئلہ واضح ہو جاتا لیکن انہوں نے یہ عبارتیں نقل نہ کیں اور شاید اس لیے یہ عبارتیں نقل نہیں کیں کہ اس کے بعد وہ تنہا مجھ پر تبرا بازی نہیں کر سکتے تھے حالانکہ ان کا مقصد مجھ پر تبرا بازی کر کے ناواقف قارئین کے سامنے میری کتاب ''خارجی فتنہ'' کی افادیت کا اثر زائل کرنا ہے۔ بہرحال حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تو ان حضرات اہل بیت کو امام کہنے کے جواز میں ایک جامع عبارت تحریر فرما دی ہے۔ اگر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور مولانا مفتی رشید احمد صاحب ان محققین اہل سنت کی مندرجہ عبارتوں کو پیش نظر رکھتے اور صرف ایک پہلو کے بجائے دوسرے پہلوؤں پر بھی غور فرماتے تو ان حضرات اہل بیت کے لیے لفظ امام کے استعمال کو نادرست نہ قرار دیتے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین وغیرہ اکابر اہل سنت ہمارے دینی اور روحانی پیشوا و مقتداء ہیں اگر ہم ان کے نام کے سامنے لفظ امام بالکل استعمال نہ کریں اور بلا توقف ان سے کم درجہ والے اکابر کو عموماً امام غزالی رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ کے الفاظ سے یاد کریں۔ تو اس کی کوئی شرعی وجہ پیش نہیں کی جا سکتی اور پھر جب اہل السنّت والجماعت یہ دیکھتے ہیں کہ وہ حضرات جو اپنے اپنے دور میں مجددین و مصلحین امت گزرے ہیں عموماً ان حضرات اہل بیت کے ساتھ لفظ امام استعمال کرتے ہیں۔ تو ان کے تلامذہ کے تلامذہ میں سے اگر گنتی کے دو تین علماء اگر لفظ امام کے استعمال سے منع بھی کریں تو اس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ وہ اس وجہ سے بدظن ہو جائیں گے کہ کیا یہ علماء کسی درجہ میں بھی ان حضرات کو اپنا دینی اور روحانی پیشوا نہیں مانتے اور شیعوں کو بھی اس پروپیگنڈے کا موقع مل جائے گا کہ دیکھو جی یہ لوگ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی اور محمود احمد صاحب عباسی وغیرہ کو تو امام اہل سنت کہتے ہیں اور لکھتے ہیں لیکن حضرت حسن اور حضرت حسین کے ناموں کے ساتھ لفظ امام استعمال کرنا ناجائز قرار دیتے ہیں۔ یہ عقیدت کی علامت ہے یا بغض کی؟ تو شیعوں کے اس اعتراض کا تسلی بخش جواب کون سمجھا سکے گا۔ صحیح المسلک بعض علماء نے تو شیعی عقیدۃ

امامت کے پیش نظر ان حضرات کے لیے لفظ امام نہ استعمال کرنے کی ایک رائے پیش کردی ہے لیکن خارجی اور ناصبی لوگوں کا مقصد تو صرف یہی ہے کہ ان حضرات کی دینی اور روحانی عظمت اہل السنّت والجماعت کے دلوں سے بالکل نکل جائے۔ واللہ الہادی۔

لَوْلَا السَّنَتَان لَهَلَكَ النّعمان صحیح ہے۔حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی لکھتے ہیں۔ بعض سنی علماء نے بھی امام اعظم کی طرف یہ بات منسوب کردی کہ اگر میں دو سال تک حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے ساتھ نہ رہتا تو ہلاک ہو جاتا۔ یہ امام اعظم رحمہ اللہ پر افتراء ہے اس کے غلط ہونے کے لیے اتنا ہی ثبوت کافی ہے کہ آں محترم اور حضرت جعفر کا ساتھ کبھی چند روز سے زیادہ نہ رہا۔ دو سال تو کیا سال چھ ماہ بھی کبھی دونوں کا ساتھ نہ رہا (اہل السنّت اور نظریہ امامت ص ۲۴ ونداۓ سنت لکھنؤ اکتوبر نومبر ۱۹۸۳ء ص ۳۳)

تبصرہ

مولانا سندیلوی نے اس بات کی کوئی دلیل کسی کتاب سے پیش نہیں کی کہ امام اعظم رحمہ اللہ اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا ساتھ کبھی چند روز سے زیادہ نہ رہا۔ حالانکہ علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لیے حرمین جانا ضروری تھا۔ جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سن میں واقع ہوا تاہم ظن غالب ہے کہ جب انہوں نے حرمین (یعنی مکہ ومدینہ) کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ (سیرت النعمان ص ۵۳)

(ب) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ آکر جمع ہو جاتے تھے جن کا مقصد حج کے ساتھ افادہ واستفادہ بھی ہوتا تھا۔ امام صاحب اکثر

ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے۔ (ایضاً ص ۵۷)

(ج) حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھی نے کہا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ انہوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو؟'' انہوں نے نہایت ادب سے کہا ''عیاذاً باللہ حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں'' پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی۔

امام محمد باقر اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ وحدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ وسنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ (ایضاً ص ۶۰)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ امام باقر ۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور وفات ۱۱۳ھ میں ہوئی۔ امام جعفر صادق کی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۴۸ھ میں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور جب امام اعظم رحمہ اللہ حرمین شریفین میں محدثین سے استفادہ کے لیے اور حج کے لیے بھی جاتے رہے ہیں اور مدینہ منورہ میں بھی حاضری نصیب ہوتی رہی ہے تو اگر امام محمد باقر سے فقہ وحدیث کا اور امام جعفر صادق سے تزکیہ باطن کا فیض حاصل ہوا ہے تو یہ باعث تعجب کیوں ہے؟ جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اپنے اپنے وقت میں باطنی کمالات کے لحاظ سے قطب وقت تھے۔

(۲) شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا السید حسین احمد محدث مدنی قدس سرہٗ نے دارالعلوم دیوبند کے درس حدیث میں ایک دفعہ یہ فرمایا تھا کہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ

نے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ سے روحانی استفادہ کیا ہے اور اس بنا پر امام صاحب نے فرمایا تھا لَوْلَا السَّنتان لَهَلكَ النعمان (اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہوگیا تھا) اور یہ ضروری نہیں کہ امام صاحب امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کے پاس مسلسل دو سال رہے ہوں۔ بلکہ دو سال میں آپ استفادہ کرتے رہے اور یہ کوئی مستبعد نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ فقہ واجتہاد میں امام اعظم ہونے کے باوجود امام جعفر صادق سے روحانی فائدہ حاصل کرتے رہے ہیں۔ ہمارے دور کی ایک مثال یہ ہے کہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اصطلاحی عالم نہ تھے لیکن آپ سے بڑے بڑے جبال علم (علم کے پہاڑوں) نے روحانی فیضان حاصل کیا ہے۔ مثلاً قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم بند۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت گو حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے ہے اور مجاز طریقت بھی آپ سے ہیں لیکن مکہ معظّمہ میں حضرت حاجی صاحب سے بھی فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ لکل فنّ رجال مشہور مقولہ ہے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سنی مذہب کے پیشوا تھے موجودہ فقہ جعفری جو امام جعفر صادق کی طرف منسوب ہے۔ یہ زیادہ تر وضعی ہے بلکہ جو عقائد تقیہ وغیرہ حضرت علی المرتضیٰ کی طرف منسوب ہیں یہ سب من گھڑت ہیں۔ شیعہ فرقہ نے ان حضرات کے نام کو استعمال کیا ہے۔ اور دور حاضر کے خارجی ان حضرات کو بھی عموماً شیعہ قرار دیتے ہیں مگر اہل السنّت والجماعت کے دلوں میں درجہ بدرجہ ان کی محبت وعظمت ہے۔

حسن بصری نے حضرت علی سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا سندیلوی اور مفتی رشید احمد کا اختلاف

مولانا سندیلوی لکھتے ہیں "مشہور کیا گیا ہے کہ سلوک وتصوف کے سب سلسلے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پر منتہی ہوتے ہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرید تھے۔ اس کے علاوہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرنا بھی ثابت نہیں۔

تہذیب التہذیب میں موصوف کا تذکرہ دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بچپن میں دیکھا تھا مگر مصاحبت اور استفادہ کا موقعہ نہیں ملا کیونکہ آں محترم کوفہ تشریف لے گئے (اہل سنت اور نظریہ امامت ص ۲۱ ونداۓ سنت لکھنو اکتوبر نومبر ۱۹۸۳ء ص ۳۱) لیکن جناب مولانا مفتی رشید احمد صاحب کراچی اس کے برعکس مختلف روایات میں تطبیق دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ: آپ (یعنی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال الی الکوفہ کے زمانہ میں آپ بالغ یا مراہق (یعنی قریب بالغ ہونے کے) ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۲۴ھ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے اور ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس حساب سے اس وقت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کی عمر چودہ برس تھی۔ حریص علی الخیر ہونے کے باوجود اتنی عمر تک ایک ہی مقام میں ہوتے ہوئے عدم لقاء وعدم سماع بہت بعید ہے۔ غرضیکہ آپ کو صحبت طویلہ حاصل نہیں ہوئی۔ استفادہ باطنی کے لیے اگرچہ بالعموم صحبت طویلہ ضروری ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ اگر بالفرض عدم سماع بھی تسلیم کیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفادہ بالواسطہ کیا ہوگا۔ اس میں کیا اشکال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ جمادی الاخری ۱۳۹۷ھ)۔ (احسن الفتاویٰ جلد اوّل ص ۵۵۲) اور مشائخ چشتیہ کے ہاں حضرت علی المرتضیٰ سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کا فیض حاصل کرنا ثابت ہے۔ حضرات مشائخ دیوبند کے شجرہ میں بھی یہی ہے۔ خدا جانے مولانا سندیلوی اس کا کیوں انکار کرتے ہیں؟

علیہ السلام کا استعمال

مؤلف مذکور نے لفظ امام کے استعمال کی بحث میں احسن الفتاویٰ جلد اوّل ص ۳۹۰ سے حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب (کراچی) کی عبارت بھی پیش کی ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں کہ: سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم امام ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں کہتے

امام عمر رضی اللہ عنہ نہیں کہتے امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ اثر جو ہمارے اندر کہیں غیر سے آیا ہے یہ تشیع کا اثر ہے جو ہم میں سرایت کر گیا ہے۔ اگر اہل حق علماء میں سے کسی نے ان حضرات کو امام کہہ دیا ہے۔ تو انہوں نے اس کے صحیح معنی میں ان کو امام کہا ہے مگر اس سے مغالطہ ضرور ہوتا ہے۔ اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے۔ حضرت مہدی کو امام مہدی علیہ السلام کہنا بھی تشیع کا اثر ہے۔

تبصرہ

اگر یہ سارا تشیع کا اثر ہے تو پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ خواص وعوام اہل سنت امام علی رضی اللہ عنہ کیوں نہیں کہتے جبکہ ابو الائمہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۲) امام ابو بکر رضی اللہ عنہ اور امام عمر رضی اللہ عنہ کہنے میں کونسی خصوصیت ہے جبکہ ہم امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام شافعی رحمۃ اللہ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ اور ان ائمہ مجتہدین سے بھی کم درجہ کے بزرگوں کو ہم امام کہتے ہیں اور خلفائے راشدین کا اصل عظیم منصب تو خلافت ہے بوجہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے موعودہ جانشین ہونے کے۔ بہر حال یہ اصاغر علماء کی رائے ہے۔ ہم ان کے اور اپنے سب کے اکابر علماء حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور اکابر دیوبند اور مولانا لکھنوی کی بصیرت کو ترجیح دیتے ہیں جو سنی شیعی نزاعی مسائل خلافت وامامت میں اجتہادی شان رکھتے تھے امام بمعنی دینی وروحانی پیشوا ان حضرات کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہم ان مقبولان بارگاہ سے اپنا اعتقادی ودینی تعلق منقطع نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حضرات صحابہ واہل بیت دونوں کی محبت ہمارے ایمان کا جزو ہے۔ ولو کرہ الخارجیون۔ البتہ مولانا اعظمی یا مفتی رشید احمد صاحب نہ خارجی ہیں نہ ناصبی ان کی رائے کا پہلو دوسرا ہے۔

④ مؤلف مذکور بعنوان ''علیہ السلام کا اطلاق'' احسن الفتاویٰ کی حسب ذیل عبارت پیش کرتے ہیں کہ:

ایسے ہی ان کو علیہ السلام بھی وہی لوگ کہتے ہیں جو انہیں انبیاء علیہم السلام کا درجہ دیتے

ہیں اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ جس طرح دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا جاتا ہے وہی معاملہ ان حضرات کے ساتھ بھی رکھنا چاہیے۔ جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے دعائیہ کلمات لکھے اور کہے جاتے ہیں۔ ایسے ہی دعائیہ کلمات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کہے جائیں۔'' (اصل حقیقت ص ۷۹)

تبصرہ

گو لغوی معنی میں تو علیہ السلام بزرگوں کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اصطلاحاً انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے یہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں اس لیے غیر انبیاء کے لیے ان کا استعمال مناسب نہیں (اور محدثین کے درمیان اس میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے) اور بندہ کا اپنا معمول یہ ہے کہ غیر انبیاء کے لیے علیہ السلام کے الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ لیکن مؤلف صاحب کے امام اہل السنّت مولانا سندیلوی تو مفتی رشید احمد صاحب موصوف کے فتویٰ کے خلاف لکھتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب تو فرماتے ہیں کہ جس طرح دوسرے صحابہ کے لیے رضی اللہ عنہم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بھی کہا جائے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن مولانا سندیلوی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے لکھتے ہیں: ام المومنین صلوات اللہ علیہا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۲) (ایضاً خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۱۵۵)

فرمائیے! ام المومنین کے لیے نہ صرف علیہا السلام بلکہ صلوات (درود) کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس میں بھی سندیلوی صاحب اور مفتی صاحب کا نظریہ مختلف ہوگیا۔ پھر اس عبارت سے مؤلف کو کیا فائدہ ہوا؟

مسلمانوں کے ناموں میں اہل تشیع کا اثر

مؤلف مذکور اس عنوان کے تحت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کی حسبِ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں کہ:

مسلمانوں کے ناموں پر بھی اہل تشیع کا اثر پایا جاتا ہے مثلاً اصل نام کے ساتھ جس طرح محض تبرک کے لیے محمد اور احمد ملانے کا دستور ہے۔ اسی طرح علی۔ حسن۔ حسین ملایا جاتا ہے۔ صدیق۔ فاروق عثمان یا اور کسی صحابی کا نام بطور تبرک اصل نام کے ساتھ ملانے کا دستور نہیں۔ نسبت غلامی بھی علی۔ حسن۔ حسین کی طرف تو کی جاتی ہے مگر اور کسی صحابی کی غلامی کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ عورتوں میں کنیز فاطمہ کا نام تو پایا جاتا ہے مگر خدیجہ، عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کی کنیز نہیں سنائی دیتی۔ اس سے بھی بڑھ کر مسلمانوں میں الطاف حسین۔ فضل حسین اور فیض الحسن جیسے شرکیہ نام بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔'' (اصل حقیقت ص ۸۰ بحوالہ احسن الفتاویٰ جلد اوّل ص ۳۹۱) حاشیہ ص ۹۷ میں مؤلف صاحب نے یہ اضافہ کیا ہے کہ مثلاً مظہر حسین اور مظہر علی اظہر قسم کے نام تو رکھے جاتے ہیں مگر مظہر عثمان یا مظہر صدیق یا مظہر معاویہ طرز کے نام کوئی سُنی نہیں رکھتا''

تبصرہ

یہ صحیح ہے کہ دوسرے خلفائے راشدین اور صحابہ کے ناموں پر نام رکھنے میں عموماً اہل سنت نے غفلت کی ہے لیکن مؤلف صاحب پریشان نہ ہوں۔ اپنے علاقہ میں خدام اہل سنت کی تبلیغ سے خلفائے ثلاثہ کے ناموں پر اب بکثرت نام پائے جاتے ہیں۔ محمد ابوبکر، محمد عمر، عمر احمد، محمد عثمان اور غلام محمد، محمد صدیق، محمد بلال وغیرہ اور محمد خالد یا خالد محمود نام بھی بکثرت ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی چل پڑا ہے۔ محمد معاویہ۔ حسن معاویہ، ابو معاویہ، نثار معاویہ نام بھی ہیں۔ تحریک خدام اہل سنت ضلع ملتان کے امیر حضرت مولانا محمد امین شاہ صاحب خطیب (مخدوم پور) کے صاحبزادہ کا نام بھی محمد معاویہ ہے جو آئندہ سال دورہ حدیث میں داخلہ لیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ علم نافع اور عمل صالح نصیب فرمائیں۔ آمین۔ اسی طرح عائشہ، غلام عائشہ، حفصہ، غلام حفصہ، میمونہ، ام حبیبہ، زینب، غلام زینب، رقیہ، غلام رقیہ، ام کلثوم، غلام

کلثوم وغیرہ بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور اگر اہل سنت میں علی، حسن، حسین اور غلام علی، غلام حسن اور غلام حسین وغیرہ نام پائے جاتے ہیں تو اس سے آپ اتنے بیزار کیوں ہوتے ہیں۔ اگر رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے نواسوں کے نام حسن اور حسین خود رکھے ہیں اور ان کے لیے یہ بشارت سنائی ہے **الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة** (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ جنت کے جوانوں کے سردار ہونگے)۔ تو اگر کوئی سُنی حضور اکرم ﷺ کے پسندیدہ ناموں کو اپنے بچوں کے ناموں میں شامل کر لے تو اس پر چیں بہ جبین کیوں ہوتے ہیں؟ ان حضرات مقبولین سے اتنا تکدر تو نہ چاہیے۔

④ حکیم الامت حضرت تھانوی کا نام اشرف علی ہے۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مدنی کا نام حسین احمد ہے۔ شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانی کا نام شبیر احمد ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ رئیس المتکلمین مؤلف منتہی الکلام کا نام حیدر علی ہے۔ شیخ الہند اسیر مالٹا محدث کا نام محمود حسن ہے اور آپ کے والد ماجد کا نام (حضرت مولانا) ذوالفقار علی ہے۔ شیخ الادب والفقہ استاذ الاساتذہ دارالعلوم دیوبند کا نام اعزاز علی ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ہمعصر ادیب علامہ کا نام فیض الحسن ہے۔ حضرت نانوتوی کے ارشد تلامذہ کا نام (مولانا) فخر الحسن رحمہ اللہ ہے۔ نہ اس قسم کے ناموں میں اکابر حضرات نے شیعیت کی بو سونگھی اور نہ ان کو ان میں شرک کے جراثیم نظر آئے۔ فرمایئے! خادم اہل سنت کے نام "مظہر حسین" کے اضافہ کی حاشیہ میں کیا ضرورت پڑی۔ (اور بعض شیعہ کے تو میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ تو مظہر حسین نہیں مظہر یزید ہے)۔ مفتی رشید احمد صاحب موصوف نے تو کسی رنگ میں مندرجہ ناموں پر تبصرہ کر دیا۔ لیکن مؤلف "اصل حقیقت" اور اس کے ہمنوا تو چاہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام سُنی مسلمان بھول جائیں۔ اور اس کے برعکس شیعہ مشن یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے نام بھی سننے میں نہ آئیں لیکن اہل سنت والجماعت حضرات صحابہ اور اہل بیت دونوں سے محبت رکھتے ہیں۔ دونوں ایک ہی جنتی جماعت کے افراد ہیں۔ اس لیے سب کے

اسمائے مبارکہ باقی اور قائم رہنے چاہئیں وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آخری گذارش

مؤلف اصل حقیقت نے اپنے ۸۰ صفحات کے مختصر کتابچے میں ۳۷ واضح جھوٹ بولے ہیں جن کی نشاندہی میں نے کردی ہے اور تبرابازیاں ان کے علاوہ ہیں۔ ان کا یہ کتابچہ ''خارجی فتنہ حصہ اوّل کا جواب نہیں بلکہ جھوٹ کا مربہ اور خارجیت کا شاہکار ہے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی سے میرا اختلاف مشاجرات صحابہ اور یزیدیت کے مسئلہ میں ہے مشاجرات صحابہ کی مکمل و مدلل بحث خارجی فتنہ حصہ اوّل میں کردی گئی ہے جس کی علمائے اہل السنّت والجماعت نے مکمل تائید کی ہے۔ الحمد للہ بندہ نے سرمو مسلک اہل السنّت والجماعت سے انحراف نہیں کیا۔ اگر مؤلف اصل حقیقت میں کچھ بھی دیانتداری ہوتی تو وہ بجائے تبرابازی کے اصل مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے۔ میں نے جہاں جہاں مولانا سندیلوی کی علمی خیانتیں اور تضاد بیانیاں ثابت کی ہیں اور ان کے دلائل کا جس طرح پرزور رد کیا ہے اس کا جواب دیتے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب مولانا سندیلوی کی سادہ لوحی اور بھولے پن سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ یہ دراصل جدید خارجیت کے مناد ہیں جو حضرت علی المرتضٰی کی موعودہ خلافت قرآنی کی عظمت کو برداشت نہیں کرسکتے۔ ان کے لیے اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد کے مقابلہ میں حضرت معاویہ کی اجتہادی غلطی کا قول بھی اختیار کیا جائے۔ یہ حضرت معاویہ کی خطائے اجتہادی کے قول کو (جو جمہور اہل سنت کا مسلک ہے) بغض معاویہ پر مبنی قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک خطائے اجتہادی کا قائل گلابی شیعہ بلکہ شیعہ ہے یہ لوگ اہل السنّت والجماعت کی مسلکی تاریخ کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ اتنی جسارت تو نہیں کرسکتے کہ ان تمام اکابر متقدمین ومتاخرین اہل

سنت کو شیعہ یا گلابی شیعہ کا طعنہ دے سکیں۔ (گو ان کا اصل مقصد یہی ہے کہ حقیقی مسلک اہل سنت کو سنی بھول جائیں) انہوں نے تبرابازی کی مشق کے لیے اس خادم اہل سنت کو چن لیا ہے (کیونکہ خارجی فتنہ حصہ اوّل نے جدید خارجیت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی ہیں) اور میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اکابر اہل حق کے لیے وقایہ (ڈھال) بننے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خلوص واستقامت عطا فرمائیں۔ آمین۔

خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت

بندہ نے اپنی کتاب ''دفاع حضرت معاویہ'' صفحات ۱۸۸ کے آخر میں اپنا خواب لکھا ہے جو انہی الفاظ کے ساتھ درج ذیل ہے:

گزشتہ سال ذی الحجہ ۱۴۰۳ ہجری میں بندہ کو بفضلہ تعالیٰ چوتھی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مقدسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ منیٰ میں شب جمعہ ۹ رذی الحجہ نماز عشاء پڑھ کر جلدی سو گیا تو خواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے بندہ ناکارہ سے معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ: حضرت بندہ نے کتاب ''خارجی فتنہ'' لکھی ہے۔ اگر اس میں آپ کے متعلق تنقیص وتوہین پائی جاتی ہے تو معاف فرمائیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ باوقار اور سفید نورانی تھا اور بندہ کی معافی کی درخواست پر آپ کے چہرہ پر کوئی ملال ظاہر نہیں ہوا۔ بلکہ حسب سابق شفقت کی نگاہ تھی۔'' خواب گو شرعی حجت نہیں ہے لیکن حسب ارشاد رسالت اچھے خواب مبشرات میں سے ہوتے ہیں۔ شرعی دلائل کی بنا پر بندہ اپنی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اوّل'' سے مطمئن ہے۔ علمائے اہل السنّت والجماعت نے اصل مسئلہ مشاجرات صحابہ میں اس کی تائید وتصویب بھی کر دی ہے۔ البتہ منیٰ کے مقدس مقام میں ایام حج کے دوران حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت ومعانقہ بندہ کے لیے ایک بڑی سعادت ہے جس سے مزید اطمینان نصیب

ہوگیا ہے (دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۱۸۶، ۱۸۷)

حق تعالیٰ کتابچہ ''اصل حقیقت'' کے جواب میں بندہ کی اس کتاب ''کشف خارجیت'' کو قبول فرمائیں جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرعی عظمت کو محفوظ رکھتے ہوئے قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کے دفاع کا فریضہ سر انجام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور مؤلف ''اصل حقیقت'' کی تلبیسات اور مکذوبات کا پردہ چاک کر کے اہل السنّت والجماعت کے سامنے اپنا بے غبار مسلک حق پیش کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جماعت صحابہ واہل بیت کی کما حقہ محبت وعظمت نصیب فرمائیں اور اس جنتی جماعت مقدسہ کے ہر ہر فرد کے متعلق ہر قسم کی تنقیص وتوہین اور عناد وتکدر سے ہمارے دلوں کو پاک صاف رکھیں اور مسلمانان اہل السنّت والجماعت کو ہر مقام اور ہر مرحلہ پر کامرانی وغلبہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔ بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ مہتمم مدرسہ اظہار الاسلام
مدنی جامع مسجد چکوال وامیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان
۲۷ر صفر ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۲ر نومبر ۱۹۸۴ء

ضمیمہ کتاب تاریخ نواصب حصہ اوّل

اس کتاب کی تاریخ اشاعت اکتوبر ۱۹۸۴ء ہے۔ اس کتاب کے مؤلف مولوی عبدالقیوم علوی بی اے فاضل وفاق المدارس ودارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ہیں۔ یہ پنڈ سنگریال۔ ڈاکخانہ گولڑہ شریف تحصیل اسلام آباد کے رہنے والے ہیں۔ کتاب انہوں نے مجھے خود بھیجی ہے۔ اس کتاب کے مصنف موصوف گواپنے آپ کو اہل السنّت والجماعت میں شمار کرتے ہیں اور کتاب کے خاتمہ (ص ۲٦۲) پر انہوں نے اپنے نام کے ساتھ ''خادم اہل سنت کے الفاظ بھی لکھے ہیں۔ لیکن یہ ان کا تقیہ ہے۔ ان کا مشن کچھ اور ہے اور وہ ہے۔ ''بغض معاویہ'' جوان کی حسب ذیل عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔

① بغض علی۔ خلافت علی کا انکار اور علی علیہ السلام پر سب وشتم کرنا شعائر نواصب میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا مبتدی اور بانی کون ہے؟ اس کا تفصیلی جواب تو حصہ دوم میں آئے گا سر دست اتنا بتا دیتا ہوں کہ ان سب افعال شنیعہ اور عقائد قبیحہ کا بانی معاویہ بن ابی سفیان ہے۔ جسے اہل سنت غیر شعوری طور پر جلیل القدر صحابی سمجھ بیٹھے ہیں (ص ۱۵)

② مروان ملعون گروہ نواصب کا ایک نمایاں فرد ہے۔ اس فرقہ کا بانی ہونے کا شرف معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے (ص ۱۵)

③ اور یہ بھی معلوم ہے کہ ناصبیت کا موجد و بانی معاویہ بن ابی سفیان ہے۔ تمام نواصب کا گناہ بانی ہونے کی حیثیت سے معاویہ پر بھی جاتا ہے الخ (ص ۲۵۷)

④ معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک نواصب کتے اور خنزیر کے برابر ہیں۔ (ص ۱۶)

⑤ اہل سنت کے نزدیک خارجی اور ناصبی دونوں کافر ہیں۔ (ص ۱۸)

نتیجہ

جب مصنف مذکور کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ناصبی بلکہ بانی ناصبیت ہیں اور ناصبی کتے اور خنزیر کے برابر اور کافر ہیں تو اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مصنف کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کتے۔ خنزیر کے برابر اور کافر ہیں۔ العیاذ باللہ...... حالانکہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان کو فقیہ (مجتہد) قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ)۔ البتہ جمہور اہل سنت کا قول ہے کہ قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی اس کے متعلق بھی مولوی عبدالقیوم مذکور نے لکھا ہے کہ:

ناصبیت کے بہت سے اجزا ہیں۔ ایک عام جزو جو تقریباً تمام اہل سنت میں پایا جاتا ہے معاویہ کو مولائے کائنات امیر المومنین علی علیہ التسلیمات کے مقابلہ میں مجتہد

مخطی سمجھتا ہے(ص ۴۳)

مصنف کے نزدیک گویا کہ کوئی سنی بھی صحیح العقیدہ سنی نہیں کیونکہ ان میں ناصبیت کی یہ جزوضرور پائی جاتی ہے۔ اسی لیے مصنف کے نزدیک امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر اہل سنت بھی ناصبی ہیں چنانچہ لکھا ہے: حجۃ الاسلام النواصب امام غزالی رحمہ اللہ (ص ۲۸) امام النواصب غزالی رحمہ اللہ الخ (ص ۲۹) یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ امام مالک میں بھی ناصبیت کے چند اجزاء پائے جاتے تھے۔'' (ص ۴۸) علاوہ ازیں ابن حزم۔ قاضی ابوبکر بن العربی اور ابن تیمیہ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی مصنف کے نزدیک ناصبی ہیں مصنف نے کوئی ایسی عینک چڑھائی ہوئی ہے کہ اس کو ہر طرف ناصبی ہی ناصبی نظر آتے ہیں۔

تقیہ کی وسعت

مصنف مذکور نے مذہب شیعہ کے عقیدہ تقیہ کی کھل کر تائید کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: اگر کوئی شخص تقیہ کے وجوب کا قائل ہو اسے ملامت کرنا اچھا نہیں الخ (ص ٦٧) تقیہ اہل سنت کے نزدیک جائز ہے اور اس رخصت الٰہیہ کو حرام و ناجائز کہنا خوارج کا مذہب ہے۔ (۴۵)

حضرت ابراہیم اور امام الانبیاء نے بھی تقیہ کیا

مثلاً: ابراہیم علیہ السلام نے تین مقامات پر تقیہ کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مقامات پر تقیہ کی بعض انواع پر عمل کیا ہے الخ (ص ۴۷)

② حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی بنو اسرائیل کی نافرمانی وطغیانی کے سامنے تقیہ کرنا پڑا۔ (ص ۹۵)

③ حضرت علی المرتضیٰ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کے متعلق لکھا ہے کہ: معلوم ہوا ہے کہ بیعت تقیہ لوگوں کے متغیر رویے کو دیکھ اور محسوس کر کے کی گئی ہے۔ (ص ۹۷)

④ مولانا ومولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے ایک دوسرے مقام پر تقیہ کو استعمال کیا۔ صفین کے میدان میں جنگ اپنے آخری مرحلوں میں تھی۔ الخ (ص۹۸)

⑤ امام حسن نے تقیہ کیا۔ بالآخر تقیہ کر کے صلح کر لی۔ (ص۹۹، ۱۰۰)

⑥ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تقیہ کیا۔ (ص۱۰۲)

⑦ (ام المومنین حضرت) ام سلمہ رضی اللہ عنہا معلّمہ تقیہ تھیں (ص۱۰۳)

⑧ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی تقیہ کیا۔ (ص۱۰۹)

⑨ حضرت سعید بن جبیر نے تقیہ کیا۔ (ص۱۱۰)

⑩ اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت کو علی العموم اور اصحاب کو علی الخصوص تقیہ کی تعلیم دی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا تقیہ

امام شافعی رحمہ اللہ تو تقیہ کی وجہ سے حب اہل بیت کو بھی مخفی رکھتے تھے آخر تنگ آکر کچھ کہنا پڑا۔'' (ص۲۶۲)

(ب) اور امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ربیع کو خفیہ طور پر کہا کہ چار صحابیوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی اور وہ چار معاویہ، عمرو بن عباص، مغیرہ اور زیاد ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک یہ چاروں دوست اپنی بدکرداری اور عداوت اہل بیت علیہم السلام کی وجہ سے غیر عادل ہیں۔'' (ص۲۶۱)

امام بخاری رحمہ اللہ بھی ناصبی

بخاری اور اس کے مدح سراؤں کے نزدیک علی علیہ السلام پر لعنت کرنے والے چاہے معاویہ یا اس کے ساتھی ہوں یا بعد کے ناصبی ثقہ اور عادل ہیں۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کا محب صحابی ہو تو بھی متروک ومجروح ہے اگر یہ ناصبیت نہیں تو شاید دنیا میں ناصبیت کا کہیں وجود ہی نہ تھا اب ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ دوسری طرف جب ناصبیوں سے علم نہیں ملا تو ناچار شیعوں سے روایات لینی شروع کر دیں۔ دین کا علم تو تھا ہی علی رضی اللہ عنہ کے ملنگوں

کے پاس۔ ناصبی ہر دور میں کور باطن ہی رہے ہیں۔ الخ (ص۲۵۹)

بخوف تطویل صرف مذکورہ عبارات پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ جو واضح ہیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ مصنف مذکور نے اہل سنت بن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بعض صحابہ کے خلاف جوز ہر اگلا اور انبیائے کرام بلکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تقیہ باز قرار دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے نزدیک رضا مندی سے حضرت ابو بکر صدیق (قرآن کے اوّل خلیفہ موعود) کی بیعت نہیں کی بلکہ وہ تقیہ پر عمل پیرا تھے تو اس مصنف کو کون اہل علم وفن اہل السنّت والجماعت میں شمار کرسکتا ہے؟ مصنف صاحب نے اہل سنت اور خادم اہل سنت بن کر جو مسموم نظریات پیش کیے ہیں یہ بھی ان کا مخصوص تقیہ ہے اور اسی حربہ سے روافض ہر دور میں کام لیتے ہیں۔

مصنف کی گرفتاری

حضرت مولانا عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اہل سنت، اسلام آباد نے مجھے بذریعہ عنایت نامہ اطلاع دی ہے کہ صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے نافذ کردہ تحفظ صحابہ آرڈیننس کے تحت یہ زیر بحث کتاب ضبط کرلی گئی ہے۔ اس دریدہ دہن مصنف کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ یہ خبر تمام سُنّی مسلمانوں کے لیے مسرت کا باعث ہے۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ نہ صرف اس مصنف کو بلکہ اس قسم کے دیگر مصنفین کو بھی گرفتار کرلیا جائے جن کی تصانیف میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک کی بھی توہین پائی جاتی ہے اور ان کو سنگین سزا دے کر عظمت صحابہ کرام کا تحفظ کیا جائے۔

علماء حق توجہ فرمائیں

مسلک اہل السنّت والجماعت مسلک اعتدال اور مسلک حق ہے جس کی بنا پر صحابہ کرام ہوں یا اہل بیت عظام۔ امہات المومنین (ازواجِ مطہرات) ہوں یا بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب کی تعظیم واجب ہے۔ ان حضرات میں سے کسی کی طرف کسی ایسے امر کی نسبت کرنا جس میں ان کی توہین پائی جاتی ہو ناجائز ہے (اور خطائے اجتہادی کی

نسبت کرنے میں نہ کوئی تنقیص نہ توہین)۔ علمائے اہل السنّت والجماعت کی خدمت مین گزارش ہے کہ وہ افراط وتفریط کے ان گوناگوں فتنوں سے امت مسلمہ کو بچائیں اور مسلک حق کا ہر پہلو سے تحفظ کر کے پرچم خلافت راشدہ (حق چار یارؓ) بلند کریں۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کو کامیابی عطا فرمائیں آمین بجاہ رحمۃ للعالمین ﷺ۔

مولانا عبید اللہ انور کا سانحہ وفات

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کے صاحبزادہ اور جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ جگر کا اپریشن کرانے پر قریباً ایک ہفتہ میو ہسپتال لاہور میں زیر علاج رہ کر ۲۸/اپریل ۱۹۸۵ء مطابق ۷/شعبان ۱۴۰۵ء (قریباً صبح ۸/بجے) انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔ مولانا مرحوم طبعاً شریف نرم مزاج تھے اور چشم پوشی کرنے والے بزرگ تھے۔ سالہا سال کی علالت کے دوران آپ خدام الدین کی پوری نگرانی نہ کر سکے اور آپ کی نرم مزاجی سے بعض اہل قلم نے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ خدام الدین میں ایسے قابل گرفت مضامین شائع ہو گئے جن کی نشاندہی کتاب ہٰذا میں کی گئی ہے۔ حالانکہ مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ مسلکاً اکابر دیوبند کے متبع تھے۔ اب صاجزادہ مولانا محمد اجمل صاحب قادری سلمہٗ کو سخت نگرانی کرنی چاہیے تاکہ مسلک حق کے خلاف کوئی مضمون خدام الدین میں شائع نہ ہو سکے۔ چونکہ پریس میں کتاب جانے سے پہلے مولانا مرحوم کی وفات کا سانحہ پیش آچکا ہے اس لیے مولانا مرحوم کی وفات کا ذکر اور خدام الدین کے متعلق یہ اصلاحی نوٹ شامل کتاب کر دیا گیا ہے۔

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ
یکم رمضان المبارک
۱۴۰۵ھ

ہیں ابوبکر و عمر، عثماں، علی رضی اللہ عنہم برحق امام

ازقلم: خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ

ہے اُسی کے نام سے میرے سخن کی ابتدا
قادر مطلق ہے جو دی جس نے توفیق کلام
بعد اس کے سرورِ کون ومکاں کی ذات پر
گنبد خضرا میں پہنچے صد درود وصد سلام
مسئلہ ختم نبوت کا ہے ایماں کا مدار
سب مسائل سے بلند وبالا ہے اس کا مقام
اور ہیں آل نبیؐ۔ ازواج بھی سب جنتی!
ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ علیؓ برحق امام
اور صحابہ کی جماعت بھی ہے سب معیار حق
مل چکی قرآن میں ہے ان کو رضوانِ دوام
آگئے خدام اہل سنت آخر جوش میں
بت شکن جب آگئے تو بت گرے اوندھے تمام
جھوٹ اور بہتان کے بھی ہوگئے بت پاش پاش
سامنے حق کے نہیں باطل کو رہ سکتا قیام
دولت وعزت ہے دنیا کی یہ فانی بے وفا
اقتدار دینوی کو ہے نہیں حاصل دوام
سرور کونین کی سنت پہ رہ ثابت قدم
کر رضائے حق کی خاطر خدمت ملک وعوام

مظہر ناکارہ اب آخر میں کرتا ہے دعا
ملک پاکستان میں نافذ ہو بس شرعی نظام

نوٹ

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں خدام اہل سنت کے تعاون سے بھٹو پارٹی کے امیدوار کے مقابلہ میں فضل حق صاحب آف ملہال کو صوبائی سیٹ پر نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ فریق مخالف کو مرزائیوں کا تعاون بھی حاصل تھا۔ اس عظیم کامیابی کے موقع پر یہ نظم لکھی گئی تھی۔ جس میں اپنے امیدوار موصوف کو مبارکباد کے ساتھ دینی نصیحت بھی کی گئی تھی۔ اور مسلکِ حق اور خدام کی تحریک کا مقصد بھی اس میں واضح کر دیا تھا۔ بعض اشعار حذف کر کے باقی نظم اہل سنت کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ہم نے ۱۹۷۰ء میں جس مسلک کا اعلان کیا تھا آج بھی ہمارا وہی اعلان ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل السنت والجماعت کو ہر مقام اور ہر مرحلہ پر کامیابی نصیب فرمائیں۔ آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ (خادم اہل سنت)